ازواج الانبیاءؑ
(علیہن السلام)
www.KitaboSunnat.com
تالیف
جناب احمد خلیل جمعہ
ترجمہ
مولانا محمد عبدالرشید قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات انبیاء علیہم السلام کی ازواجِ مطہرات کا تذکرہ

ازواج الانبیاء علیہم السلام

مع تذکرہ: ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

عربی تالیف: احمد خلیل جمعہ

اردو ترجمہ: مولانا محمد عبدالرشید قاسمی

ناشر

کتب خانہ شانِ اسلام

راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، پاکستان

فون: 7351120

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ——— ازواج الانبیاء علیہم السلام

مصنف ——— احمد خلیل جمعہ

ترجمہ ——— مولانا محمد عبدالرشید قاسمی

ناشر ——— احمد سعید

قیمت ——— -/360 روپے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ شان اسلام

راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، پاکستان

فون : 7351120

فہرست مضامین

⑮ امُ المومنین حضرت امِ سلمه (هند) رضی الله تعالیٰ عنها 281

حضرت حواء علیہا السلام

تخلیق نوع انسانی:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا جب ارادہ ہوا۔ کہ اس رنگارنگ کائنات کو معرض وجود میں لاکر اس میں اشرف المخلوقات انسان کو پیدا کر کے اسے اس جہان رنگ وبو کی سرداری کا تاج پہنائے۔ اور اس کائنات کو اس کی خدمت کے لئے تابع ومسخر کر دے، اور اس دنیا کی تعمیر وتزئین اس کے سپرد کر دے۔

انسان کی تخلیق کیسے ہوئی ؟:

سب سے پہلے ہم بشریت کے ابتدائی قصہ پر ذرا بصیرت کی نظر ڈالتے ہیں۔ اور اسے ملاء اعلیٰ سے شروع کرتے ہیں۔ تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ قرآن پاک نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔ لہٰذا مٹی مظاہر قدرت میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اسے اس کے لئے کسی ابتدائی مادہ (میٹر) کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بلکہ اس کے کن کہنے سے ہی جسے وہ مدا کرنا چاہے وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسے فرما دیتا ہے۔ ”ہوجا“ تو وہ ہوجاتی ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (سورہ یٰسٓ آیت ۸۲)

اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کو اپنی قدرت کاملہ کا ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کہ ایجاد وتخلیق کا اصل سرچشمہ قدرت الٰہی ہے۔ جو عدم سے وجود پیدا کرتی ہے۔ اور بے جان جامد چیز میں روح ڈال کر اس کو زندگی بخشتی ہے۔ اور کمزور کو توانائی سے نوازتی ہے۔ اور سکون کو حرکت دیتی ہے۔ اور یہی بے جان مٹی قدرت خداوندی سے حرکت کرنے اور بولنے لگتی ہے۔ اور ایک ٹھوس بے حس وحرکت چیز حسین وجمیل انسانی صورت میں ڈھل کر حسن کا پیکر بن جاتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اب تم انسان ہو کر جابجا پھیل رہے ہو"۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ (سورۃ الروم آیت ۲۰)

قرآن کریم ہی ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں بتاتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی اس زمین پر پہلے فرد بشر ہیں اور اس جہان کی اصل بنیاد ہیں۔

قدرت الٰہی کو یہ منظور تھا۔ کہ یہ کُرّۂ ارض ہی حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کا ٹھکانا بنے۔ لہٰذا حضرت آدمؑ وجود انسانی کی ابتداء ہیں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کی طرف سے ہر چیز سے باخبر تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام دنیاوی چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے۔

اور حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا اصل مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت تھا۔ اور سورہ بقرہ میں جو لفظ "خلیفہ" انسان کے لئے آیا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے۔ کہ انسان کا وجود اس کرۂ ارض پر ایک خاص مدت تک اللہ رب العالمین کی عبادت اور تابعداری کے لئے ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ہی اس زمین اور اس پر رہنے والوں کا مالک ومختار ہے۔ اور سب نے اسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔

لہٰذا مشیت الٰہی وحکمت ازلی خداوندی کو منظور ہوا۔ کہ حضرت آدمؑ کو پیدا فرمائے۔ تو اس نے اپنے فرشتوں کو اس کی اطلاع دی۔ اور نیز انہیں بتایا۔ کہ زمین پر اس کی ذریت سے ایسے لوگ بھی ہونگے۔ جو زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ اور قتل وغارت کریں گے۔

اس موقعہ پر ملائکہ کرام نے تعجب کیا۔ اور پوچھا پھر انسان کو پیدا کرنے میں کیا حکمت خداوندی ہے؟ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے۔ جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں" پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (سورۃ البقرہ آیت ۳۰)

سجودِ آدمؑ:

مشیت الٰہی پوری ہوئی ۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرما دیا۔اوراس میں جان ڈال کر اسے وہ اسرار خاص عطاء فرمائے جو اسے فرشتوں سے ممتاز کر دیں ۔جس میں وہ مستقل ارادہ بھی شامل ہے۔جس سے انسان اپنے لئے کوئی راستہ متعین کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا۔کہ وہ حضرت آدمؑ کو بطور اکرام سجدہ کریں۔اور یہ سجدہ حضرت آدمؑ کی بڑائی اور عظمت کے لئے سجدہ نہیں تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور عظمت شان الٰہی کے اعتراف کے لئے سجدہ تھا۔کہ اللہ تعالیٰ ہی بالا اور احسن الخالقین ہے۔

تمام فرشتوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں سجدہ کیا۔سوائے ابلیس لعین کے کہ:

''اس نے انکار کر دیا اور بڑا بن بیٹھا اور کافروں میں سے ہو گیا''۔ اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ۝ ﴿سورۃ البقرہ آیت ۳۴﴾

اور ابلیس کا حضرت آدمؑ کو سجدہ سے انکار حسد اور تکبر کی بنا پر تھا۔نیز بوجہ اختلاف پیدائش کے۔کہ ابلیس کی پیدائش آگ سے اور حضرت آدمؑ کی مٹی سے ہوئی تھی۔اور شیطان کا خیال تھا۔کہ اصل مادۂ پیدائش کے لحاظ سے وہ حضرت آدمؑ سے افضل و برتر ہے۔

خلیفۂ شر ابلیس:

یہاں خلیفہ شر مجسم ہو کر سامنے آیا۔اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نمونہ'معرفت الٰہی سے روگردانی' ہٹ دھری و بے سمجھی کا پتلہ'جو یہ نہ سمجھ سکا کہ اس سجدے کی غرض و غایت حکم ربی کی تعمیل و اتباع ہے۔نہ کہ آدمؑ کی ذات محض۔

یہ حادثہ بھی ایک امر ربی تھا۔کہ مشیت خداوندی یہی تھی۔کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ جنت سے زمین پر چلے جائیں۔

تاکہ خلیفہ شر (ابلیس) اور خلیفہ خیر (آدمؑ) کے درمیان مسلسل معرکہ ہو۔اور ابلیس اور اس کی ذریت انسانوں کی گمراہی کے سامان کرتے ہیں۔اور اس سطح زمین پر انسانوں کے ایمان کا امتحان ہوتا رہے۔

اللہ کریم نے ابلیس کے سجدہ سے انکار کا واقعہ قرآن مجید کی کئی سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔

سورہ اعراف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴿اعراف آیت ۱۲ تا ۱۶﴾

جب میں نے تمہیں حکم دیا تو کس چیز نے تمہیں سجدہ کرنے سے باز رکھا اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا تو ادھر سے چلا جا (اتر جا) تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے نکل جا تو ذلیل ہے۔ اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت عطا فرما جس دن لوگ قبروں سے اٹھاتے جائیں گے۔ فرمایا تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ پھر شیطان نے کہا کہ مجھے تو نے ملعون کیا ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے راستے پر ان کے لئے بیٹھ جاؤں گا۔

نیز سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ ﴿آیت ص ۷۵، ۷۶﴾

اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا کیا تو غرور میں آ گیا ہے؟۔ یا اونچے درجے والوں میں تھا۔ بولا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔

اس طرح ابلیس سجدہ کرنے سے رک گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکار دیا۔ اور اپنی بارگاہ رحمت نکال باہر کیا۔ اور ملعون و مردود اور راندۂ درگاہ بنا کر زمین پر اتار دیا۔

امام مسلمؒ نے اپنی سند میں حضرت ابو صالح کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا

ہے۔تو شیطان پیچھے ہٹ کر روتا ہے۔ کہتا ہے۔ہائے افسوس! انسان کو سجدے کا حکم ہوا۔تو اس نے سجدہ کرلیا۔اب اس کے لئے جنت ہے۔اور مجھے سجدے کا حکم ہوا۔تو میں نے انکار کر دیا اب میرے لئے جہنم ہے۔(مسلم شریف کتاب الایمان)

حضرت حوا کی پیدائش:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرما کر جنت میں ٹھہرایا۔جس میں آپ اکیلے چلتے پھرتے تھے۔اور کوئی آپ کا ہمنشین اور مونس و غمگسار نہیں تھا۔نہ کوئی ساتھی رفیق' تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انکا ساتھی پیدا کر کے ان کی زندگی کو بھرپور کر دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔

اس بارے میں مفسرین کا کہنا ہے۔کہ حضرت آدمؑ تھوڑی دیر سونے کے بعد جاگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سرہانے ایک عورت کو پیدا فرما دیا تھا۔جو ان کے لئے سکون کا باعث ہو سکے جس کا نام حوا تھا۔اور یہ نام اس لئے ہے۔کہ آپ ایک زندہ ہستی سے پیدا ہوئیں۔یا یہ کہ آپ ہر زندہ انسان کی ماں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔کہ آپ حضرت آدمؑ کی پسلی کی ایک ہڈی سے پیدا فرمائی گئیں جب کہ حضرت آدمؑ سو رہے تھے۔اور آپ کو درد کا بالکل بھی احساس نہیں ہوا۔

صحیح حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی خیر خواہی کیا کرو۔کیونکہ عورت ٹیڑھی ہڈی سے پیدا ہوئی ہے۔اور پسلی کی ہڈیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی ہڈی اوپر والی ہوتی ہے۔اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے۔اور اگر ایسے ہی چھوڑ دو گے۔تو برابر ٹیڑھی رہے گی۔لہٰذا عورت سے نرمی کے ساتھ تدبیر کیا کرو۔اس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے شعروں میں ڈھالا ہے۔

هِيَ الضِّلَعُ الْعَوْجَاءُ لَسْتَ تُقِيمُهَا ... أَلَا إِنَّ تَقْوِيمَ الضُّلُوعِ انْكِسَارُهَا

أَتَجْمَعُ ضَعْفًا وَّاقْتِدَارًا عَلَى الْفَتَى ... أَلَيْسَ عَجِيبًا ضَعْفُهَا وَاقْتِدَارُهَا

یہ ٹیڑھی ہڈی ہے تو اسے سیدھا نہیں کر پائے گا۔کیونکہ پسلیوں کا ٹیڑھا ہونا ہی انکا سیدھا پن ہے۔کیا تم طاقت اور کمزوری ایک نوجوان میں یکجا کر سکتے ہو؟ کیا طاقت اور ناتوانی کا یکجا ہونا عجیب نہیں ہے؟

یہ بات تو قرآن مجید کے حوالہ سے ملے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ وحوا کو پیدا فرمایا۔ اور انہیں نوع انسانی کی بنیاد بنایا۔ لیکن اس تخلیق کی جزئی تفصیلات اور باریکیاں۔ اور اس میں کتنا وقت صرف ہوا۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں کوئی وضاحت نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا ضرور فرمایا۔

میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا۔ اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت۔

مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ﴿الکهف ۵۱﴾

حضرت حوا کو پیدا کرنے کا معاملہ تو یوں ہے کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا۔ ﴿کن﴾ (ہو جا) بس ﴿فَيَكُوۡنُ﴾ وہ ہو گیا۔ قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ تخلیق حوا' کا مقصد مرد وعورت کا ایک دوسرے کے ذریعے سکون وقرار تھا۔ اور یہ روحانی تعلق بھی مشیت خداوندی کا ایک حصہ تھا۔ جس سے ایک دوسرے کے ذریعے مکمل ہونا ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے پھیلا دیئے"۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ج ﴿النساء: ۱﴾

دونوں میاں بیوی جنت میں رہو:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ وحوا کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔ تو وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اس سلطانی فرمان کی تعمیل میں جنت میں رہنے لگے۔ اور وہ جنت جس میں حضرت آدمؑ وحوا رہتے رہے۔ کونسی جنت تھی اور وہ کتنا عرصہ اس میں رہے؟

درحقیقت ہم نہیں جانتے کہ وہ جنت کہاں واقع تھی؟ یا یہ وہ غیبی امر ہے۔ جس عالم الغیب پروردگار نے اپنی ذات گرامی کے ساتھ ہی مخصوص رکھا ہے۔ اور حکمت الٰہی میں یہ بات ہے۔ کہ نوع انسانی کو اس کی کنہہ (گہرائی) جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔ کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ جو یکتا وتنہا با اختیار ہے۔ اور ہمارے لئے وہی کافی ہے۔ جو وہ

ہماری ضروریات زندگی مہیا فرماتا ہے۔

حضرت آدمؑ وحوا جنت میں:

اب دونوں جنت میں رہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دی کہ جہاں سے چاہو۔ جتنا چاہو کھاؤ پیو۔ لہٰذا وہ آزادی سے جہاں چاہتے گھومتے اور جنت کی نعمتوں اور پھلوں سے مستفید ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو وحی فرمائی۔ کہ میری اس نعمت کو بھی یاد رکھو۔ میں نے اپنی مشیت خاص سے تمہیں پیدا فرمایا۔ اور درست بشری صورت بخشی۔ اور تم میں اپنا خاص لوح ڈال کر اپنے علم کے فیض سے نوازا۔ اور تمہارے احترام میں تمہیں فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ یہ جنت تمہارے لئے دائمی ٹھکانہ ہے۔ یہ شیطان! اسے میں نے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا ہے۔ اور جب سے یہ میرے حکم سے باہر ہوا ہے۔ میں نے اسے ملعون کر دیا ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ بدقسمتی سے کہیں یہ تمہیں جنت سے نہ نکال دے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کے قریب پھٹکنے سے منع فرمایا۔ اور اس سے بچنے کی بڑی تاکید فرمائی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

''اور ہم نے کہا۔ اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو۔ اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب مت جاؤ۔ ورنہ ظالموں سے شامل ہو جاؤ گے''۔	وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ ۝ ﴿البقرہ . ۳۵﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا اگر وہ ممنوعہ درخت سے بچتے رہیں گے۔ تو وہ انہیں جنت کی اور نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اور یہ کہ انہیں بھوک نہیں لگے گی۔ اور نہ ہی وہ بے لباس ہونگے۔ اور جب تک وہ جنت میں رہیں گے۔ نہ انہیں پیاس ستائے گی۔ اور نہ وہ تھکاوٹ محسوس کریں گے۔ فرمان باری ہے۔

''یہاں تمہیں یہ آسائش ہوگی۔ کہ نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے۔ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو گے۔ اور نہ دھوپ کھاؤ گے''۔	إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى وَ أَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى ۝

جنت میں آدمؑ وحوا کیسے رہتے تھے:

جنت میں ان کی زندگی آزاد اور با اختیار تھی۔ جس میں کسی چیز کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اور پھر حضرت آدمؑ نے جنت میں راحت وخوش نصیبی حضرت حوا کی معیت میں حاصل کی وہ اکیلے میں انہیں کہاں نصیب تھی۔ اکیلے تو عموماً اداس ہی رہا کرتے تھے۔ اب وہ بی بی حوا کی معیت میں جنت میں جو چاہتے کھاتے پیتے۔ خوش رہتے۔ طرح طرح کے نظارے دیکھتے' اور شاید زیادہ تر بی بی حوا سے باتیں کرتے رہتے۔ اور دونوں ہر طرف سے وہاں تسبیحات کی گونج سنتے رہتے۔

بِحَمْدِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝

اور حضرت آدمؑ' بی بی حوا جنت کے پھل تناول فرماتے' اور باغوں میں گھومتے پھرتے۔ اور جنت کی نہروں سے ٹھنڈے میٹھے مشروب پیتے۔ اسی طرح وہ خوش بختی کے چشموں سے شراب ہوتے' جنت کے سایوں میں آرام کرتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔

حضرت آدم وحوا یہ سمجھ چکے تھے کہ انہیں اس درخت کے کھانے سے روکا گیا ہے۔ اور یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے جانی تھی کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کہ اس درخت کے قریب مت جائیو! اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے کھانے کے نقصان سے خبردار کر دیا تھا۔ اور اس سے بچنے کی نصیحت فرمادی تھی۔ تو جب بھی وہ اس درخت کے قریب سے گزرتے۔ تو فوراً وہاں سے پیچھے ہٹ جاتے۔

حضرت آدمؑ وحوا دونوں اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں رہ رہے تھے۔ اور جنت میں وہی ان کا مربی ونگران تھا۔ جتنا چاہتے کھاتے پیتے اور جہاں چاہتے اور پسند کرتے رہتے۔ اور اسی طرح نہ معلوم کتنا عرصہ گزر گیا۔

ابلیس آدمؑ وحواؑ کو دھوکہ میں ڈالتا ہے:

اب ابلیس لعین حضرت آدم وحوا کی گھات میں لگا ہوا تھا۔ کیونکہ حضرت آدمؑ کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا گیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حکم ربی کے مطابق حضرت آدمؑ کو سجدہ

نہیں کیا۔ابلیس لعین نے اپنے خبث باطن کی بنا پر یہ جان لیا تھا۔کہ یہ نافرمانی ہی اس کے راندۂ درگاہ ہونے کا سبب ہے۔اب وہ کسی طرح حضرت آدمؑ کو راندہ درگاہ بنانے کی فکر میں اور انہیں جنت کی ان دائمی نعمتوں سے محروم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔جن میں رہ کر وہ عیش وآرام کی زندگی گزار رہے تھے۔

اس طرح ابلیس لعین حضرت آدمؑ کو بہکانے درغلانے کے لئے وسوسے ڈالتا رہا۔اور حسد کی بنا پر فریب کاری کے حیلے سوچتا رہا۔جنہیں حضرت آدمؑ جھٹکتے رہے اور ان سے بچتے رہے۔حتیٰ کہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ابلیس کے مسلسل درغلانے اور روزانہ وسوسہ ڈالنے سے حضرت آدمؑ ارشاد خداوندی اور نصیحت فراموش کر بیٹھے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔کہا اے آدم میں تمہیں ایسا درخت بتاؤں جس سے دائمی زندگی اور ایسی بادشاہت حاصل ہو کہ کبھی ختم نہ ہو"۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ ﴿طٰہٰ آیت ۱۲۰﴾

حضرت آدمؑ وحواؑ دیر تک سوچتے رہے۔اور اس درخت کے بارے میں غور کرتے رہے۔اور ابلیس برابر انہیں ورغلاتا رہا۔اور شفقت اور دوستی کا اظہار کرتا رہا۔لیکن اس کا محسوس کیا کہ ان تمام تدابیر کا حضرت آدم علیہ السلام پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔تو اس نے ایک دوسرا طریقہ سوچا۔کہ شاید اسی طریقے سے حضرت آدم وحوا اس خود ساختہ نصیحت پر کان دھریں۔اس نے ایک حیلہ اختیار کیا۔اور انہیں یقین دلایا۔کہ وہ ان کا سچا خیر خواہ اور دوست ہے۔اور یہ کہ وہ ان کا برا نہیں چاہتا۔اور انہیں ڈرایا کہ جس ناز ونعمت میں وہ زندگی گزار رہے ہیں۔اگر انہوں نے اس درخت کا پھل نہ کھایا۔تو یہ نعمت ان سے چھن جائے گی۔اور اس دائمی نعمت کو حاصل کرنے کی یہی ایک صورت ہے۔کہ وہ اس کا پھل کھالیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے یوں بیان فرمایا ہے۔

"اور کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے۔کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ۔یا ہمیشہ ہمیشہ زندہ نہ ہو۔"

وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ ﴿سورۃ الاعراف: آیت ۲۰﴾

اللہ کے دشمن شیطان نے آدمؑ حوا کے بارے میں اندازہ کرلیا۔اور یہ محسوس کرلیا۔ کہ ان کا رجحان ومیلان اس نعمتوں کے مقام پر ہمیشہ رہنے کا ہے۔اور یہ کہ وہ اسی حیلے سے انہیں زیر کر سکتا ہے۔

اور اس نے اپنی باطنی خباثت کو چھپاتے ہوئے ان سے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے۔ کہ اگر تم اس کا پھل کھالو گے تو کبھی نہیں مرو گے۔ بلکہ فرشتے بن جاؤ گے اور خیر وشر کی ہر بات کو جان جاؤ گے۔ اور میں تم دونوں کے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور یہ دائمی زندگی کا درخت ہے۔ جو اس میں سے کھائیگا۔ وہ کبھی نہیں مرے گا۔

جب ابلیس لعین نے قسم کھائی تو حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ سے کہا۔ میں تو اس درخت سے نہیں کھاتا۔ بی بی حوا نے کہا دیکھتے نہیں۔ کہ اس نے قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ ہمارا خیر خواہ ہے۔

اور یہ اس لئے کہ انہوں نے پہلے کسی کو قسم کھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ وہ یہ جانتے تھے کہ کوئی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔

خوش کن انسانی خواہشیں:

اس طرح ابلیس خفیہ خوش کن خواہشات انسان کے دل میں پیدا کرتا رہتا ہے۔ کہ انسان چاہتا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ یا کم از کم یہ محدود عمر ایک لمبی زندگی سے بدل جائے۔ اور اسے لا محدود حکومت وسرداری میسر ہو جائے۔

لہٰذا ابلیس برابر وسوسہ ڈالتا رہا۔ اور حضرت آدمؑ وحواؑ کو بہکانے اور ورغلانے میں لگا رہا۔ اور مزید یہ کہ ایک بڑی قسم کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا۔ اور یہ کہ وہ اس خیر خواہی میں سچا اور مخلص ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں"۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۝

﴿سورۃ الاعراف﴾

اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت آدمؑ بھول میں پڑ گئے۔ اور شیطان کی مدہوش کن قسم اور ورغلانے کے زیر اثر حضرت آدمؑ وحواؑ یہ بھول گئے۔ کہ وہ ان کا دشمن ہے۔ اور وہ ان کا بھلا نہیں سوچ سکتا۔ یہ سب کچھ فراموش کر کے وہ اس کی بات ماننے پر آمادہ ہو گئے۔

شیطان کی بہکاوے میں آ کر:

امام ابوعبداللہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ پہلے بی بی حوا نے اس درخت کا پھل کھایا کیونکہ ابلیس نے انہیں بطور خاص ورغلایا۔ اور سب سے پہلے حضرت حواؑ سے ہی شیطان کی بات چیت ہوئی۔ اور کہنے لگا۔ کہ تم اس درخت سے اس لئے روکا گیا ہے۔ کہ یہ دائمی زندگی حاصل کرنے کا درخت ہے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا۔ کہ وہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس جنت میں رہنا چاہتے ہیں۔ تو ان کا دلی خواہش کی بنا پر انہیں ورغلانے کا نشانہ بنایا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی چیز کی شدید خواہش انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔

جب بی بی حواؑ نے حضرت آدم علیہ السلام سے اسے کھانے کو کہا۔ تو حضرت آدمؑ نے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد یاد دلایا۔ اور حضرت بی بی حوا کو سختی سے اس کے کھانے سے روکا۔ تو بی بی حوا نے کھانے کے لئے اصرار کیا۔ حتیٰ کہ یہ کہا کہ آپ سے پہلے میں اسے کھا کر دیکھتی ہوں۔ اگر مجھے کچھ نقصان ہوا۔ تو آپ نہ کھائیے گا۔ لہٰذا بی بی حوا نے وہ کھالیا۔ اور انہیں کچھ نہیں ہوا۔ تو حضرت آدمؑ کے پاس آ کر کہنے لگیں۔ کھا لیجئے! میں نے تو کھالیا ہے۔ اور مجھے کچھ نہیں ہوا۔

لہٰذا حضرت آدمؑ علیہ السلام نے بھی کھالیا۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ اب وہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے۔ جب دونوں نے کھالیا تو ان کے بدن برہنہ ہو گئے۔ اور ستر کھل گئے۔ اور شیطان کا فریب کامیاب ہو گیا۔ اور اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔ کہ شیطان نے دھوکے سے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہٹا کر نافرمانی میں مبتلا کر دیا۔ اور انہیں جنت کے درجہ سے اتار کر دنیا کے مرتبہ پر لا کھڑا کیا۔

چونکہ حضرت آدمؑ کے علم میں تھا کہ ایک دن انہیں مرنا ہے۔ لیکن ان کے دل میں جنت میں ہمیشہ رہنے کی تمنا تھی۔ اور شیطان کے ورغلانے اور قسمیں کھانے سے انہیں وہم پیدا ہو گیا کہ شیطان ان کا خیر خواہ ہے اور اس وہم، تمنا اور قدرت نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے۔ کہ وہ غفلت کی نیند سو گئے۔

جیسے کہ کسی شاعر نے اس بارے میں کہا ہے:۔

وَاسْتَيْقَظُوْا وَاَرَادَ اللّٰهُ غَفْلَتَهُمْ لِيَنْفُذَ الْقَدَرُ الْمَحْتُوْمُ فِي الْاَزَلِ

وہ بیدار تھے لیکن خدا کو ہی ان کی غفلت منظور تھی۔ کیونکہ اٹل تقدیر میں ازل سے یہی لکھا ہوا تھا۔

سرزنش اور توبہ:

حضرت آدمؑ نے بھول کر ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا۔اب انہیں نصیحت خداوندی فراموش کر دینے پر عتاب ہوا۔فرمان باری ہے۔

''اور ہم نے پہلے حضرت آدمؑ سے عہد لیا تھا۔مگر وہ اسے بھول گئے اور ہم نے ان میں ثبات نہ دیکھا''۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ ﴿طٰهٰ ١١٥﴾

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت آدمؑ وحوا پروردگار کے حکم سے باہر ہوگئے۔

تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور کہہ نہیں دیا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ﴿الاعراف : ٢٢﴾

جب آدمؑ وحوا کو حکم عدولی پر پروردگار کی جانب سے ڈانٹ پڑی اور نصیحت سے غفلت برتنے پر سرزنش ہوئی۔تو اس رحمانی تنبیہ سے انہیں وہ نصیحت یاد آئی۔تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے۔اور انہیں لغزش کا احساس ہوا۔اور اپنے کیے پر شرمندہ ہوئے۔اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور بخشش کے طالب ہوئے۔

دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا۔اور ہم پر رحم نہیں کرے گا۔تو ہم تباہ ہوجائیں گے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴿الاعراف :٢٣﴾

تو اس طرح حضرت آدمؑ اپنی لغزش پر آگاہ ہو۔معافی کے خواستگار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بلکہ توبہ و بخشش کے الفاظ بھی خود اللہ کریم نے اپنی خاص رحمت سے انہیں انکار فرمایا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ قرآن مجید میں یوں ہے:۔

پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمے سیکھ لئے اور معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا قصور معاف کردیا۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴿البقرة ٣٧﴾

لیکن کہاں اترے اور وہ جنت کہاں تھی۔ اور کیسے اترے؟ یہ امر غیب ہے۔ جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ بس ہمیں وہی علم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا۔ غیب کی چابیاں ایک اللہ کریم کے پاس ہیں۔ بس وہی جانتا ہے۔ جو خشکی میں ہے اور جو تری میں ہے۔

نیز فرمایا اب زمین پر آ جاؤ۔ تمہارا بعض کا بعض کے ساتھ مقابلہ ہے۔ بس پھر حضرت آدم و حوا اور ابلیس لعین اور اس کا کنبہ قبیلہ زمین پر اتر آئے تا کہ ان کا شیطان سے مقابلہ اور دشمنی چلتی رہے۔ حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت زمین پر اتار دیئے گئے۔ کہ وہ وہیں رہیں سہیں۔ اور حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت کے لئے طے ہو گیا۔ کہ وہ زمین میں سکونت اختیار کریں۔ اور وہاں ایک خاص عرصہ تک نفع اٹھالیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہ طے کر دیا۔ اسی میں زندہ رہیں۔ اور اسی میں مریں۔

اور پھر وہاں سے نکلیں۔ پھر اٹھائے جائیں تا کہ اپنے رب کی طرف لوٹیں ہوں کہ وہ بہشت میں داخل ہوں یا دوزخ میں۔ تا کہ ان کا یہ بڑا سفر اختتام کو پہنچے یعنی دنیا کی زندگی کا سفر۔

حضرت آدمؑ وحوا کے زمین پر اترنے کے بارے میں مختلف روایات اور اقوال ہیں۔ کہ جنت سے کہاں اتارے گئے۔ بعض کتب تواریخ کا بیان ہے۔ کہ آدمؑ ہندوستان میں اتارے گئے۔ اور بی بی حوا جدہ میں۔ اور پھر مزدلفہ میں اکٹھے ہوئے۔ اور میدان عرفات میں دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ اس سلسلے میں ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ کہ آدمؑ مقام صفاء اور حوا مقام مروہ پر اتارے گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ جنہیں مورخ طبریؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

اور خیال یہ ہے مورخ طبریؒ نے اس موضوع پر درست مسلک اختیار کیا ہے۔ کہ انہوں نے کوئی مقام متعین نہیں کیا۔ اور اس بارے میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی۔ اور کہا ہے۔ کہ اس بارے میں ہمارے پاس کوئی قطعی روایت نہیں جو پایہ صحت کو پہنچتی ہو۔ سوائے اس روایت کے کہ حضرت آدمؑ ہندوستان میں اترے تھے۔ اور یہ وہ روایت ہے۔ جس کے خلاف علماء اسلام نے کچھ نہیں کہا ہے۔ اور پھر یہ مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے جاننے یا نہ جاننے سے کوئی نفع ونقصان مرتب نہیں ہوتا۔ پھر بھی محققین کے لئے اس بارے میں تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

مشہور مورخ ابو جعفر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ سے روایت کی ہے۔ کہ مندرجہ بالا آیت کے سلسلے میں یہ کلمات شریفہ بھی حضرت آدم کی توبہ کے بارے میں آئے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَ بِحَمْدِکَ ط
رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّکَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ ط
اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَ بِحَمْدِکَ ط
رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ ط
رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ط

سب یہاں سے نیچے چلے جاؤ!

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ وحوا کا جنت سے نکل کر زمین پر آنا جمعہ کے روز ہوا۔ جیسا کہ احادیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ امام ابو داؤدؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے۔ جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدمؑ پیدا ہوئے۔ اور اسی دن زمین پر اتارے گئے۔ اور اسی دن آپ کی توبہ قبول ہوئی۔ اور اسی دن فوت ہوئے۔ اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔ اسی حدیث پاک کو اسی روایت سے احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے۔

چنانچہ حکم الٰہی صادر ہوا۔ کہ سب کے سب یعنی حضرت آدم وحوا شیطان لعین اور اس کی دریت جنت سے نکل کر زمین پر چلے جاؤ۔ فرمان باری یوں ہوا:۔

اِھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ○ قَالَ فِیْھَا تَحْیَوْنَ وَفِیْھَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْھَا تُخْرَجُوْنَ○ ﴿الاعراف: ۲۴، ۲۵﴾

"تم سب بہشت سے اتر جاؤ۔ اب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور تمہارے لئے ایک وقت تک زمین پر ٹھکانا اور زندگی کا سامان کر دیا گیا ہے۔ فرمایا اس میں تمہارا جینا مرنا ہوگا۔ اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے"۔

اب وہ سب وہاں سے نیچے زمین پر بھیج دیئے گئے۔ اسی پر جس پر ہم زندگی گزارتے ہیں۔ حضرت آدمؑ وحوا اور ابلیس زمین پر اترے۔

حضرت آدمؑ کی بیوی حواؑ:

سب سے پہلے نبی جنہیں اللہ تعالیٰ نے وحی اور احکام سے سرفراز فرمایا' وہ ابوالبشر حضرت آدمؑ ہیں۔ اور یہ بات قطعی ہے۔ کہ وہ پیغمبر ہیں۔ اور سب سے پہلے پیغمبر ہیں۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے:۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (ال عمران: ۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور نوحؑ اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں چن لیا۔

آیت بالا میں ان لوگوں کا بیان ہوا ہے جنہیں اللہ کریم نے اپنے بندوں میں سے ایک رسالت اور ایک دین کے لئے پہلے ہی چن لیا اور پسند فرما لیا تھا۔ تاکہ وہ ایمانی شاہ سواروں کے ہراول دستہ بنیں۔ اور خلق خدا کی ہدایت کے خداوند کریم کی طرف راہ نما ہوں۔ اور قرآن کی آیت کریم میں چننے سے مراد منصب نبوت پر سرفراز فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پچیس مرسل نبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کی نبوت کا اعتقاد و یقین ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ قرآن مجید میں مذکوران انبیاء میں سے کسی کا انکار کرے۔ اور ان سے ناواقف رہے اور ان کی نبوت سے بے خبر رہے۔

قرآن مجید میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی:

حضرت آدمؑ' حضرت ادریسؑ' حضرت نوحؑ' حضرت ہودؑ' حضرت صالحؑ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت لوطؑ' حضرت اسماعیلؑ' حضرت اسحاقؑ' حضرت یعقوبؑ' حضرت یوسفؑ' حضرت شعیبؑ' حضرت ایوبؑ' حضرت ذوالکفلؑ' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت ہارونؑ' حضرت داؤدؑ' حضرت سلیمانؑ' حضرت الیاسؑ' حضرت الیسعؑ' حضرت یونسؑ' حضرت زکریاؑ' حضرت یحییٰؑ' حضرت عیسیٰؑ' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نص قرآنی کی رو سے سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں۔ اور سنت مطہرہ کے بعض دلائل سے حضرت آدمؑ کی نبوت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

روایات:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آنجنابؐ نے فرمایا۔ حضرت آدمؑ عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! وہ نبی تھے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں ایسے نبی جن سے اللہ تعالیٰ نے باتیں کی تھیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! کتنے رسول ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تین سو دس سے کچھ زیادہ ایک بڑی جماعت!

محدث ابن حبانؒ نے بھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کہ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہؐ! نبی کتنے ہوئے ہیں؟ آنجنابؐ نے فرمایا ایک لاکھ بیس ہزار۔ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہؐ! ان میں رسول کتنے ہیں؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین سو تیرہ کی ایک بڑی جماعت میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ان میں پہلے کون تھے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ حضرت آدمؑ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا وہ نبی مرسل تھے؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست مبارک پیدا فرمایا۔ اور ان میں اپنا روح پھونکا۔ اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان سے باتیں کیں۔

خاتون اول:

اس طرح حضرت بی بی حواؑ پہلے نبی کی بیوی ہیں جن کا اللہ کریم نے اپنی پاک کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث شریف میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا بی بی حوا دنیا کی عورتوں میں پہلی خاتون ہیں۔ جنھیں ایک نبی کی کفالت میں اس دنیا میں زندگی گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت حواؑ کی زندگی کیسی تھی؟:

بی بی حواؑ اس دنیا میں کس طرح سے زندگی گزارتی رہیں۔ اس کی کوئی صحیح تصویر کشی ہم نہیں کر سکتے۔ اور یہ کہ کرۂ ارض پر انسانوں کا ابتدائی رہن سہن کیسا تھا؟ ہاں ان آثار و روایات کے ذریعے سے جو ہم تک پہنچی ہیں۔ ہم حضرت حواؑ کی ابتدائی زندگی کا کچھ خاکہ پیش کر سکتے ہیں۔ جو انہوں نے جنت

سے اترنے کے بعد اس دنیا میں گزاری۔ آپ جنت کی گمشدہ نعمتوں کو عرصہ تک یاد کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ دنیا کی مصروفیات میں انہیں گم شدہ جنت الفردوس کی نعمتیں فراموش ہو گئیں۔ کیونکہ اللہ کریم کو اس دنیا کی آبادی منظور تھی۔ اور ان کے ذریعے سے اس دنیا میں انسانوں کی رونق و بہار مطلوب تھی۔ اور ان شریف ماں باپ سے اس کا آغاز فرمایا۔

بی بی حواؑ اس کرۂ زمین پر:

جب بی بی حواؑ جنت سے نکلی ہیں۔ تو آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے جنت کو اور اس کے عیش و آرام کو چھوڑ کر اس مشقت بھری دنیا میں قدم رکھا۔ اور اپنے شوہر کے ساتھ اس دنیا کے مصائب کا مقابلہ کر کے زندگی گزارنے لگیں۔ کہ محنت کریں اور کھائیں۔ جب کہ جنت میں تو انہیں ہر نعمت بافراغت میسر تھی۔ جبکہ دنیا میں کھانے پینے کے لئے دوڑ دھوپ کی ضرورت تھی۔

لوہے کی صنعت:

زمین پر حضرت آدمؑ کو لوہے کی صنعت سکھائی گئی۔ اور ان سے آلات بنا کر کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے ہل چلایا۔ بیج بویا۔ اور اسے پانی دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے کاٹنے کا وقت آیا تو اسے کاٹا۔ اور گاہ کر دانے نکالے۔ اور آٹا پیس دیا۔

حضرت بی بی حواؑ کی گھر داری:

اب بی بی حوا کی ذمہ داری شروع ہو گئی۔ انہوں نے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکائیں۔ اور دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اس طرح آدم و حوا محنت مشقت کرنے لگے۔ پھر حضرت بی بی حوا نے اون کات کر سوت تیار کیا۔ جس سے حضرت آدمؑ نے اپنے لئے ایک بڑا کرتہ اور بی بی حوا کے لئے ایک قمیض اور اوڑھنی تیار کر دی جسے دونوں نے پہنا۔

اور کھیتی باڑی کی اسی مشقت سے انہیں مزید تجربات حاصل ہوئے آٹا پیستے گوندھتے پکاتے کھاتے۔ سوت کات کر لباس تیار کرتے ہی انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس دنیا کی اصلاح، تعمیر و ترقی اور ایک نئی نسل کو پروان چڑھانے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اور انہوں نے بڑھ چڑھ کر اس کی تعمیر و آبادی میں کوشش کرنا ہے۔

حضرت حوا کا سفر عبادت:

عبادت کا سفر یوں کہ مرکز عبادت ''کعبہ اللہ'' بنانے میں حضرت بی بی حواؑ حضرت آدم علیہ السلام کا ہاتھ بٹانے لگیں۔ اور اوپر کے ربانی اشارے پر کرۂ زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص اللہ تعالیٰ کا گھر بنانے میں حضرت آدمؑ کی مدد کرنے لگیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے باعث برکت اور دنیا جہان والوں کے لئے ہدایت کا مرکز بنا دیا۔ اور یہ کہ جو اس میں آ جائے گا۔ امن پائے گا۔ اور ہر پریشان خاطر شخص کے لئے جائے امن ہو گا۔ اور یہ خصوصیت زمین پر اور کسی مقام کو حاصل نہیں۔ اللہ کریم نے سچ ہی فرمایا ہے۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا' کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے۔ اور لوگ اس کے گرد و نواح سے اچک لئے جاتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ ﴿العنکبوت: ٦٧﴾

کعبۃ اللہ:

یہ مبارک گھر جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بطور قبلہ کے پسند فرمایا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وہ گھر ہے۔ جسے اس نے یہ شرف بخشا ہے۔ کہ اسے آدم و حوا نے مل کر بنایا ہے۔ کہ اس کی تعمیر میں حضرت حوا برابر حضرت آدمؑ کی شریک کار رہیں۔ اور اس کی تکمیل میں ان کی مدد کرتی ہیں۔ اور حضرت آدم و حوا کا تعمیر کعبہ کی دلیل دلائل النبوت کی وہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو حضرت آدم و حوا سب کے پاس بھیجا۔ اور کہلوایا کہ میرے لئے ایک عمارت بناؤ۔ اور اس کے لئے حضرت جبریلؑ نے نشان دہی کی۔ لہٰذا حضرت آدمؑ زمین کھودنے لگے۔ اور حضرت حوا مٹی اٹھا کر دوسری جگہ پھینکنے لگیں۔ یہاں تک کہ زمین سے پانی نکل آیا۔ تو نیچے سے آواز آئی۔ آدمؑ بس کرو!

جب دونوں نے اللہ تعالیٰ کا گھر بنا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو وحی فرمائی۔ کہ اس کا طواف کرو۔ اور فرمایا تم پہلے انسان ہو۔ اور یہ پہلا گھر ہے۔ پھر زمانے گزرتے رہے۔ پھر حضرت نوحؑ نے حج بیت اللہ کیا۔ اور پھر صدیاں گزر گئیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نئے سرے سے کعبہ اللہ کی تعمیر فرمائی۔

عہد آدم میں کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بارے میں امام غزالیؒ نے نہایت لطیف گفتگو کی ہے۔آپ فرماتے ہیں:۔

کہ بیت اللہ شریف یقیناً حضرت آدمؑ کے زمانے سے موجود ہے۔کئی چیزیں اس پر دلیل ہیں۔

پہلی دلیل ۔کہ نماز کی پابندی تمام انبیاء کی شریعت میں لازمی رہی ہے۔

دوسری دلیل ۔کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ ''ام القریٰ'' کو تمام بستیوں کی ''ماں'' فرمایا ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ شرف مکہ مکرمہ کو تمام روئے زمین کی بستیوں پر کعبۃ اللہ کی وجہ سے حاصل ہے۔

تمام انسانوں کی ماں:

اماں حوا روئے زمین پر عورتوں مردوں سب کی محترم ماں ہیں۔دنیا کی دوسری ماؤں کی طرح امید سے ہوتی اور بچے جنتی رہیں۔اور تاریخ انسانی میں یہ پہلی بیوی ہیں۔اور یہ پہلی خاتون ہیں جن سے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا۔حافظ ابن عساکر بیان کرتے ہیں۔کہ بی بی حوا دمشق کے قریہ غوطہ کی لہیا منزل (بیت لھیا) میں سکونت پذیر تھیں۔

مذکور ہے کہ حضرت حوا ایک زچگی میں دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنتی تھیں۔اس طرح بیس زچگیوں سے حضرت آدمؑ کے ان کے ہاں چالیس بچے پیدا ہوئے۔ایک زچگی میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔اور دوسری زچگی میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے۔تو دستور یہ تھا۔کہ جوان ہونے پر پہلی پیدائش کے لڑکے اور دوسری پیدائش کی لڑکی کا آپس میں نکاح ہوتا تھا۔اور دوسری پیدائش کے لڑکے سے پہلی پیدائش کی لڑکی کا نکاح ہوتا تھا۔ایک زچگی کے لڑکے لڑکی کا آپس میں نکاح شریعت آدمؑ میں جائز نہیں تھا۔

ہابیل و قابیل کا واقعہ:

پھر ایک زچگی میں حضرت بی بی حواؑ نے دو بچے جنے ایک لڑکا قابیل (قابین) اور ایک لڑکی لوذا (قابیل کی بہن) اور دوسری زچگی میں ایک لڑکا ہابیل اور ایک لڑکی اقلیما (ھابیل کی بہن) پیدا ہوئے۔جب یہ دونوں جوڑے اپنی ماں حوا اور اپنے باپ آدمؑ کی تربیت میں جوان ہو گئے۔تو دونوں

لڑے قابیل اور ہابیل طلب رزق میں کوشش کرنے لگے۔ اور ضروریات زندگی کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔

حضرت آدمؑ کا بڑا لڑکا قابیل کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا۔ اور دمشق کے مضافات میں "قینیہ" میں رہتا تھا۔ اور ہابیل نے بھیڑ بکریاں پال رکھی تھیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس کی رہائش دمشق کے مضافات میں قریہ سطرا میں تھی۔ کچھ عرصہ بعد جبکہ وہ جوان گئے۔ اور انہوں نے اپنا اپنا کاروبار جمالیا۔ تو ان کا ارادہ ہوا کہ وہ شادی کرلیں۔ اور بیوی کے ساتھ آرام وسکون کے ساتھ زندگی گزاریں اور اپنے ماں باپ کی خدمت کرکے انہیں آرام پہنچائیں۔

ظاہر ہے کہ ماں باپ ان کے اس ارادے سے خوش ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو وحی فرمائی۔ کہ وہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی اقلیمیا کا نکاح قابیل سے اور قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی لوذا کی شادی ہابیل سے کردیں۔

روایت:

حدیث پاک میں حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا۔ کہ قابیل کا نکاح ہابیل والی سے اور اور ہابیل کا نکاح قابیل والی سے کردیں۔

حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل میں قابیل اور ہابیل کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچا دیا۔ لیکن قابیل نے اس شادی سے انکار کردیا۔ اور اس شادی پر رضامند نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ ہابیل والی اقلیمیاء خوبصورتی اور جمال میں لوذا سے کمتر ہے۔ اور حسد کرتے ہوئے اقلیمیاء سے شادی کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ اور والد کی اطاعت سے روگردانی کی۔ اور دنگا فساد پر آمادہ ہوگیا۔ اور حسد نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس کے برعکس ہابیل آرام سکون اور وقار سے رہا۔ اور اپنے والد محترم کے حکم تعمیل پر آمادہ ہوگیا۔

قربانی کا قصہ:

ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ وحواؑ کو یہ تو معلوم ہوگیا۔ کہ وہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بی بی حوا کو یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ اس کے بیٹے قابیل کے دل میں کیا برا خیال چھپا ہوا ہے۔ لیکن حضرت آدمؑ

چاہتے تھے کہ کوئی ایسا حل نکالیں۔ جس سے دونوں بیٹے راضی ہو جائیں۔

لہٰذا حضرت آدمؑ نے دونوں بیٹوں کو بلایا۔ اور انہیں حکم دیا۔ کہ وہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی پیش کریں۔ تو جس کی قربانی قبول ہو جائے اسی کی بات پر عمل کیا جائے۔

لیجئے اب ہم قرآن وحدیث کی زبان سے اس قصہ قربانی کو سنتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت حوا کے ہاں قابیل کے ساتھ ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام لوذا تھا۔ وہ حضرت آدمؑ کی تمام لڑکیوں میں زیادہ حسین وجمیل تھی۔ اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی اقلیما اتنی حسین وجمیل نہیں تھی۔ لیکن جب انہوں نے اپنے والد سے نکاح کی درخواست کی۔ تو حضرت آدمؑ نے ہابیل سے فرمایا کہ تمہارا نکاح لوذا سے کرونگا۔ اور قابیل سے فرمایا کہ تمہارا نکاح اقلیما سے کرونگا۔ تو قابیل نے کہا کہ میں اس پر راضی نہیں ہوں۔ کہ میری بہن لوذا خوبصورت ہے میں اس سے شادی کروں گا۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بدل کر نکاح کرنے کا امر فرمایا ہے۔ اگر تم اس پر راضی نہیں ہو تو تم دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی پیش کرو۔ اس قربانی سے ہی تمہارا فیصلہ ہوگا۔ اس نے پوچھا ہمارا یہ فیصلہ کس طرح ہوگا۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہوگئی' اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔

قربانی:

اور اس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنی اپنی قربانی باہر زمین پر چھوڑ آئیں۔ جس کی قربانی قبول ہو گی۔ اس کو یا تو آگ جلا جائے گی۔ یا ویسے ہی وہ وہاں سے گم ہو جائے گی۔ اب دیکھتے ہیں۔ کہ ہابیل تو بھیڑ بکریوں میں اچھا مال خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لئے پیش کرتا ہے۔ اور قابیل گلی سڑی گھٹیا گندم قربانی کے لئے لا ڈالتا ہے۔ اب آگ آتی ہے۔ اور حضرت ہابیل کی قربانی کو جلا جاتی ہے۔ اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہتی ہے۔ یہ دیکھ کر قابیل حسد میں اندھا ہو کر غضبناک ہو جاتا ہے۔ اور جل کر اپنے بھائی ہابیل سے کہتا ہے۔ اچھا تو تیری قربانی قبول ہوگئی۔ اور میری نامنظور ہوئی۔ دیکھو میں تمہارا قصہ ہی پاک کر دونگا۔ ورنہ میری بہن لوذا سے شادی کرنے سے باز آ جاؤ۔

حضرت ہابیل کہتے ہیں۔ میں اس سے نہیں رک سکتا اور اپنے والد محترم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ تو قابیل انہیں ڈانتے ہوئے تنبیہ کرتا ہے۔ رک جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں جان سے مار دونگا۔ تو حضرت ہابیل اطمینان سے جواب دیتے ہیں۔ قربانی تو پرہیزگاروں کی ہی قبول ہوتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔قرآن کریم ان دونوں بھائیوں کا واقعہ اور ان کی گفتگو اور جذبات کا بیان کس طرح ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔کہ ایک بھائی کے کلام سے غصہ۔حسد۔اور جرم قتل کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے۔اور دوسرے کی گفتگو سے خلوص۔سچائی۔اور اس پرہیز گاری کا اظہار ہوتا ہے۔جس کی اساس خداخوفی پر ہے۔

اب دونوں بھائی اپنے والد محترم حضرت آدمؑ کے پاس آئے ہیں۔اور قربانی کا واقعہ انہیں بتاتے ہیں۔تو حضرت آدمؑ فرماتے ہین۔کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملہ کا فیصلہ فرمادیا ہے۔اب میں اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کے مطابق تمہارا نکاح کروں گا۔

یہ سن کر قابیل غصے میں کچھ دیر خاموش رہا۔پھر بولا۔میں اس دنیا میں اس طرح نہیں رہ سکتا۔کہ میری بہن یہ کہے کہ ہابیل تجھ سے بہتر ہے۔لہٰذا میں ہابیل کو جان سے ماردونگا۔حضرت ہابیل نے بھائی سے کہا کہ خدا سے ڈرو۔اور میرے قتل کے درپے نہ ہو۔لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔

یہ سن کر بھی حضرت ہابیل ایک متقی مومن کی طرح غصہ دلانے والی باتوں کے باوجود نہایت سکون وشرافت سے رہتے ہیں۔اور کہتے ہیں:۔

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴿المائدہ ۲۸﴾

اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا۔تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔میں تو پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

پھر حضرت ہابیل نے بھائی کو اس جرم سے بچانے کے لئے بہت سمجھایا اور خوف خدا دلایا۔اور کہا:

اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴿المائدہ: ۲۹﴾

میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو۔اور اپنے گناہ میں بھی۔اور پھر تو اہل دوزخ میں سے ہو۔اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

حضرت ہابیل نے قابیل کو ڈرانے کے لئے اس جرم کی ہولناک تصویر پیش کی۔تاکہ اسے اس برے ارادے باز رکھ سکے۔اور ایک صلح پسند نیک بھائی کو قتل کرنے پر شرم دلائے۔لیکن بات نہ بن سکی۔اور گفتگو یہیں ختم ہوگئی۔اور دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔

اس تمام وعظ ونصیحت اور فہمائشوں کے باوجود قابیل کا سرکش وشریر نفس اسی بات پر اڑا رہا۔

اور اپنے بھائی کو قتل کرنے پر تیار ہوگیا۔قرآن بیان کرتا ہے:۔

تو اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی لہٰذا اس نے اسے قتل کر دیا اور گھاٹا پانے والوں میں ہوگیا۔	فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهُ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

پھر وہ واقعی خائب وخاسر ہوگیا۔سب سے پہلے خود ہلاکت و بربادی میں پڑ کر خسارہ اٹھایا۔ اور پھر اپنے بھائی کو ہلاک و برباد کر کے ایک مددگار اور ساتھی کو کھو کر خسارہ میں پڑا۔اور پھر اپنے ماں باپ کو تکلیف پہنچا کر ان کی ناراضگی اور اللہ تعالیٰ کا غضب حاصل کر کے اپنی آخرت برباد کر لی۔اور پھر قاتل کی دنیاوی زندگی کبھی پرسکون اور خوشگوار نہیں ہو سکتی۔اور سب سے بڑا خسارہ آخرت کا اول و آخر تمام جرائم قتل کا گناہ اپنے سر پر لیا۔

حضرت ہابیل ایک طاقتور نوجوان تھے:

حضرت ہابیل بھی کوئی ایسے گئے گزرے نوجوان نہیں تھے۔ بلکہ جیسا کہ احادیث وروایات میں آتا ہے۔کہ آپ عالم فاضل اور صحت مند اور قوی نوجوان تھے۔اور صاحب عقل وہوش تھے۔

مفسر ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حق بات یہ ہے۔کہ حضرت ہابیل ایک مرد بہادر تھے لیکن محض شر و فساد سے بچنے اور خوف خداوندی کی بنا پر اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

جب قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔اب بھائی مردہ حالت میں اس کے سامنے پڑا ہے۔ اور وہ حیران و پریشان خاموش بیٹھا ہے۔اور اپنے جرم کے احساس سے اس کا رنگ پیلا پڑ گیا ہے۔اور بے جان لاشہ دیکھ کر گھبرا رہا ہے۔کیونکہ قتل ایسا جرم ہے جسے برداشت کرنا مجرم کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گھناؤنے فعل کا بوجھ شدید ترین فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت فرماتے ہیں۔کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔جب بھی کہیں کوئی بے قصور مارا جاتا ہے۔تو ان سب قتلوں کا بوجھ قاتل کے علاوہ سب سے پہلے قاتل حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل کے سر پر ہوتا ہے۔کیونکہ اس نے رسم بد کی ابتداء کی تھی۔

ابھی ابھی اب حکمت الٰہی کو یہی منظور تھا۔ کہ بھائی کے خون میں قابیل نے ہاتھ رنگے ہیں۔ اس کی وجہ سے پریشان اور خوفزدہ ہو جائے اب وہ اپنے بھائی کی لاش سامنے رکھ کر حیران خوفزادہ ہو کر اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اسے کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کرے۔ اور اپنے والدین کے سامنے کیا جواب دے۔

اب دوبارہ اس نے اپنے بھائی کی لاش کو دیکھا اور سوچا کہ اسے کہاں لے جا کر چھپائے۔ کیونکہ اس کا یہ بھائی دنیا میں مرنے والا پہلا انسان تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ابھی تک مردے کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہوا تھا۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں اب اسے یہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ کہ اسے کہاں اور کیسے چھپائے۔ اسی حیرت و پریشانی میں قابیل کھڑا تھا۔ کہ فضا میں کہیں سے ایک کوے کی آواز نے اسے چونکا دیا تفسیر، حدیث اور تاریخ کی بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ اس کوے نے ایک دوسرے کو اتو مار دیا تھا۔ اب وہ اسے چھپانے کی فکر میں تھا۔

لہٰذا کوے نے دوسرے کوے کی لاش کو سامنے رکھا۔ اور زمین کھود کر کوے کو زمین میں رکھا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قابیل اپنے آپ کو نہایت ہی حقیر اور کمتر سمجھنے لگا۔ اور فوراً اسے اپنی کمزوری اور بودے پن اور بے بسی کا احساس ہوا کہ میں تو اس حقیر کوے سے بھی گیا گزرا ہوں۔ جو اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکا۔ قرآن کریم اس واقعہ کو اسطرح بیان کرتا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ ﴿المائدہ: ۳۱﴾

اب خدا نے ایک کوا بھیجا۔ جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ کہنے لگا اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔ کہ اس کوے کے برابر ہوتا۔ تاکہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ پھر وہ پشیمان ہو گیا۔

خالی ندامت:

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قابیل کی یہ ندامت بطور توبہ کے نہیں تھی۔ اگر وہ خلوص دل سے شرمسار ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرتا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی کمال کریمی سے اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔ لیکن اس کی ندامت و پریشانی اس وجہ سے تھی۔ اس بدنصیب کو اب کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ اور اپنا برا انجام دکھائی دے رہا تھا۔

شیطان کا پہلا شکار اور والدین کا غم:

تو روئے زمین پر انسانوں میں سے یہ پہلا فرد تھا۔ جو شیطان کے بہکاوے میں آ کر جرم کا ارتکاب کر بیٹھا۔ اور جرم کی خبر حضرت آدمؑ وحوا کو بھی پہنچ گئی۔ لہٰذا راویان اخبار وتواریخ وسیرت نے لکھا ہے۔ حضرت آدمؑ اپنے بیٹے کی ہلاکت سے اتنے متاثر ہوئے۔ کہ سالوں تک اس کے غم میں گھلتے رہے۔ اور ماں تو پھر ماں ہوتی ہے۔ اور وہ تو قاتل اور مقتول دونوں کی ماں تھی وہ تو دونوں کی فکر اور غم سے نڈھال رہی۔

حواء! تیرا بیٹا فوت ہو گیا:

ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ جب حضرت ہابیل مقتول ہوئے۔ تو حضرت آدمؑ نے بی بی حوا سے کہا۔ حوا۔ تیرا بیٹا مر گیا۔ بولی مرنا کیا ہوتا ہے؟ حضرت آدمؑ نے فرمایا کہ انسان نہ کھاتا ہے۔ نہ پیتا ہے۔ اور نہ کبھی وہ بولتا ہے۔ تو حضرت حوا کی چیخ نکل گئی۔ تو حضرت آدمؑ نے فرمایا تم اور تمہاری بیٹیاں روئیں۔ میں اور میرے بیٹے تو رونے دھونے سے رہے۔ ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت آدمؑ وحوا نے اپنے بیٹے ہابیل کا غم بہت محسوس کیا اور عرصہ تک اس کے غم میں نڈھال رہے۔ بعد مورخ طبریؒ اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت ہابیل کے مقتول ہونے کے پانچ سال بعد حضرت بی بی حوا کے ہاں حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور شیعت کے معنی نہیں اللہ تعالیٰ کی عطا اور یہ حضرت ہابیل کے نعم البدل ثابت ہوئے۔ عرصہ بیت گیا۔ اور حضرت آدمؑ وحوا بوڑھے ہونے لگے۔ اور زمین پر ان کی نسل کافی پھیل گئی۔ اور حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ جو اپنے بیٹوں پوتوں پڑپوتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت شان ان کے سامنے بیان کرتے تھے اور کبھی کبھی انہیں ابلیس لعین کی اس دھوکہ دہی کا ذکر بھی کیا کرتے جو شیطان نے انہیں اور ان کی بیوی حوا کے ساتھ کی تھی۔ اور انہیں اس کے فتنہ سے ڈراتے رہتے۔

بی بی حوا کا آخری سفر:

آخر ایک جمعہ کے دن حضرت آدمؑ کی وفات ہو گئی۔ جس پر حضرت حوا بہت ہی غمگین ہوئیں۔ اور اس کے بعد صرف ایک برس تک زندہ رہیں۔ پھر ان کی بھی وفات ہو گئی۔ اور حضرت آدمؑ

کے ساتھ ہی دفن ہوئیں۔ کتب معتبرہ میں ان کی آخری آرام گاہ کے بارے میں کوئی حتمی معلوم نہیں ہے۔ لیکن تاریخ کے کسی عالم نے لکھا ہے۔ کہ ان کی وفات جزیرہ عرب میں ہی ہوئی تھی۔

اماں حوا کی آخری آرمگاہ:

ابن جبیرؒ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے۔ کہ جدہ میں ایک مقام پر ایک پرانا چونے گچ کا (پختہ) گنبد بنا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں ذکر کیا جاتا تھا کہ یہ ام البشر حضرت آدمؑ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی حوا کی آرام گاہ ہے۔

امام فاسی کہتے ہیں۔ شاید یہ وہی جگہ ہے۔ جسے اماں حواؑ کی قبر کہتے ہیں۔ اور یہ جدہ میں ایک مشہور مقام ہے۔ اور ممکن ہے۔ یہیں آپ رہ پڑی ہوں اور یہیں آپ مدفون ہوں۔ امام فاکہیؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اماں حوا کی قبر جدہ میں ہے۔ ابن خلکانؒ نے بھی نے یہی کیا ہے۔ کہ جدہ میں ام البشر حضرت حواؑ کی قبر موجود ہے۔ اور رجع خلائق ہے۔

تو یہ ہیں تمام انسانوں کی محترم ماں حضرت بی بی حواؑ جن کی کچھ زندگی جنت میں گزری۔ اور باقی زندگی آپ نے اس کرۂ ارض پر حضرت آدمؑ کی معیت میں گزاری۔ تاکہ اس مشیت الٰہی کی تکمیل ہو۔ جو تقدیر الٰہی نے ازل سے لکھ دی تھی۔

ام الامہات (تمام ماؤں کی ماں):

حضرت حوا دنیا جہان کی تمام کی ماں اور ان کی پیشوا ہیں۔ اور نسوانی کمالات اور امور خانہ داری میں دنیا کی سب خواتین کے لئے نمونہ ہیں۔ بی بی حوا سوت کاتا کرتیں۔ کپڑا بنتیں۔ آٹا گوندھ کر روٹی پکاتیں۔ اور عورتوں کے سے دوسرے سب کام انجام دیتیں۔ اور پھر اپنی بیٹیوں کو بھی ان تمام امور کی تعلیم دیتیں۔ تاکہ انسانیت کا یہ سفر جاری رہے۔ اور دنیا کی تعمیر و ترقی پروان چڑھتی رہے۔

اور آخری حقیقت یہ ہے۔ کہ اس زمین کا اور اس میں رہنے والوں کا مالک و مختار خدائے واحد ولاشریک ہے۔ اور جس کی عبادت کے لئے انسانوں کو اس دنیا میں آباد کیا گیا ہے۔ تو یہ تھی ہماری والدہ محترمہ اماں حواؑ اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ حوا دونوں سے راضی ہو۔ اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام پر سرفراز کرے آمین۔

پہلے اس سے کہ ہم حضرت اماں کو الوداع کہیں ۔ کیوں نہ ہم اللہ کریم سے یہ دعا کریں:۔

اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ وَتُبْ عَلَیَّ : اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ واعلہ

اے میرے پروردگار میری قوم کو معاف کر دے:

جب زمین پر بتوں کی پوجا ہونے لگی۔ اور جھوٹے معبودوں کی کثرت ہوگئی۔ اور انسان اندھی گمراہی اور کفر و فساد میں پڑ گیا۔ تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے بھیجا۔ اور نور حق کی طرف لے جانے کے لئے انہیں مبعوث فرمایا۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے نزول کے ایک ہزار سال بعد حضرت نوحؑ کو اس زمین پر بھیجا۔ جبکہ آپ کی قوم میں گناہوں کا زور عروج پر پہنچ چکا تھا اور وہ لوگ کھلے بندوں فسق و فجور اور کفر میں مگن ہو چکے تھے۔ اور بڑے بڑے سرکش نافرمانی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ اور دور دراز کی گمراہیوں میں پڑ چکے تھے۔

حضرت نوحؑ کی مشکلات:

جتنی مشکلات کا سامنا قوم کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو کرنا پڑا شاید ہی کسی پیغمبر کو کرنا پڑا ہو۔ وہ لوگ آپ کے گھر میں داخل ہو کر ان کا گلا گھونٹتے اور انہیں نڈھال کر کے بے یار و مددگار چھوڑ جاتے۔ اور مجلسوں میں آپ کو پیٹا جاتا اور دھتکار دیا جاتا۔ لیکن ان برے سلوک اور ابتلاؤں کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام دعوت الی اللہ کے فریضہ کی ادائیگی سے باز نہ آتے۔ اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے یَارَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝

اے اللہ کریم میری قوم کو بخش دے یہ لوگ بے علم ہیں۔

اور قوم کا یہ حال تھا۔ کہ جتنا حضرت نوحؑ انہیں حق کی طرف بلاتے' اتنا ہی وہ دور بھاگتے۔ اور جب بھی آپ ان سے حق کی بات کرتے' وہ اپنے سر پر خوب کپڑا لپیٹ کر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے۔ تا کہ وہ آپ کی بات سن ہی نہ سکیں۔ کلام الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہے۔

جَعَلُوْٓا اَصَابِعَھُمْ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَھُمْ۝ ﴿نوح :۷﴾

''انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ اور اپنے کپڑے لپیٹ لئے پھر وہ آپ کی مجلس سے چلے جاتے اور دوڑ لگا دیتے۔ اور ایک دوسرے سے کہتے۔ نکل چلو۔ یہ بڑا جھوٹا ہے۔ اسے چھوڑ و یہ دیوانہ ہے۔

اس طرح حضرت نوح علیہ السلام مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ اور نہایت صبر و تحمل سے دین کی دعوت کا کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سالہا سال تک ان کی ہدایت کی امید میں لگے رہے۔ اور نسلیں گزرتی چلی گئیں۔ لیکن وہ لوگ بد سے بدتر ہوتے گئے۔ اور آگے جو بھی آیا پہلے سے بھی خبیث اور سرکش ثابت ہوا۔ بلکہ سخت سے سخت بدمزاج' ظالم اور نافرمان سامنے آیا۔

بلکہ لوگ کہا کرتے کہ یہ آج کی بات نہیں یہ ''نوحؑ'' تو ہمارے باپ دادوں سے ہی اسی طرح پاگل پن کی باتیں کرتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر فرمایا ہے:۔

تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا۔ کہ یہ دیوانہ ہے۔ اور انہیں ڈانٹا۔ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿القمر: ٩﴾

حضرت نوحؑ کی قوم کے کسی آدمی کی موت کا وقت آتا۔ تو وہ مرتے ہوئے اپنی اولاد اور عزیزوں کو بطور خاص وصیت کر کے مرتا۔ کہ دیکھو اس دیوانے سے بچنا۔ کیونکہ میرے باپ دادا بتا گئے ہیں۔ کہ لوگوں کی ہلاکت اس کے ہاتھوں ہوگی۔ اس طرح یہ بودی وصیت وہ لوگ نسل در نسل کرتے رہتے۔

یہاں تک کہ ان میں سے کوئی آدمی اپنے بچے کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے حضرت نوحؑ کے پاس کھڑے ہو کر بیٹے سے کہتا۔ دیکھو بیٹے میں تو مر جاؤں گا لیکن میرے بعد اس بوڑھے سے بچے رہیو! یہ دیوانہ لوگوں کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔

حضرت نوحؑ کی کافر بیوی:

تو ایسے ہی سرکش دشمنوں اور جھوٹے کافروں سے آپ کی بیوی ملی ہوئی تھی۔ مفسرین اور مورخین نے حضرت نوحؑ کی بیوی کا نام ''واھلہ'' بتایا ہے۔ اور بعض نے والغہ لکھا ہے۔ وہ کافر تھی اور کافروں کے ساتھ ہی اس کا رہن سہن تھا۔ کفر اور حضرت نوحؑ کے ساتھ دشمنی میں وہ برابر کافروں کی شریک کار تھی۔ وہ کافروں کی جماعت میں جا کر ان ہی کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوتی۔ اور وہ

کافرلوگوں میں جاجا کر اپنے شوہر حضرت نوحؑ کے بارے میں کہتی کہ یہ بے عقل دیوانہ ہے۔ایسے ہی وہی تباہی بکتا رہتا ہے۔(نعوذ باللہ) اور اس کی باتیں کسی کی سمجھ میں آنے والی نہیں۔ یہ ناممکن اور غیر یقینی باتیں کرتا رہتا ہے۔اوراس کا خیال ہے۔کہ یہ بت کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اور جب کوئی کافر مسلمان ہو جاتا اور ایمان اور نور کے قافلے کے ساتھ مل کر مومنوں کا شریک کار ہو جاتا۔تو واعلہ فوراً کافر سرداراور ظالم شریروں کو جا خبر دیتی۔ کہ وہ اس پر سختی کریں اور اسے ایمان کے راستے سے ہٹائیں اور جہاں تک ہو سکے اس کے راستہ میں روڑے اٹکائیں۔اور طرح طرح سے اسے گمراہ کرنیکی کوشش کریں۔اور وہ اپنے شوہر حضرت نوحؑ کی تمام حرکات وسکنات اور دعوتی سرگرمیوں کی نگرانی کرتی۔اوران پر ایمان لانے والوں پر بھی نظر رکھتی۔اور دین کا راستہ اختیار کرنے والوں کے لئے مشکلات پیدا کرتی۔اس طرح وہ اپنے کفر کی پھونکوں سے شمع نورانی کو حتی الوسع بجھانے کی کوشش کرتی۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بدنصیبوں میں لکھ دی گئی۔اور کافروں کا محروم جماعت میں شمار کی گئی اور یہ عورت دنیا کی ان نافرمان عورتوں کے لئے ایک برا نمونہ تھی۔ جو کفر کے راستے پر چلتی ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے نورانی راہ سے ہٹ کر گمراہی کا راستہ اختیار کرتی ہیں۔

اس کی بدنصیبی اس پر غالب آ گئی:

حضرت نوحؑ کا ذکر قرآن کریم میں تینتالیس مقامات پر آیا ہے۔اور یہ بیان جگہ جگہ اٹھائیس سورتوں میں ہوا ہے۔اور ایک سورۃ کا نام ہی سورت ''نوح'' ہے جس میں آپ کا تفصیل ذکر یکجا کیا گیا ہے۔حضرت نوحؑ طویل عرصہ تک زندہ رہے۔اور آپ نے بڑی لمبی عمر پائی۔آپ نے اکثر انبیاء سے طویل عمر پائی۔اور دین الٰہی کے لئے کثرت سے جدوجہد فرمائی۔آپ دن رات قوم کو دین کی دعوت دیتے رہے۔کبھی آہستہ سے کبھی زوردار طریقے سے لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے۔اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے کا ہر حربہ آپ نے آزمایا۔کہ کسی طریقے سے بھی لوگ سیدھا راستہ اختیار کر لیں۔اور کفر وشرک کے اندھیروں سے نکل کر نور یقین کی طرف گامزن ہو جائیں۔

ساڑھے نوسو سال حضرت نوح علیہ السلام نے عمر پائی۔اس طرح آپ نے تقریباً نوسو برس تک لوگوں کو دین الٰہی کی دعوت دی۔فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ﴿العنکبوت : ۱۴﴾

"تو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہے یعنی ۹۵۰ برس"۔

آپ انہیں آخرت کی یاد دلاتے۔ انہیں نصیحت کرتے۔ حکمت اور دانائی کے ساتھ انہیں اللہ کی طرف بلاتے۔ اور اتنی طویل مدت تک انہیں سمجھانے کے باوجود صرف۔ چند لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿ھود : ۴۰﴾

"اور بہت کم لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے"۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا۔ کہ حضرت نوحؑ کی بیوی آپ کی اور ایمان والوں کی ہمدرد و مددگار ہوتی۔ اور ان کے ہاتھ مضبوط کرتی۔ اور پھر سب مل کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ میں حضرت نوح علیہ السلام کے دست و بازو بنتے۔ لیکن واعلہ نے کفر و بدبختی کو اختیار کرلیا۔ اور اپنے بیٹے کنعان کو بھی گمراہ کردیا کہ وہ بھی ان بدکاروں کے مسلک پر چل کر اپنے والد حضرت نوحؑ کے سیدھے راستے کی مخالفت کرتا۔

مورخ طبریؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت نوحؑ کے چار بیٹے سام' حام' یافث اور کنعان پیدا ہوئے۔ ان سب کی والدہ بھی واعلہ تھی۔ کنعان بوجہ کفر اپنی والدہ واعلہ کے ساتھ ہی طوفان میں غرق ہوا۔

حضرت نوحؑ کی بیوی اور بتوں کی پوجا:

اس روئے زمین پر جس نے سب سے پہلے بتوں کی عبادت کی یہ نوحؑ کی قوم ہی تھی۔ اس سے پہلے لوگ عقیدۂ توحید پر قائم تھے۔ اور خدائے واحد وقہار پر ہی ایمان رکھتے تھے۔ اور بت پرستی کے نام سے بھی واقف نہیں تھے۔ اور نہ وہ بتوں کو پوجتے تھے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت اس کی شاہد ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴿البقرۃ : ۲۱۳﴾

"پہلے تو سب لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا پھر وہ اختلاف کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کردیں"۔

قوم نوحؑ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ اور بتوں کو پوجا کی اور اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا لئے۔ اور یہ یقین کر لیا۔ کہ یہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور یہ تصور کر لیا کہ یہ دیکھتے۔ سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اور اکثر یہ کہتے کہ یہ معبود ہماری مشکلات حل کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بجائے یہی ہمارے لئے کافی ہیں۔ لیکن اللہ سبحانہٗ ہر اس بات سے منزہ ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ قوم نوحؑ بت پرستی کی جھیلوں میں ہی ڈوب کر رہ گئی تھی۔ یہ انہیں مقدس سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی عبادت کرتے تھے۔

حضرت نوحؑ کی بیوی نے ایمانی دعوت سے روگردانی کی۔ اور اپنے شوہر حضرت نوحؑ کی دعوت کے مقابلے میں مکار کافروں کی تدبیروں کا ساتھ دیا۔ اور ہدایت کا دروازہ اپنے لئے بند کر لیا۔ اور کفر اور گمراہی کی جھوٹی چکا چوند میں اپنے آپ کو غرق کر لیا۔ اور قوم کافرین کے ساتھ کفر و طغیان میں برابر کی شریک رہی۔ اور ان کی مکارانہ تدبیروں میں یہ شامل تھا۔ کہ وہ اپنے جھوٹے خداؤں کی پوجا کا بڑے زور و شور سے پروپیگنڈا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور ان کی گندی فریب کاری کو اسطرح بیان فرمایا ہے:۔

"اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا"۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ ۝ ﴿نوح : ۲۳﴾

کافروں کے بت پرست گروہ نے ضعیف العقل لوگوں کے جذبہ گناہ کے ابھارنے پر بڑی پھرتی دکھائی۔ کہ انہوں نے بتوں میں سے ایک بڑے بت کی یہ شان و شوکت کو بطور خاص نمایاں کیا۔ تاکہ عام لوگ اس سے متاثر ہوں قرآن کریم بتوں کے ساتھ ان کے لگاؤ کا ذکر یوں کرتا ہے:۔

"اور کہنے لگے اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا"۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ ﴿نوح : ۲۳﴾

پانچ بزرگ:

قوم نوحؑ نے سب سے پہلے تو یہ کیا۔ کہ خدائی صفات و اختیارات کی کچھ خیالی تصویریں بنائیں۔ اور عالم تصور میں ان خیالی طاقتوں کو مقدس سمجھ کر ان کا احترام کرتے تھے اور یہ تصویریں بزرگ

ہستیوں کی تھیں۔ جن کے سامنے وہ تعظیم سے کھڑے ہوتے۔ پھر اسی احترام و تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کر لی اور تصویروں کی جگہ ان کے بت بنا کر ان کی عبادت کرنے لگے۔ اور ان میں زیادہ مشہور یہ پانچ بت تھے۔ جن کا ذکر سورہ نوح کی مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ہوا ہے۔

اور مفسرین محدثین اور مورخین نے لکھا ہے کہ ان پانچ بتوں کی بنیاد میں قوم نوحؑ کے وہ پانچ نیک بزرگ ہیں۔ جب وہ فوت ہو گئے۔ تو شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی۔ کہ اپنی بیٹھکوں میں ان کی تصویریں لگا لو۔ اور دیکھ دیکھ کر انہیں یاد رکھا کرو۔ اور ان تصاویر کے ساتھ ان کے نام لکھ دیئے۔ اور کہ ان تصویروں کی جگہ پتھر اور دھات کے بت بنا کر انہوں نے رکھ لئے۔ اور با قاعدہ ان کی پوجا کرنے لگے۔ حالانکہ پہلے تو انہوں نے یہ تصویریں بطور احترام کے رکھی تھیں۔ تصویروں نے بتوں کی اور احترام نے عبادت کی شکل اختیار کر لی۔ اور با قاعدہ بت پرستی کا رواج چل پڑا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ قوم نوحؑ کے ہی یہ بت تھے جنہیں آگے چل کر عرب بھی پوجنے لگے۔

پانچ بڑے بت:

علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان پانچ ابتدائی بتوں کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ تمام بتوں میں سے یہ پانچ بت بڑے مانے جاتے تھے۔ انہیں کا ذکر بطور خاص ان کی زبان سے قرآن مجید میں بھی ہوا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر بڑے عبادت گزار تھے۔ ان میں ایک فوت ہو گیا۔ تو ان کے معتقدین بہت غمگین ہوئے۔ تو شیطان ان سے کہنے لگا۔ کہ میں تمہیں اس کی تصویر بنا دیتا ہوں۔ بس اسے دیکھ کر ان بزرگ کو یاد کر لیا کرو۔

تو شیطان نے انہیں عبادت گاہ میں اس بزرگ کی تصویر بنا دی بلکہ پیتل تانبے اور سیسے کو ڈھال کر ایک مجسمہ بنا کر نصب کر دیا۔ اور دوسرے بزرگ فوت ہوئے تو اس کا مجسمہ بنا دیا حتیٰ کہ پانچوں بزرگوں کے مجسمے عبادت گاہ میں شیطان نے نصب کر دیے۔ اور لوگ ان کا احترام کرنے لگے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عبادت الٰہی کو بھی بھول گئے۔ بعد کے لوگوں سے شیطان نے کہا۔ تم عبادت کیوں نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ ہم کس کی عبادت کریں؟ کیونکہ زمانہء دراز گزرنے سے وہ

عبادت الٰہی کا طریقہ ہی بھول گئے۔ تو شیطان نے ان سے کہا۔ کہ یہ تمہارے معبود ہیں اور تمہارے باپ دادوں کے معبود ہیں۔ جو تمہاری عبادت گاہوں میں نصب ہیں۔ تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جگہ ان بتوں کی عبادت کرنے لگے۔ اور کہنے لگے

"کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا"

اور یہ حکم کہ

"اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ"

قوم نوح علیہ السلام کے سرکش اور نافرمان جرائم پیشہ سرداروں کی جانب سے تھا۔ کیونکہ یہی لوگ کفر میں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور ضد ہٹ دھرمی اور شیطانی راستے پر چلنے میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور بزعم خود ضعیف الاعتقاد لوگوں جھوٹے خیر خواہ اور باپ دادوں کی رسم اور بت پرستی کے علمبردار بنے ہوئے تھے۔ ان کی اس فریب کاری اور دھوکہ بازی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:۔

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿الذاریات﴾

اور اس سے پہلے قوم نوح علیہ السلام تھی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے اور اس سے پہلے قوم نوح

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ﴿النجم: ۵۲﴾

علیہ السلام کو بھی ہلاک کیا کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی دین کی دعوت میں رکاوٹ:

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی سرکش و نافرمان کافروں کے ساتھ مل کر ہدایت کا راستہ چھوڑ کر شرک اور فساد کے راستے پر چلتی۔ اور طرح طرح کی فریب کاری سے دعوت دین کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتی۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے اس غلط کار عورت اور قوم کی رخنہ اندازیوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور احکام خداوندی کے نفاذ و تبلیغ میں لگے رہے اور اپنی بیوی اور قوم کو خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے رہے۔

قوم کے سرداروں کو اللہ کے دین کی دعوت:

اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت کے آغاز میں سب سے پہلے آپ نے قوم کے پیشواؤں کو یہ

دعوت دی۔ اور بطور نصیحت کے انہیں کہا:۔

"اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں برے دن کے عذاب کا بہت ہی ڈر ہے"۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

﴿الاعراف آیت ۵۹﴾

پہلی نافرمان عورت:

سب سے پہلے جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے روگردانی کی اور ہٹ دھرمی اختیار کی۔ وہ آپ کی بیوی ہی تھی۔ جو اس بات سے ڈرتی تھی۔ کہ کہیں ان جھوٹے معبودوں سے اسے کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ لہٰذا وہ ان کے لئے نذر و نیاز اور قربانی کرتی رہتی تھی۔ اور انہیں نفع و نقصان کا مالک و مختار سمجھتی تھی۔ اور شیطان لعین نے اسے بتوں کی پوجا کرنے پر پختہ کر دیا تھا۔ اور کھلے بندوں وہ گمراہی کے راستے پر چل رہی تھی۔ اور وہ بتوں کے آگے پیچھے پھرتی رہتی اور انہیں ہی اس دنیا کی خوشحالی کا ضامن سمجھتی۔

کافر بت پرست اپنے داؤ میں رہتے۔ اور جب بھی ان کے کسی قریبی کو گمراہ کر کے اپنی صفوں میں ملانے میں کامیاب ہو جاتے تو کہتے:۔

"ہم تمہیں صریح گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں"

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

﴿الاعراف ۶۰﴾

وہ سمجھتے تھے کہ ہم حضرت نوح علیہ السلام کی دشمنی میں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ہماری طرح کے ایک انسان ہیں۔ ہماری طرح ہی ان کے بھی بیوی بچے ہیں۔ تو پھر ان میں کیا خصوصیت ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہوں اور ہم نہ ہوں۔ اس بارے میں قرآن بیان کرتا ہے کہ۔

"تو ان کی قوم کے کافر سردار کہتے' ہم تمہیں اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں"۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۝

﴿ھود آیت ۲۷﴾

تو حضرت نوح علیہ السلام نہایت اطمینان اور وقار سے جواب دیتے۔

"اے قوم مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے۔ بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں"۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

﴿الاعراف : ٦١﴾

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں نہایت مختصر اور شیریں الفاظ میں اپنے مبعوث ہونے کا اہم مقصد بیان فرمایا۔ جو قرآن پاک کی زبان میں یوں ہے:۔

"میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو"۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

﴿الاعراف : ٦٢﴾

اور ان کی اس بات کا کہ وہ ہماری طرح کا ایک انسان ہے۔ اور انہی کی طرح رہتا سہتا ہے۔ یہ مدلل جواب دیا کہ یہاں مسئلہ محض بشر ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی فرق اور امتیاز جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ یہ ہے۔ کہ میں تمہیں بت پرستی اور نافرمانی کے برے انجام سے ڈراتا ہوں۔ اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اور نیکی کے راستہ پر چلتا اور چلانا چاہتا ہوں۔ اس امید پر کہ اللہ کریم اپنی رحمت سے لوگوں کو بت پرستی کی گمراہی اور دیگر بد اعمال سے بچالے۔ لہٰذا انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا ہے۔ کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی ہے۔ تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔ اور تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ اور تم پر رحم کیا جائے"۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

﴿الاعراف ٦٣﴾

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت حق قوم کے کمزور اور غریب لوگوں کو بھا گئی۔ اور انہوں نے آپ کی پیروی کی۔ اور انہوں نے اپنا معاملہ خدائے واحد و قہار کے سپرد کر دیا۔

ان کی حالت شاعر کے اس شعر کے حسب حال تھی:۔

"ان کی پہلی خواہش یہ تھی کہ ان کا دین سلامت رہے اور ان کی آخری بات یہ کہ سب حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کو ہے"۔

فَاَوَّلُ دَعْوَاهُمْ سَلَامَةُ دِيْنِهِمْ وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

یہ دیکھ کر کافروں کی جماعت کے سرکردہ لوگ حیران ہوئے۔ اور کمزور ناداروں کے ایمان لانے پر انہیں تشویش ہوئی۔ اور ہٹ دھرمی کی بنا پر گناہ پر ڈٹے رہے۔ اور شیطان ان کے سروں پر سوار ہوگیا۔ اور نفسانی خواہشات نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا کا یہ مال اور دولت' زمین اور باغات اور یہ ظاہری چمک دمک ہی شرافت کا معیار ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر دولت مند آپ کے پاس ہجوم کر کے آتے اور آپ کے نادار پیروکاروں کے بارے میں آپ کو طعنہ دیتے کہ آپ کے نادار پیروکاروں کے بارے میں آپ کو طعنہ دیتے کہ آپ کے پیروکار اور کمزور لوگ ہیں۔ اور وہ بھی گنتی کے چند لوگ۔ اور حقیقت یہ تھی۔ کہ اگرچہ ظاہر میں مالی طور پر یہ لوگ کمزور تھے۔ لیکن ایمان میں پختہ اور طاقت ور تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مخلص اور مالا مال تھے۔ کافر لوگ اپنی حماقت و نادانی کی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام سے کہتے رہتے۔

''کیا ہم تم پر ایمان لائیں؟ حالانکہ تمہارے پیروکار تو رذیل سے لوگ ہیں''۔

اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ ﴿الشعراء: ۱۱۱﴾

بلکہ نہایت تعجب سے ان نادار لوگوں کی عزت سے انکار کرتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے مومن اور نیکوکار تھے۔ اور جھوٹا گردانتے ہوئے کہتے:۔

''کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں۔ اور وہ بھی ظاہری نظر میں۔ اور ہم تمہارے اندر اپنے پر کوئی بزرگی نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں''۔

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ ﴿هود: ۲۷﴾

یہ بڑے بڑے فاسق و فاجر متکبرین ان نادار ایمان والوں کو رذیل کا نام دیتے تھے۔ کیونکہ دولت کے خمار اور خوشحالی نے ان پاک طینت لوگوں کو خراب نہیں کیا تھا۔ اور شکم سیری نے اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے سے انہیں بے راہ نہیں کیا تھا۔ اور کافر لوگوں کا خیال تھا۔ کہ ان کے مرتبے اور شان کے لائق نہیں کہ ان کنگلوں کی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بات مان کر ان کی پیروی اختیار کر لیں۔ اور مزید یہ کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو جھوٹا کہا اور ان پر افترا باندھا۔ اور بسا اوقات وہ حضرت نوح علیہ السلام سے کہتے۔ کہ اگر تم سچے ہوتے تو تمہاری بیوی جو تمہارے بچوں کی ماں ہے۔ تم پر ایمان لاتی جو تمہیں سب لوگوں سے زیادہ جانتی ہے۔

قوم کے ساتھ سوال وجواب:

حضرت نوح علیہ السلام قوم کی طرف سے الزامات کو اتہامات سنتے اور کمال حوصلے سے انہیں برداشت کرتے۔ اور ان کی روگردانی اور تکبر کا پیغمبرانہ فیاضی سے مقابلہ کرتے۔ اور حقانیت پر ڈٹے رہتے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں تفویض ہوئی تھی۔ اور ان کے الزامات کے جواب میں کوئی الزام ان پر نہ دھرتے اور نہ ہی ان کی طرح کوئی بے جا دعویٰ کرتے۔

اس نکتے پر ان کی زبان درازیاں بڑھ گئیں۔ اور وہ گھٹیا سودا بازی کرنے پر اتر آئے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگے۔ کہ اگر تم ان نادار اور کنگلے لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال باہر کرو۔ تو ہم تمہاری جماعت میں شامل ہونے کا سوچ سکتے ہیں۔ جس کا حضرت نوح نے مختصر سا جواب دیا:۔

مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ ○ ''کہ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ میں ان کو نکالنے والا نہیں ہوں''۔ ﴿ھود:۲۹﴾

اس کے بعد حضرت نوح قوم کو دن رات، پوشیدہ طور پر اور کھلے بندوں دین کی دعوت دیتے رہے۔ اور انہیں اس کائنات پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتے۔ اور کائنات کے ان واضح دلائل کی طرف اشارہ کرتے جس سے راہ نجات میسر آ سکتی تھی۔ اور اس کائنات پر غور فکر انہیں فلاح وکامرانی کا آسان راستہ دکھا سکتا تھا۔ اور گمراہی کی ہلاکت بچ کر کامیاب لوگوں کے زمرے میں شامل ہو سکتے تھے۔ اور توبہ واستغفار کا راستہ یہی تھا۔ جس پر چل کر وہ دنیا وآخرت میں نیک ثمرہ حاصل کر سکتے تھے۔ اگر وہ توبہ و استغفار کرتے تو آسمان سے اللہ کریم ان کے لئے برکات نازل فرماتا۔ اور اس استغفار کی برکت سے ان کے مال واولاد میں اضافہ فرماتا۔ اور استغفار ہی سے ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیتا۔ اور زمین کو ان کے لئے باغ وبہار بنا دیتا۔

انسانی تخلیق پر غور وفکر:

توبہ واستغفار کی تعلیم کے بعد حضرت نوح نے انہیں انسان کی پیدائش پر غور وفکر کرنا یاد دلایا۔ کہ کس طرح خالق کائنات نے انسان کو مختلف ادوار سے گزار کر مکمل انسان بنایا ہے۔ انسان اپنی پیدائش پر ہی اگر غور کرے تو اسے کمال قدرت الٰہی کا تدبر حاصل ہوگا۔

مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ مختلف مدارج سے مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے نطفہ کی شکل میں رحم مادر میں جاتا ہے۔ پھر خون کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے۔ لوتھڑے سے بوٹی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور

پھر گوشت پوست اور ہڈیوں سے ملکر ایک مکمل انسانی صورت میں آ جاتا ہے۔ اس کو قرآن کریم میں کہا گیا ہے۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ کہ تم اپنے آپ پر کیوں غور نہیں کرتے:۔

اس کے بعد حضرت نوح نے انہیں اس کائنات پر غور کرنے کا فرمایا۔ کہ یہ کائنات بھی قدرت خداوندی کو سمجھنے کے لئے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ یہ سورج' چاند' ستارے فضائے آسمانی اور یہ زمین جس پر انسان زندگی گزارتے ہیں۔ ان سب کو اللہ کریم انسان کے تابع فرمان کر دیا۔ کہ اس زمین کی مٹی سے غلہ حاصل کرتے ہیں۔ پانی' ہوا' اور خفیہ و ظاہر خزانوں سے فیض یاب اور ہر قسم کے رزق سے مالا مال ہوتے ہیں۔

حضرت نوح نے انہیں ان چیزوں کی طرف توجہ دلائی۔ تاکہ ان کا ضمیر زندہ ہو۔ اور ان کے نفوس ہوشیار ہوں۔ اور ان کے دلوں میں خوف الٰہی پیدا ہو۔ اور وہ خدائے عزیز و حمید پر ایمان لائیں۔ تو کیا ان پر اس کا کچھ اثر ہوا؟ یا کسی نے ان کی آواز پر کان لگایا۔ اس کا جواب قرآن مجید کی زبان سے سنیئے:

"پھر میں ان کو کھلے طور پر بھی بلاتا رہا۔ اور ظاہر اور پوشیدہ طرح سمجھاتا رہا۔ اور میں نے کہا اپنے پروردگار سے معافی مانگو۔ کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا۔ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہیں باغ عطا کرے گا۔ اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح کی حالتوں میں پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان اوپر تلے بنائے ہیں۔ اور چاند کو ان میں زمین کا نور بنایا ہے۔ اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ نے ہی تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے۔ اور پھر اسی میں تمہیں لوٹائے گا۔ اور اسی سے نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا۔ تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو"۔

ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ○ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ○ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ○ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ○ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ○ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ○ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ○ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ○ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ○ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ○ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ○ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ○

﴿نوح = ۸ ۔ ۲۰﴾

ہاں اب تم نے ہم سے بہت جھگڑا کر لیا۔ اور ہم سے بہت دلیل بازی کر لی۔ اب ہمارے لئے کوئی راستہ نہیں۔ ہم تمہاری دلیلوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ اب ہمارے لئے سارے راستے بند ہو گئے ہیں۔ اور ہماری ساری تدبیریں بے کار ہو گئی ہیں۔ بس آخری بات یہ ہے۔ کہ ہم تمہاری کوئی بات نہیں مان سکتے۔

ان سب بکھیڑوں میں حضرت نوح کی بیوی راعلہ برابر کافر پیشواؤں کی شریک کار رہی۔ اور اسے اور قوم کو سمجھانے بجھانے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے باوجود باز نہیں آئی۔ بلکہ اس دعوت و تبلیغ کے دوران میں کئی مرتبہ اس نے حضرت نوح سے کہا۔ کیا اس سلسلے میں تمہارا خدا تمہاری مدد نہیں کر سکتا؟

حضرت نوح نے جواب میں فرمایا۔ ہاں کر سکتا ہے۔

تو وہ طنزیہ کہنے لگی تو پھر کب کرے گا۔ آپ نے فرمایا۔ جب تنور سے پانی ابل پڑے گا۔ اب وہاں سے نکل کر قوم کے لوگوں پاس جا کر کہنے لگی۔ کہ وہ تو بالکل ہی دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اس کا رب اس کی مدد اس وقت کرے گا۔ جب تنور سے پانی ابلے گا۔

اب کفار حضرت نوح پر بہت سختیاں کرنے لگے۔ اور پہلے سے زیادہ تنگ کرنے لگے۔ اور مکمل طور پر زدگردانی کرنے لگے۔ وہ انہیں مار مار کر لہولہان کر دیتے۔ اور آپ سجدے میں پڑے کئی دنوں تک اپنے پروردگار سے فریاد کرتے رہتے۔

امام قرطبیؒ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دن آپ سجدے میں پڑے فریاد کر رہے تھے۔ کہ ایک کافر اپنے پوتے کو کندھے پر اٹھائے ہوئے وہاں آیا اور اپنے پوتے کو خبردار کرتے ہوئے نصیحت کرنے لگا۔ کہ بیٹا! دیکھنا اس بوڑھے کذاب (نعوذ باللہ) سے بچنا۔ یہ ہمیں ایسے خدا کی طرف بلاتا رہتا ہے۔ جسے ہم نہیں جانتے۔ اور یہ ہمیں خواہ مخواہ ڈراتا رہتا ہے۔ کہیں تمہیں یہ گمراہ نہ کر دے۔

تو پوتے نے دادا کو جواب دیا۔ کہ اگر ایسا ہے۔ تو ابھی تک تم نے اسے زندہ کیوں رہنے دیا ہے۔ دادا کہنے لگا۔ تو ہم اس کا کیا کریں؟

پوتے نے کہا۔ تم مجھے نیچے اتار دو۔ دیکھ میں اس کا کیا انتظام کرتا ہوں۔ دادا نے اسے نیچے اتارا۔ تو اس نے ایک پتھر اٹھایا۔ اور مار کر حضرت نوح کا سر پھوڑ دیا۔

جب حضرت نوح نے دادے پوتے کی آپس کی بات چیت سنی اور پوتے کی کرتوت دیکھی۔ تو آپ نے سمجھ لیا۔ کہ پوتا تو دادا سے بھی بڑھ کر پلید اور سرکش نکلا ہے۔ للہٰذا آپ نے اسی سجدے کے دوران میں اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کی۔ کہ

''اے میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دیگا۔ تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور ان سے جو اولاد ہوگئی۔ وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی''۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ ﴿نوح = ۲۶. ۲۷﴾

اب حضرت نوح نے یہ سمجھ لیا۔ کہ یہ قوم اب پوری بے فیض ہوگئی ہے۔ اور مکمل طور پر کفر پر جم گئی ہے۔ اور اب ان کی ہدایت کی کوئی امید نہیں رہ گئی۔ اور خاص طور اللہ تعالیٰ کے یہ فرماتے: بعد تو آپ بالکل ہی ان کی طرف سے ناامید ہو گئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:۔

''کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے۔ ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا''۔

إِنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ ۝ ﴿هود = ۳۶﴾

اور کافر بچے نے جو آپ کے سر مبارک پر پتھر دے مارا تو اب تو آپ نئی نسل سے بھی بالکل نا امید ہو گئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی بیوی ہی آپ کی دشمن بن کر کافروں سے ملی ہوئی تھی۔ اور اس نے اپنے شوہر کی خوش نصیبی سے ذرا سا حصہ نہ پایا۔ جو دعوت حق کی سلسلے میں حضرت نوح کو حاصل تھی۔ اور جو اسے اور اس کی قوم کو اس خدائے کی عبادت کی طرف بلاتے تھے۔ جو زمین سے غلہ نکالتا ہے۔ اور زمین آسمان کی ہر چیز سے باخبر ہے۔

معلوم ہوتا ہے حضرت نوح کی بیوی نے بہت سے لوگوں کا راستہ روکا۔ جو حضرت نوح کے وعظ سے متاثر ہو کر ایمان لانا چاہتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا۔ اور یہ کہتی بھی رہتی تھی۔ کہ اگر ان کے دین میں کوئی خوبی ہوتی۔ اور یہ دین سچا ہوتا۔ تو میں ایمان نہ لے آتی تھے اور حضرت نوح کی پیروی نہ کرتی۔ بس اللہ کی عبادت کے مقابلہ میں ان بتوں کی پوجا میں ہی فائدہ ہے۔ بلکہ اگر ان کی یہ دعوت درست ہوتی۔ تو یہ بڑے بڑے لوگ ان کی پیروی کرتے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چند کمزور سے کنگال لوگوں نے ان کے دین کو قبول کیا ہے۔

حضرت نوح ان کی ایذا رسانی پر مسلسل صبر کرتے رہے۔ اور ان سب کو اچانک عذاب الٰہی آ

پڑنے سے ڈراتے۔اور قیامت کے تنگ وشدید دن سے خوف دلاتے۔لیکن تکبر کرتے اور دستر خوان کفر وگمراہی پر براجمان رہے۔اور حضرت نوح کو تنبیہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔کہ

"نوح! اگر تم باز نہ آؤ گے تو تم سنگسار کردیئے جاؤ گے"۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝ ﴿الشعراء = ١١٦﴾

پھر جب آپ نے بار بار انہیں عذاب الٰہی کی یاددھانی کرائی۔تو نہایت سرکشی سے کہنے لگے:۔

"اگر تم سچے ہو۔تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لانازل کرو"۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴿هود = ٣٢﴾

تو حضرت نوح نے انہیں وحی الٰہی کے مطابق جواب میں فرمایا:۔

"اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا۔ اور تم اس کو ہرا نہیں سکتے"۔ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ﴿هود = ٣٣﴾

اس طرح ان کی مکالمہ بازی ختم ہوگئی۔اور حضرت نوح کو ان کی کفر کی پیروی اور شیطان کی پیشوائی میں چلنے کا بہت دکھ ہوا۔تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:۔

"تو جو کام یہ کر رہے ہیں۔ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ"۔ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴿هود = ٣٦﴾

حضرت نوح کو اپنی قوم کے ایمان لانے کی بہت چاہت تھی۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بتادیا۔کہ اب ان میں سے کوئی ایمان لانے کا نہیں ہے۔آپ اپنے دل سے ان کے ایمان لانے کی چاہت نکال دیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاف بتادیا اب یہ لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے والے ہیں۔اور یہ ڈبونے کا عذاب ہوگا۔

حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم:

اور ڈوبنے سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔کہ کشتی ہو جس میں طوفان کے وقت یہ سوار ہوں۔لہٰذا حضرت نوحؑ کو حکم ہوا۔کہ وہ طوفان میں غرق ہونے سے بچاؤ کے لئے وحی الٰہی کی رہنمائی میں ایک کشتی تیار کریں۔اور طوفان کی صورت میں اپنے ماننے والوں کو اس میں سوار کرلیں۔اور ظالم

نافرمانوں کے لئے میری بارگاہ میں کوئی سفارش پیش نہ کریں۔اور آپ کی بیوی بھی ان میں شامل ہے۔ اس کا انجام بھی انہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ان کے بارے میں اب قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ان میں سے کسی کے بچاؤ کے بارے میں مجھ سے دعا نہ کریں۔اب دعا اور بددعا! وقت گزر گیا ہے کیونکہ جب تقدیر کا آخری فیصلہ ہو جاتا ہے۔دعا کرنا لا حاصل ہو جاتا ہے۔اب بات ختم ہو چکی اور باری تعالیٰ کافروں کو طوفان میں غرق کرنے کا عادلانہ فیصلہ فرما چکے ہیں۔

حضرت نوح کشتی بناتے ہیں:

اور حضرت نوح حضرت باری تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو کشتی بنانے لگے۔اور اس وقت تک حضرت نوح یا دوسرا کوئی شخص کشتی بنانا نہیں جانتا تھا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے میں حضرت نوح کی رہنمائی فرمائی۔اور یہ بھی بتایا کہ وہ کشتی کیسی ہونی چاہیے۔

فرمان باری تعالیٰ قرآن پاک میں یوں ہے:۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا ﴿ہود. ٣٧﴾

”کہ ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ“۔

اب حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی نگرانی میں کشتی بنا رہے ہیں۔اور اس کے لئے سامان اکٹھا کیا ہوا ہے۔اور امر ربانی کی تعمیل کر رہے ہیں۔اور حضرت نوح کی بیوی دیکھ رہی ہے۔کہ لکڑیاں آ رہی ہیں۔اور کشتی بنانے کا کام ہو رہا ہے۔اور ظاہر ہے کہ قریب کوئی سمندر یا بڑا دریا بھی نہیں، جس میں ڈوب جانے کا اندیشہ ہو۔تو حیران ہو کر بہت زور شور سے پوچھتی ہے۔نوح! آپ ان لکڑیوں کا کیا کریں گے۔

آپ نے فرمایا ان لکڑیوں سے میں ایک کشتی بنا رہا ہوں۔جس سے میں اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں کو اللہ کے حکم سے آنے والے طوفان میں غرق ہونے سے بچاؤں گا۔

تو اس نے نہایت ٹھٹھول کرتے ہوئے آپ سے کہا۔وہ پانی کہاں ہے جس میں یہ کشتی چلے گی؟ میرا خیال ہے۔کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔اور ہمارے خداؤں کا غضب تم پر آ پڑا ہے۔کیونکہ ہر عقل مند یہ سمجھتا ہے۔کہ کشتی خشکی میں تو نہیں چل سکتی۔پھر مزید ٹھٹھا کرتے ہوئے کہنے لگی۔یہاں تو پانی کا نام و نشان بھی نہیں۔اور سمندروں اور بڑے دریاؤں میں تم اسے لے جانے سے رہے۔

اور دوسرے کافر بھی ٹھٹھول کرنے میں واعلہ کے ساتھ شریک ہو جاتے اور جب بھی حضرت نوح کشتی کا کوئی نیا حصہ بنانے میں لگے ہوتے تو نہایت مسخری سے انہیں بے وقوف سمجھ کر ہنستے ہوئے کہتے۔لو نبوت کرتے کرتے اب بڑھئی بھی بن گئے۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ پھر ٹھٹھے کو آگے بڑھاتے ہوئے بکنے لگتے۔اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہوتے۔تو تمہارا رب جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو۔کشتی بنانے میں تمہاری مدد کرتا۔اور تمہیں اس مشکل سے چھٹکارہ دے دیتا۔نوح تمہیں نظر نہیں آتا کہ یہ جہالت کا پلندہ ہے۔

قاضی القضاۃ امام علی بن محمد الماوردیؒ نے فرمایا ہے۔جب انہوں نے حضرت نوحؑ کو کشتی بناتے دیکھا اور انہوں نے پہلے کبھی کشتی دیکھی نہیں تھی۔تو پوچھنے لگے نوح! یہ تو کیا چیز بنا رہا ہے۔آپ نے فرمایا میں پانی پر چلنے والا ایک گھر بنا رہا ہوں۔آپ کی اس بات سے وہ بہت حیران ہوئے۔اور ان سے ٹھٹھا کرنے لگے۔

آپ کی قوم کے لوگ کشتی کی تیاری کو بے وقوفی اور دیوانگی سمجھتے تھے۔جیسا کہ فرمان باری ہے:۔

"جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے۔تو ان سے تمسخر کرتے"۔ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ ﴿ھود=٣٨﴾

حضرت نوحؑ مسلسل کشتی بناتے رہے۔اور ان کے تمسخر کی ذرا پرواہ نہ کی۔تو جب وہ تمسخر میں انتہا کو پہنچ گئے۔اور آپ کو جاہل و نادان بتاتے تو آپ نے بھی بطور یادداشت کے کہا:۔

"اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو اسی طرح ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے۔جیسا تم تمسخر کرتے ہو" إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۚ ﴿ھود=٣٨﴾

تو اس وقت کفار کے قہقہے بلند ہوتے۔اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے۔اور آپ کو طعن و تشنیع کرتے۔اور کہتے۔بیچارہ نوح پاگل ہو گیا ہے۔بدحواس ہو گیا ہے۔

اب حضرت نوح کشتی کی تیاری سے فارغ ہو گئے۔اور یہ کام اللہ تعالیٰ کی عنایت اور توفیق سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

مفسرین اہل علم راویان اخبار اور مورخین نے کشتی کے بارے میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔کہ کس قسم کی لکڑی سے بنائی گئی تھی لمبی کتنی چوڑی کتنی اونچی تھی۔اور اس سے کتنے درجے تھے۔اور

کس جگہ وہ بنائی گئی تھی کتنی بڑی تھی اور کتنے عرصے میں بن کر تیار ہوئی تھی۔ اور بھی مزید تفصیلات ذکر کی ہیں۔ جن کے جاننے کا کوئی اتنا فائدہ نہیں اور نہ جاننے سے کوئی نقصان نہیں اللہ تعالیٰ علامہ آلوسیؒ پر اپنا فضل وکرم فرمائے کہ انہوں نے کہ جنہوں نے اس بارے میں حق بات برملا کہہ دی۔ آپ اپنی بے نظیر مثال تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں۔ کہ فالتو تفصیلات میں جانے سے بہتر ہے۔ کہ انہی بیانات پر اکتفا کیا جائے جو اس کشتی کے بنانے کے سلسلے میں خود اللہ کریم نے قرآن مجید میں ذکر کئے ہیں۔ اور ہم اس تفصیل میں نہ جائیں۔ کہ کتنی لمبی کتنی چوڑی اور کتنی اونچی تھی۔ کونسی لکڑی سے اور کتنے عرصے میں بن کر تیار ہوئی تھی۔ اور ایسی طویل وعریض حکایات سے گریز کیا جائے جس کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام باتوں کے بارے میں پہلے ہی کشتی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہہ چکے ہیں۔ کہ ایسی طول طویل باتیں کرنا میں پسند نہیں کرتا جن کا قرآن وسنت میں کہیں پتہ نہیں۔ اور نہ ہی جن کے جاننے سے کوئی فائدہ مترتب ہوتا ہے۔ یہ سب فالتو باتیں ہیں۔ جن کا کوئی قطعی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔

کشتی کی اصل حقیقت:

بس ہمیں اتنا ہی معلوم ہے۔ جوڑا جوڑا کہ وہ اتنی بڑی تھی۔ کہ جس میں آپ کے مومن ہمراہی اور ان کی ضروریات کا سامان اور ہر جانور کا سما گئے۔ بس قرآن پاک میں اتنا ہی مذکور ہے۔

کشتی میں سواری:

وعدۂ حق قریب آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گیا۔ اور تنور سے پانی ابلنے لگا۔ اور آسمان سے دھاروں پانی برسنے لگا۔ اور ادھر زمین سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے۔ تو حضرت نوح اور مومن ساتھی کشتی میں بیٹھ گئے۔ اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا بھی کشتی میں آ گئے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ بس سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام کی مدد سے یہ چلے گی۔ اور اس کے نام کی مدد سے ٹھہرے گی۔ قرآن کریم کی زبان میں اس طرح ہے حضرت نوح نے فرمایا:۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۗ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴿ھود - ۴۱﴾

"(حضرت کا نام لیکر) کہ اسی کے ہاتھ میں اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے"۔

اس طرح مومنوں نے کشتی پر بیٹھ کر ڈوبنے سے نجات پائی۔ اور اللہ کریم نے کمال شفقت سے طوفان کے شر سے بچا لیا۔ اور ٹھٹھا کرنے والے کافر غرق طوفان ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت کی وادیوں کے سپرد کر دیا۔ اب ہر طرف خاموشی طاری ہے۔ اور ہر جانب موت کا سناٹا ہے۔ اور کہیں کسی طرف سے کافروں کی آہٹ تک سنائی نہیں دیتی ہے۔ بس ایک طوفانی شور ہے جو ہر طرف مسلط ہے۔ اور مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر کی گونج ہے جو کشتی سے آ رہی ہے۔ یا مومنوں کی سبحان اللہ اور الحمد للہ کی صدائیں ہیں۔ آج ایمان کے طوفان نے بدکاری اور تمسخر کے طوفان پر فتح پائی ہے۔

کشتی طوفانی پانی پر بہتی چلی جا رہی ہے۔ اور پانی کی جوشیلی لہریں بلند ہو رہی ہیں۔ اور انہوں نے زمین کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اور ہر طرف پانی کی ہی حکمرانی ہے۔ اور اس نے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں کو بھی اپنے اندر چھپا لیا ہے۔

واعلہ کی غرقابی:

واعلہ (حضرت نوح کی بیوی) غرق ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ مومنوں کے قافلے کی سوار نہیں تھی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ کہ اس کے گھر میں پانی نہیں آ سکے گا۔ اور میں پانی کی موجوں سے بچ جاؤں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں تھا۔

حضرت نوح کا بیٹا کنعان:

جب نوح کشتی میں سوار ہو گئے۔ اور آپ نے تمام مومنوں اور ان کے اہل و عیال کو کشتی میں سوار کر لیا۔ تو انہوں نے اپنے بیٹے کنعان کو دیکھا۔ کشتی کے اتنا قریب کھڑا ہے جہاں تک آواز سنی جا سکتی تھی۔ آپ کو بیوی تو وہاں نظر نہیں پڑی۔ اور اس کی سلامتی سے آپ ناامید بھی ہو چکے تھے۔ اور حضرت نوح کا خیال تھا۔ کہ میرے اہل و عیال سے صرف بیوی ہی عذاب الٰہی کی حقدار قرار دی گئی ہے۔ اور ایک یہی ہے۔ جس پر کفر و عذاب کی مہر لگ چکی ہے۔ اور اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں انہیں امید تھی۔ کہ وہ مومن ہے۔ کیونکہ ظاہر میں وہ مومن ہی کہلاتا تھا۔ لیکن اندر خانے کافر تھا۔ اور انبیا تو ظاہری ایمان کا اعتبار کرتے ہیں۔ اندر کے بھید تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے جب آپ نے بیوی کو نہ دیکھا۔ تو انہوں نے یقین کر لیا۔ کہ وہ غرق ہونے والوں میں شامل ہے۔ لیکن جب آپ نے بیٹے کو کشتی کے قریب دیکھا۔ تو اس کی سلامتی کی امید اور گمان پر کہ وہ مومن ہے۔ بیٹے کو آواز دی کہ۔

''بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ اور کافروں میں شامل نہ ہو''۔ يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴿ھود=۴۲﴾

یعنی تم اس طرح زمین پر کھڑے رہو گے تو کافروں کے ساتھ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو۔ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپ کا یقین تھا کہ وہ مومن ہے۔

لیکن آپ کے بیٹے نے جواب دیا:۔

کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا۔ وہ مجھے پانی سے بچائے گا۔ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۝ ﴿ھود=۴۳﴾

تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ:

''آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (وہی بچ رہے گا)'' لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۝ ﴿ھود=۴۳﴾

اب حضرت نوح اور بیٹے کے درمیان گفتگو ختم ہو گئی۔ اور اب اس کا عذاب سے بچنا مشکل ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کرنا پورا ہوا۔ اور کسی پہاڑ وغیرہ نے اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچایا۔

علامہ سوکانی فرماتے ہیں کہ جب کہ نوح خود اللہ تعالیٰ سے درخواست کر چکے تھے۔ کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ تو پھر نا ممکن تھا۔ کہ آپ کسی کافر کے لئے سفارش کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حقیقت میں وہ منافق تھا۔ آپ نے سمجھا کہ وہ مومن ہے۔ اس لئے آپ نے رب تعالیٰ سے عرض کیا۔ کہ

''پروردگار کہ میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے۔ اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔'' رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ﴿ھود=۴۵﴾

آپ کی مراد اس سے یہ تھی کہ اسے بچا لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

''نوح! وہ تمہارے گھر والوں میں نہیں ہے۔ وہ تو ناشائستہ افعال ہے۔ تو جس چیز کی تمہیں حقیقت معلوم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو''۔ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڶ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴿ھود=۴۶﴾

کہ تیرا یہ بیٹا تیرے ان اہل وعیال میں شامل نہیں ہے۔ جن کے لئے میں نے تمہارے ساتھ نجات کا وعدہ کر رکھا ہے۔ کیونکہ یہ منافق ہے۔ اور کافروں کا ساتھی ہے۔ اور اندر خانے دین کا دشمن رہا ہے۔

اس پر حضرت نوح متنبہ ہوئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں معذرت کرنے لگے:۔

"پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کریگا۔ تو میں تباہ ہو جاؤں گا"۔

رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْـئَلَكَ مَالَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿ھود=۴۷﴾

اس پر اللہ کریم نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:۔

نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ۔

یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ

مومن کشتی پر سوار ہیں۔ اور کشتی طوفانی لہروں پر بہتی چلی جارہی ہے۔ اور وہ ایک ناپیدا کنار سمندر کی موجوں پر اللہ توکل رواں دواں ہیں۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مکمل بھروسہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمایت اور مدد انہیں حاصل ہے۔ جو اولیاء اللہ کی شان ہے۔ کیونکہ اور تعالیٰ نے ان سے نجات کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اب انہیں کوئی اندیشہ و غم نہیں ہے۔ اطمینان کے سوتے ان کے دلوں میں پھوٹ رہے ہیں۔ اور یقین واعتماد کے چشمے ان کے اندر بہہ رہے ہیں۔ اور یہ فرمان باری ان کا شعار بنا ہوا ہے کہ:

"اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے گا۔ وہ اس کو کفایت کرے گا"۔

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ ﴿الطلاق=۳﴾

اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں رطب اللسان ہیں۔ اور خاص طور پر حضرت نوح جو شکر گزاروں کے پیشوا ہیں۔ اور جن کی خود اللہ کریم نے ثناء کی ہے:۔

"بے شک نوح ہمارے شکر گزار بندے تھے"۔

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿الاسراء=۳﴾

آزمائش:

امام ترمذیؒ نے حضرت مصعب بن سعدؓ سے انہوں نے اپنے والدؓ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کون لوگ مصیبت میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ انبیاء! پھر ان سے نیچے والے پھر ان سے نیچے والے۔ آدمی اپنے دین کے مطابق ہی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے۔ جس کا دین قوی ہو۔ اس پر آزمائش بھی بھاری آتی ہے۔ اور جس کے دین میں ذرا ضعف ہو۔ اس کی آزمائش بھی نسبتاً کم درجے کی ہوتی ہے۔ بندے پر آزمائشیں پڑتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں چھوڑتیں۔

یہ دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ بندہ بقدر دین ہی آزمائش میں مبتلاء ہوتا ہے۔ انہی حضرت نوح کو دیکھئے۔ کس قدر آزمائشوں میں مبتلا ہوئے۔ قوم نے جھٹلایا۔ تمسخر اڑایا۔ ہر قسم کی اذیتیں آپ کو پہنچائیں۔ اور اس پر مزید بیٹے کی طرف سے آزمائش کہ آخر وقت بھی دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی بیوی جسے آپ کا ہمدرد وغمگسار ہونا چاہئے تھا۔ کافروں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ حالانکہ آپ نے اسے کافروں کے نرغے سے نکالنے کی بہت سعی فرمائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ہو کر رہتا ہے۔ کہ نوح کا قرب بھی اسے فائدہ نہ دے سکا۔ لہٰذا دینی قرب معتبر ہے نہ کہ نسبی قرب۔

دو کافر عورتوں کی مثال:

آیئے مل کر اس واقعہ ومثال کو قرآن مجید سے مطالعہ کریں:۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿التحریم: ۱۰﴾

"اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونوں ہمارے نیک بندوں کے گھر میں تھیں۔ اور دونوں نے ان سے خیانت کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا۔ کہ دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ہر ایک ایک نبی کے گھر میں تھی۔ اور حضرت نوح کی بیوی کی خیانت کی تفسیر میں حدیث پاک میں مذکور ہے۔ کہ دعوت دین کے بارے میں خیانت تھی۔ بدکاری کی خیانت نہ تھی۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے۔ کہ کسی بھی نبی کی بیوی کبھی زنا کاری میں مبتلا نہیں ہوئی۔

امام الماوردیؒ نے اپنی تفسیر "النکت والعیون" میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی خیانت چار طرح سے تھی:۔

1- کہ وہ نبیوں کی بیویاں ہو کر بھی کافر ہیں یہ کفر کی خیانت ہے۔ یہ سدی کا قول ہے۔

2- دونوں منافق تھیں ظاہر میں مومن باطن میں کافر۔ انہوں نے کفر کو چھپایا یہ بھی خیانت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ ان دونوں کی دینی خیانت تھی۔

3- یہ بھی خیانت ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کی چغلخوری کرتی تھیں۔ کہ جب ان پیغمبروں پر کوئی بات بذریعہ وحی نازل ہوتی۔ تو فوراً یہ مشرکوں کو جا بتاتیں۔ یہ ضحاکؒ کا قول ہے۔

4- حضرت نوحؑ کی بیوی کی ایک خیانت یہ تھی۔ کہ وہ لوگوں میں خواہ مخواہ یہ بات مشہور کرتی کہ یہ دیوانہ ہے۔ اور جب کوئی شخص آپ پر ایمان لاتا۔ تو یہ ظالم مشرکوں کو جا خبر کرتی۔

اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی ایک خیانت یہ تھی۔ کہ آپ کے ہاں کوئی مرد مہمان آتا تو یہ فوراً جا کر قوم کو خبر کر دیتی۔ اس لئے کہ وہ مردوں سے شہوت رانی کیا کرتے تھے۔ (العیاذ باللہ)

امام فخر الدین رازی نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ ان کا کفر کو چھپانا اور دونوں پیغمبروں کو نقصان پہنچانا تھا۔ کہ نوحؑ کی بیوی قوم سے کہتی پھرتی کہ نوح دیوانہ ہے۔ اور لوطؑ کی بیوی کافروں کو مہمانوں کے آنے کی خبر دے دیتی تھی۔ اور ان کی خیانت بے حیائی کی بالکل نہیں تھی۔

مقام عبرت:

ان دونوں عورتیں کے کردار میں بڑی نصیحت اور عبرت ہے۔ صرف اس شخص کے لئے جو صاحب دل ہو۔ اور ذہن کو حاضر کر کے کان لگائے۔ جسے قرآن کریم نے پوری وضاحت سے بیان کیا ہی۔ اور مضبوط حکیمانہ اسلوب میں بیان کیا ہے۔ کہ رشتہ داری کا تعلق خواہ کتنا ہی زیادہ ہو چاہے پیغمبروں

کے ساتھ ہو وہ مفید نہیں ہو سکتا جب تک حق کے ساتھ رابطہ مضبوط نہ ہو۔ بلکہ آخرت میں بھی رشتہ داری کا تعلق کچھ فائدہ نہیں دیگا۔ جبکہ دین سے رابطہ ٹوٹا ہوا ہو۔ بلکہ عذاب سے بچاؤ فرمانبرداری سے ہوگا۔ نہ رشتہ داری سے۔ اس واقعہ میں اس شخص کے لئے پیغام ہے۔ جو شخص عالی نسبی پر انحصار رکھتا ہو۔ اور کسی دوسرے کی بزرگی کے واسطے سے نجات کا امیدوار ہو۔ ہاں اگر وہ ہدایت یافتہ افراد کے اسوہ پر عمل پیرا ہو کر سیدھا راستہ اختیار کریگا۔ تو وہ نجات کا حقدار کہلائے گا۔

قرآن مجید خبردار کرتا ہے۔ کہ دیکھو حضرت نوحؑ کی قرابت داری اور سفارش آپ کی بیوی اور بیٹے کے لئے کارگر نہیں ہوئی۔ کیونکہ کہ وہ ظاہر میں کفر کے قریب تھے۔ بلکہ قرآن کریم نے انہیں آخرۃ میں عذاب دوزخ اور برے ٹھکانے کی خوشخبری دی ہے۔ کہ ان دونوں سے کہا گیا:۔

"کہ دوسروں کے ساتھ تم دونوں بھی نار دوزخ میں جاؤ"۔ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ۝

اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت کو نجات نصیب ہوئی۔ فرماباری ہے:۔

"اوران کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئے"۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ۝

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:

اور حضرت نوحؑ اپنے اور اپنے والدین اور اپنے مومن اہل وعیال اور عام مومن مردوں عورتوں کے لئے ذیل کی دعا بارگاہ الہٰی میں کیا کرتے تھے:۔

"اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں آئے۔ ان کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما"۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۝ (نوح ـ ۲۸)

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَكْرِمْنَا بِفَضْلِكَ وَاَلْهِمْنَا الصَّوَابَ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی واعلہ

حضرت لوطؑ ان پیغمبروں میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ کریم نے ان کی قوموں کو بدکاریوں کے اندھیروں سے نکال کر اخلاق فاضلہ کو اپنانے اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے مبعوث فرمایا۔ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ اور جیسا کہ حوالہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے بھی تھے۔ اور آپ کو حضرت لوطؑ سے بہت محبت تھی۔ اور قرآن پاک کی کئی آیات میں آپ کا مذکور ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان انبیاء میں سے ہیں۔ جن کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں آپ کا قصہ بیان ہوا ہے۔

حضرت لوطؑ اپنے چچا جناب ابراہیمؑ کی نبوت پر ایمان لائے۔ اور آپ کی سیرت کے مطابق راہ ہدایت پر چلتے رہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے:۔

تو لوطؑ ان پر ایمان لائے۔ اور کہنے لگے میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔	فَاٰمَنَ لَہٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُہَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّہٗ ہُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (العنکبوت۔۲۶)

اور روایات میں اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ کہ حضرت لوطؑ نے اپنے چچا حضرت ابراہیمؑ کے ہمراہ عراق کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ اور تمام سفروں میں ان کے ساتھ ساتھ رہے تھے۔ امام نوویؒ نے حضرت وہب ابن منبہ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت لوطؑ اپنے چچا حضرت ابراہیمؑ کی معیت اور پیروی میں ارض بابل (عراق) سے ہجرت کر کے شام کی طرف چلے گئے۔ پھر وہاں سے مصر کی طرف ہجرت کی اور پھر ملک شام کو واپس آ گئے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ تو فلسطین میں رہ پڑے۔ اور حضرت لوطؑ اردن میں آ بسے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل سدوم اور آس پاس کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اور اس قوم کے ساتھ آپ کی پہلے سے کوئی نسبی قرابت داری نہیں تھی۔ کیونکہ آپ وہاں کے رہنے والے نہیں تھے۔ حضرت لوطؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کام کا آغاز کر دیا۔ اور حکم ربی کے مطابق انہیں تبلیغ کرنے لگے۔ اور اہل سدوم کو اللہ تعالیٰ کی دین کی دعوت دی۔ اور ان کے دلوں میں توحید الٰہی کا بیج بو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت و دانائی کے ذریعے اسے پروان چڑھانے لگے۔

دنوں پر دن گزرتے گئے اور پھر سالہا سال گزر گئے اور کسی ایک نے بھی حضرت لوطؑ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اور پورے سدوم میں آپ کے اپنے گھر کے سوا مومنوں کا کوئی گھر نہ تھا۔ لیکن آپ کے گھر میں بسنے والوں میں سے ایک فرد نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ شیطانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے اور شر و فساد پھیلانے میں شیطان کے مخلص ساتھی اور مددگار بن گئے البتہ ایک فرد کا قرآن مجید نے بدین الفاظ ذکر کیا ہے:۔

"مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ گئی"۔ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝ (الشعراء ۱۷۱)

اور وہ شخصیت آپ کی بیوی والہہ تھی۔ جس نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے خرید لیا۔ لہٰذا اس کی اس تجارت نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ اور نہ اسے ہدایت نصیب ہوئی۔ اور عذاب الٰہی کے حقداروں میں وہ بھی شامل ہو گئی۔ شیخ قاسمیؒ اپنی تفسیر میں اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ اس عجوز سے مراد آپ کی بیوی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پیچھے رہ جانے والے کافروں میں شامل تھی۔ جن کے لئے عذاب الٰہی مقدر ہو چکا تھا۔ کیونکہ وہ کافروں کے عمل پر راضی تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام کا پیغام:

حضرت لوطؑ کی قوم توحید الٰہی کی منکر اور ایسی بدکاری میں مبتلا تھی۔ جس کی ابتداء انہوں نے کی تھی۔ اور ایسی بدکاری کا ارتکاب اس سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ اور اس کفر اور بدکاری کی بنا پر وہ راہ حق سے ہٹ گئے تھے۔ اور یہ قوم اس رذیل کام میں ذلت کے پست ترین مقام پر گر گئی تھی۔ اور نوع بشر میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔ شیطان ان پر اس حد تک غالب آ چکا تھا۔ کہ وہ اس بدترین عمل کو اچھا سمجھتے تھے۔ اور ان کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا تھا۔ اور وہ بے دھڑک اس کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور اس کا گھناؤنا پن محسوس نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کو اہل سدوم کی طرف بھیجا۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیں۔ اور ایک وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلائیں۔ قرآن کریم نے آپ کی بنیادی دعوت کا ذکر کیا ہے۔ فرمان باری ہے:۔

"میں تو تمہارا امانتدار ہوں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو"۔ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء ۱۶۲-۱۶۳)

تقویٰ و پرہیز گاری آپ کی دعوت کا بنیادی مقصد تھا۔ جس کی آپ دعوت دیتے تھے۔ کفر قوم لوطؑ میں پوری طرح پھیل چکا تھا۔ اور وہ اس خلاف فطرت رذیل عمل کے گندے پانی کو چیڑ چیڑ پی رہے تھے۔

دعوت کے اس آغاز کار میں قوم لوط نے اپنے نبی سے روگردانی کی اور انہیں جھٹلایا۔ اور آپ کی بیوی والہہ بھی کافروں کی ہمرکاب تھی۔ اور ان کی نافرمانی کو ہوا دیتی۔ اور ان کے اعمال شنیعہ کی حوصلہ افزائی کرتی۔

حضرت لوط علیہ السلام یہ سب کچھ سمجھتے تھے۔ لیکن برابر اپنی قوم کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ کہ شاید یہ ہدایت کی طرف رجوع کریں۔ اور سرکشی اور گمراہی سے باز آ جائیں۔

حضرت لوط اپنی قوم کی اس عجیب و غریب بدفطرت سے آگاہ تھے۔ کہ وہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے تھے۔ اور فطرت انسانی سے ہٹ کر جرائم کی دنیا میں ایک نئے جرم کو جنم دے لیا تھا۔ حالانکہ حکمت خداوندی نے تمام جانداروں کو نر اور مادہ سے جوڑا بنایا ہے۔ اور یہ واحد گناہ ایسا تھا جو دنیا میں پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔

البدایہ والنھایہ کے مصنف علامہ ابن کثیرؒ قوم لوطؑ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسے فحش کام کا آغاز کیا۔ جو اس سے پہلے انسانوں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ اور عورتیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے پیدا کیا تھا۔ انہیں چھوڑ بیٹھے۔ حضرت لوط نے انہیں خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا۔

اور انہیں ان حرام کاریوں' بدکاریوں اور بداعمال سے روکا۔ لیکن وہ سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے چلے گئے۔ اور فسق و فجور اور کفران نعمت میں لگے رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ مصیبت نازل کی جس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔ اور جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ اور انہیں دنیا والوں کے لئے مثال بنادیا۔ اور عقلمندوں کے لئے عبرت کا نشان بنادیا۔ تاکہ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔

قوم لوط علیہ السلام کی بد عادات:

مفسرین اور مورخین کا اس پر اجماع ہے۔ کہ یہ لوگ برائی کو برائی نہ سمجھتے تھے۔ اور برائی کو چھپاتے نہیں تھے۔ ان کے اخلاق بگڑ گئے تھے۔ اور دل سخت ہو گئے تھے۔ ان کی طبیعتوں میں بگاڑ پیدا

ہو گیا تھا۔ اور بدخصلتوں میں ملوث ہو گئے تھے۔ وہ کفر و شرک کے علاوہ رہزنی کرتے' دوستوں سے خیانت کرتے۔ اور اپنی مجلسوں میں طرح طرح کی بری باتیں اور بدکرداری کرتے۔ یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ وہ اپنے ہم نشینوں کے سامنے زور زور سے گوز مارتے اور ذرا نہ شرماتے۔ بسا اوقات محفلوں میں سب کے سامنے کوئی بدعمل کرتے تو کوئی برا نہ مناتا۔ اور نہ یہ کسی واعظ کے وعظ سے خوفزدہ ہوتے۔ اور نہ کسی عقلمند کی بات پر کان دھرتے۔

حافظ ابن کثیر نے ان کی برائیوں کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ بے راہ روی وغیرہ میں وہ ڈھوروں کی مانند تھے۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے بے راہ تھے۔ نہ موجودہ بداعمالیوں سے باز آئے۔ اور نہ گزشتہ بدکاریوں پر نادم ہوتے۔ اور نہ آئندہ برائیوں سے باز آجانے کا ان کا کوئی ارادہ تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے نہایت خطرناک طریقے سے انہیں پکڑا۔

اللہ تعالیٰ نے کھلے بندوں ان کے برائی کرنے کو بیان فرمایا ہے:۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَ تَاْتُوْنَ فِىْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (العنکبوت = ۲۹)

"کیا تم لونڈوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔ اور رہزنی کرتے ہو۔ اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو"۔

لہٰذا حضرت لوطؑ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا۔ اور انہیں بدکاریوں' مردوں سے شہوت رانی' اور ڈاکہ زنی سے منع فرمایا۔ ان بداعمالیوں میں انہیں حق کا پیغام بہت برا لگا۔ اور انہوں نے دعوت حق کو قبول نہیں کیا۔ اور نہ ہی حضرت لوطؑ کی نبوت پر ایمان لائے۔ بلکہ اپنی موجودہ برائیوں پر قائم رہے۔ اور گمراہی اور بے راہ روی میں ڈوبے رہے۔ اور انہوں نے آپ کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور گناہوں کے راستے پر چلتے رہے۔ اور حضرت لوطؑ کی دعوت سے روگردانی کرتے رہے۔ اور ظلم کے اندھیروں میں گم ہو گئے۔

برس ہا برس تک حضرت لوطؑ اپنی قوم کو ہدایت کی طرف بلاتے رہے۔ لیکن ان کے قلوب اس سے منکر رہے۔ کیونکہ یہ لوگ نہایت ہی فاسق و فاجر تھے۔ ہمیشہ تہمت کے لئے ان کی انگلیاں حضرت لوطؑ کی طرف اٹھتی رہیں۔ اور شر کے پوشیدہ انگارے ان کے نفسوں کو بھسم کرتے رہے۔ اور وہ تمسخر سے آپ سے کہتے۔ کہ کیا ہم میں سے تم ہی ایک انسان ہو۔ اور ہم اس کی پیروی کریں۔ یہ بڑی اچنبھے کی بات ہے۔ اور حضرت لوط سے کہتے کہ تو بہت جھوٹا اور شرارتی ہے۔ اور ہر طرح بڑے بڑے الزام پر

آپ لگاتے۔ اور روگردانی کی اور ٹھٹھا کرتے ہوئے کہتے تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں۔ اور ہمارے کانوں پر ڈاٹ لگے ہوئے ہیں۔ اور لوطؑ انہیں فرماتے تم دنیا کے عیش و عشرت میں مگن ہو۔ اور تم ڈھوروں کی طرح کھانا جانتے ہو۔ تمہیں نہیں معلوم نار جہنم تمہارا ٹھکانا ہے۔ لیکن انہیں اس کا کوئی اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ کفر و شرک اور برائیوں اور بدکاریوں میں بڑھتے ہی چلے جاتے۔

قوم لوط آپ کی مسلسل مذمت اور نافرمانی کیے جاتی۔ اور آپ کے مومن پیروکاروں کو بھی برا بھلا کہتی اور آپ کی بیوی گمراہی اور گمراہ کرنے میں برابر قوم کا ساتھ دیتی رہی۔ قوم کے سردار اور پیشوا حضرت لوط اور آپ کا ساتھ دینے والوں اپنے ہاں سے نکال باہر کرنے کے لئے تدابیر اور حیلے سوچتے تھے۔ لیکن اس کے لئے انہیں کوئی حیلہ اور دلیل سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

تم بڑے نیک پاک بنتے ہو:

جب حضرت لوطؑ انہیں بدکاریوں سے باز آنے کو کہتے۔ اور کفر و شرک ترک کرنے پر زور دیتے۔ تو ان پر ایک ہی دھن سوار ہوتی۔ کہ کسی طرح وہ حضرت لوطؑ کو ملک اور شہر سے نکال باہر کریں۔ کیونکہ وہ انہیں اس منفرد بدکاری سے روکتے تھے جس کی بے حیائی کی دنیا میں کوئی مثال موجود نہیں تھی۔ اور طرہ یہ کہ وہ سب کے سب اس برائی میں مبتلا تھے۔ اور علانیہ اسے کرتے تھے۔ اور جب چاہتے جہاں چاہتے کرنے لگتے۔ کہ بجائے عورتوں کے لونڈوں سے شہوت رانی کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری عمل کی خلاف ورزی کرتے۔ حضرت لوطؑ نے ان کہا۔

”کہ تم بے حیائی کے کام کیوں کرتے ہو۔ حالانکہ تم سمجھتے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت کے لئے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو“۔	اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ (النمل=۵۴-۵۵)

حضرت لوطؑ ان کے اس وطیرے اور روگردانی سے بہت پریشان تھے۔ اور برابر انہیں اس غیر فطری عمل سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن وہ لوگ اپنی جہالت اور نادانی کی بنا پر اسی پر اڑے ہوئے تھے۔ آپ کی شدید خواہش تھی۔ کہ قوم ان اندھیروں سے نکل کر روشنی طرف آ جائے۔ اور گندگی اور نجاست کے ان گڑھوں سے نکل کر روح کی پاکیزگی حاصل کر لیں۔ اور بھلائی کو قبول کر کے جہنم سے بچ جائیں۔

لیکن ان کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ تم لوگ بڑے نیک پاک بنتے ہو۔ ہم تمہیں اپنے ملک اور شہر سے نکال باہر کریں گے۔ قرآن کریم میں ان کا یہ جواب مذکور ہے:۔

"تو ان کی قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ لوطؑ کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک بنتے ہیں"۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ (النمل - ٥٦)

گویا قوم کا یہ جواب اپنے اس بدبودار گندے عمل پر اصرار اور سینہ زوری تھی۔ اور وہ کسی صورت میں اس گھناؤنے عمل کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔

اور ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت لوطؑ اور ان کے پیروکاروں کی پاکبازی کی کتنی صاف گواہی تھی۔ جو وہ کافران کے لئے دے رہے تھے۔ اور کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ پاکبازی اور نیک کردار پر کسی کو مطعون کیا گیا ہو۔ یہ کتنی عجیب بات تھی۔ کہ نیکی کو برائی کا درجہ دے رہے تھے۔ اور کبھی آپ نے سنا ہے۔ کہ بدکرداری اور بے حیائی پر کسی نے فخر کیا ہے؟ یہ ان شقی القلب بدنصیب کافروں کا ہی کام تھا۔ کیونکہ خلاف فطرت چلنے والے نفوس خلاف ورزی کی وادیوں کے راہی ہو جاتے ہیں۔ جہاں انہیں ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ہمارا خیال ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی کی شہہ پر کفار آپ کو پاکبازی پر طعنے دیتے تھے۔ کیونکہ وہ آپ کے ہر عمل اور حالات سے آگاہ تھی۔ اور گویا وہ لوگ اس کی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اور وہ کافروں کے لئے کام کرتی تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان اور آپ کی بیوی کا کردار:

مہمان نوازی اعلیٰ اخلاق کی علامت ہے۔ اور اسلامی آداب کا ایک اعلیٰ اشعار ہے۔ اور انبیاء اولیا کی پیاری ادا ہے۔ اور اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حضرت لوطؑ بھی مہمان نوازی میں کریمانہ خوبی کے حامل تھے۔ اور مہمان نوازی میں حضرت ابراہیم کے پیروکار تھے۔ جو مہمان نوازی کے بانی تھے۔ اور جو بغیر مہمان کی شرکت کے ہرگز کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔

حضرت لوطؑ کے آثار جانی کے حالات و اطوار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سدوم میں جو لوگ باہر سے آتے تھے وہ حضرت لوطؑ کے پاس ہی ٹھہرتے تھے۔ اور آپ کی بیوی کو جب معلوم ہوتا کہ کسی

نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ وہ فوراً دوڑی جاتی اور آپ کے پاس آنے والے کی اطلاع کر دیتی تو وہ فوراً اس بدترین عمل کے لئے دوڑے آتے جو بدترین خصلت کے حامل چوپائے بھی نہیں کرتے تو اس طرح آپ کی بیوی ان لوگوں کے بدکاری کے عمل میں ان کی معاون ہوتی۔ اور حضرت لوطؑ کی عزت کے درپے رہتی۔

اور اس کا طریق کار یہ تھا۔ کہ اگر رات کو کوئی مہمان آتا۔ تو یا اگر پیغام دینے نہ جا سکتی تو گھر میں دھواں دھکا دیتی تاکہ ان لوگوں کو مہمان کی موجودگی کی خبر ہو جائے۔ لہٰذا جب انہیں پتہ چلتا تو وہ انبوہ کی صورت میں اس برے عمل کے لئے آپ کے گھر میں درآتے۔ تاکہ جو بھی ان کے شہر میں آئے اسے اس بے عزتی اور خباثت کا نشانہ بنائیں۔

گویا کہ آپ کی بیوی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ راہ کفر اختیار کی۔ بلکہ کافروں کو بھی اس پر ابھارتی رہی کہ وہ آپ کو جھٹلائیں اور اللہ کے راستے سے روکیں۔ اور ان کے جرائم میں مزید اضافہ ہو۔ اور اس کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتی۔ اور در پردہ اللہ تعالیٰ کے دین کی دشمن تھی۔ اسی لئے اسے اپنے شوہرداری کا تعلق فائدہ نہ دے سکا۔ اور عدل الٰہی کے محکمے میں اس کے لئے نار دوزخ کا فیصلہ دے دیا گیا۔ اور اس سے پہلے ہی فیصلہ حضرت نوحؑ کی بیوی واہلہ کے بارے میں دیا چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عورتوں کا بیان فرمایا ہے:۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ۝ (التحریم = ١٠)

"اللہ نے کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اور دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں۔ اور دونوں نے ان کی خیانت کی۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونیوالوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ"۔

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کو ان کے شوہروں کے ایمان نے کچھ فائدہ نہیں دیا۔ اور ان کے نفاق نے ان کے شوہروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ عذاب تو اعمال صالحہ سے دور ہوتا ہے۔ کہ نہ کسی دوسرے پر بھروسہ کرنے اور وسیلہ بنانے سے۔

تو اس لحاظ سے حضرت لوط کی بیوی اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کارگزاری اور خیانت کے لحاظ سے ایک بری مثال ہے۔ جس کی وجہ سے نار دوزخ اس کا بر اٹھکانا ہے۔

اے میرے پروردگار میری مدد فرما:

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا۔ اور ان کی بیوی کفار کے ساتھ ہی کفر و عناد پر قائم رہی۔ بلکہ دشمنی کی انتہا کر دی اور یہ کہ نہ صرف آپ کو جھوٹا کہا۔ بلکہ جس عذاب سے آپ ان کو ڈرا رہے تھے۔ اس کے لانے کا مطالبہ کیا۔ کہ جو کرنا ہے کر لو۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں باری تعالیٰ عزاسمہٗ بیان ہے۔ کہ انہوں نے آپ سے کہا۔ کہ:

"اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ"۔ ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (العنکبوت = ۲۹)

یہ سن کر حضرت لوط علیہ السلام بہت غمناک اندوہگین ہو گئے۔ اور آپ نے محسوس کیا۔ کہ یہ غم مجھے توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔ کہ کہیں بھی ایسا بگاڑ دیکھنے میں نہیں آیا جس میں یہ کافر و فاجر لوگ ڈوب چکے ہیں۔ کیونکہ سوائے سدوم کے [illegible] عام بدکاری دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ اس سے آپ کا دل بہت دکھتا تھا۔ اور آپ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ برائی ان کی نس نس میں گھر کر گئی۔ کہ اب ان کے دلوں میں ذرا بھر خوف خدا نہیں رہا ہے۔

آپ طرح طرح کے ظلم ہوتے دیکھ رہے۔ کہ آقا اپنے غلاموں پر کس طرح ظلم ڈھا رہے ہیں۔ اور جگہ جگہ شہوت رانی ہو رہی ہے۔ ہر جگہ ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ لوگوں کے مال چھینے جا رہے ہیں۔ اور رحم ان کے دلوں سے ختم ہو چکا ہے۔ اور اب یہ روئے زمین پر بدترین مخلوق بن چکے ہیں۔ اور اب انہیں برے بھلے کی کوئی پہچان نہیں رہ گئی ہے۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ہدایت سے بالکل بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ اور صدائے حق ان کے دلوں کو چھو کر نہیں گزرتی تو۔ آپ نے پروردگار عالم کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا یا اللہ العالمین ان بدکاروں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اور فریاد کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں التجا کی:۔

"اے میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں مجھے نصرت عطا فرما"۔ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝ (العنکبوت = ۳۰)

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کا یہ مطالبہ مان لیا۔ اور اللہ کے سچے وعدہ کا وقت آن پہنچا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور آپ کی بیوی کی ہلاکت کے لئے اپنے بزرگ فرشتوں کو روانہ فرمایا۔ جو کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم ہو وہ کر گزرتے ہیں۔ ہم نے اس ظالم قوم کی ابتدا دیکھی ہے۔ اب ان کی انتہا دیکھتے ہیں۔ اب ہم ان کی تفصیلات معلوم کرتے ہیں۔ کہ فرشتوں کی اس جماعت نے اللہ تعالیٰ کے عادلانہ حکم کو کیسے نافذ کیا۔ اور یہ کہ یہ دن کافروں کے لئے کتنا کٹھن اور مشکل تھا۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کے لئے خوشی اور نجات کا دن تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ اور ہم لوط کو اور ان کے اہل وعیال کو بچالیں گے لیکن آپ کی بیوی کو نہیں۔ فرمان باری ہے۔

"اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے۔ تو وہ ان کے آنے سے غمناک اور تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے"

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ (ھود = ۷۷)

اور یہ بزرگ فرشتے حضرت جبریل' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے۔ جو پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس تشریف لائے۔ اور انہیں اور ان کی زوجہ محترمہ کو ایک اہل علم لڑکے کی خوشخبری سنائی۔ اور انہیں بتایا کہ وہ خدائے مالک ومختار کی جانب سے شہر سدوم کے رہنے والوں کے لئے جنہوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ کہ ہلاکت کے مشن پر آئے ہیں۔ جن کے شر کے روئے زمین پر پھیل جانے خطرہ پیدا ہو گیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

"فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں"۔

إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۝ (العنکبوت = ۳۱)

لیکن حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوطؑ کے بارے میں فرشتوں سے بحث شروع کر دی۔ کیونکہ آپ کو امید تھی کہ وہ ایک دن بارگاہ الٰہی میں جھک جائیں گے۔ اور اسلام لے آئیں گے۔ اور یہ ذلت و نافرمانیوں کا رستہ چھوڑ کر سیدھا راستہ اختیار کر لیں گے۔ کیونکہ آپ نہایت حلیم الطبع آہیں بھرنے والے منکسر مزاج تھے۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا۔ کہ ہم اس قوم کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔ انہوں نے بہت ظلم کئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا کیا خیال ہے۔ اگر اس شہر میں پچاس مسلمان موجود ہوں تو تم پھر بھی انہیں ہلاک کر دو گے؟ فرشتوں نے کہا اگر ان میں پچاس آدمی مسلمان ہوئے تو پھر ہم

ان پر عذاب نازل نہیں کریں گے۔ آپؑ نے شفقت بھرے لہجے میں فرمایا۔ اگر چالیس مسلمان ہوئے تو؟ فرشتوں نے کہا۔ تو بھی نہیں۔ آپؑ نے فرمایا۔ اگر تیس ہوئے تو؟ فرشتوں نے کہا اگر اس شہر میں تیس آدمی بھی مسلمان ہوئے۔ تو ہم عذاب نہیں دیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ان میں بیس مسلمان ہوئے تو؟ فرشتوں نے کہا تو بھی نہیں۔ آپؑ نے فرمایا اگر دس ہوئے تو؟ فرشتوں نے کہا اگر دس ہوئے تو بھی ہلاک نہیں ہونگے۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ جس قوم میں دس مسلمان بھی نہ ہوں۔ ان سے بھلائی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو یقین دلایا۔ کہ شرارت کی دیمک ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہے۔ اور یہ لوگ نجاست و گندگی کے کینسر میں پوری طرح مبتلا ہو چکے ہیں۔ اور نفسانی خواہشات کے بھنور میں غوطے کھا رہے ہیں۔ اب یہ خلاف فطرت کج ادائیوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکیمانہ فیصلہ ان کی تباہی کے لئے صادر ہو چکا ہے۔ وہ ٹل نہیں سکتا۔ قرآن کریم کی زبان میں فرشتوں کی حضرت ابراہیمؑ کو فہمائش:۔

"اے ابراہیمؑ! اس بات کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے۔ اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے۔ جو کبھی نہیں ٹلنے کا"۔

يَآ اِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ (هود = ٧٦)

دیکھئے امر الٰہی سے حضرت ابراہیم سے کہا جاتا ہے۔ اور صیغہ امر سے حکم دیا جاتا ہے۔ کہ آپ اس معاملے میں نہ پڑیے۔ کوئی اور بات کیجئے۔ اس فیصلے پر مہر لگ چکی ہے۔ اور ان کی تباہی بربادی اور عذاب کے لئے اٹل حکم آ چکا ہے۔ اور یہ پروردگار عالم کا حکم ہے۔ جو ہر چیز کا پروردگار ہے جس کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا۔ اور عذاب روکا نہیں جا سکتا۔ اور اس کے حکم کو پلٹایا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا حضرت ابراہیم نے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ کہ اس کا حکم سب سے مقدم ہے۔ آسمانوں اور زمین کا غیب دان وہی ہے۔ اور ہر کام کا دارومدار اسی کی ذات پر ہے۔ اب حضرت ابراہیمؑ نے یہ جان لیا کہ حضرت لوط اور ان کے اہل و عیال نجات پائیں گے۔ سوائے ان کی بیوی کہ وہ اس عذاب سے نہیں بچ سکتی۔ کیونکہ وہ دعوت حق کو سن کر جان بوجھ کر اندھی بہری بن گئی۔ اور امر الٰہی سے روگردانی کرتی رہی۔ اب اس کا حال بھی حضرت نوحؑ کی بیوی کا سا ہوگا۔

قوم لوط علیہ السلام کی تباہی کے لئے فرشتوں کی روانگی:

اب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر سیدھا ارض سدوم کا رخ کیا۔ اور وہ حسین وجمیل نوخیز جوانوں کی صورت میں چل پڑے۔ جب وہ حضرت لوطؑ کی بستی کے قریب پہنچے تو حضرت لوط اپنی زمین پر کام کر رہے تھے۔ فرشتوں نے ان سے جا کر کہا۔ کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ اور وہ عصر سے تھوڑا بعد کا وقت تھا۔ حضرت لوط کو اندیشہ ہوا۔ کہ اگر میں نے ان کی میزبانی نہ کی' تو کوئی اور ان کا میزبان بن جائے گا۔ اور کوئی بھی ان کی مہمانی قبول کر سکتا ہے۔ لیکن جب آپ نے ان کے حسن و جمال کو دیکھا۔ تو آپ نے سوچا کہ آج تو بڑی مشکل آ پڑی ہے۔ اس لئے کہ آپ جانتے تھے۔ کہ آج ان بدکاروں سے ان کی حفاظت آسان نہیں۔ کیونکہ آپ قوم کی کمینگی سے آگاہ تھے۔ اور انجام کا سوچ کر شرمسار ہو رہے تھے۔ لہٰذا آپ ان کے آگے آگے چل پڑے۔ اور باتوں باتوں میں انہیں ٹال رہے تھے۔ اور ایسی باتیں کر رہے تھے۔ کہ وہ سدوم کے علاوہ کسی اور طرف چلے جائیں۔ اور آپ کے چہرے کے تاثرات سے آپ کی پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ قرآن کریم آپ کی پریشانی اور مشکل کا تذکرہ یوں کرتا ہے:۔

''تو آپ ان کے آنے کی وجہ سے غمناک اور تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے''۔	وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ (هود=۷۷)

پھر انہیں صاف بتا دیا۔ اور کہا۔ معزز مہمانو! آج روئے زمین پر ان لوگوں سے بڑھ کر نجس کوئی نہیں۔ پھر تھوڑی دیر چل کر یہی بات اپنے ان سے کہی۔ حتیٰ کہ چار مرتبہ آپ نے یہ بات ان سے کہی۔

اور ان فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب تک حضرت لوط ان کی بداعمالی کی گواہی نہ دیں۔ اس وقت تک اس قوم کو عذاب نہ دیا جائے۔ آپ ان کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔ اور خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھتے جا رہے تھے۔ کہ مبادا قوم کے لوگوں کو مہمانوں کی خبر ہو جائے۔ آپ کی پریشانی کو بھانپ کر فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ آپ پریشان ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس بستی کے لوگ اس روئے زمین پر بدترین لوگ ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ فسادی اور پلید لوگ ہیں۔ حضرت لوطؑ اور آپ کے مہمان بستی کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ جس بستی کے لوگ بدکردار تھے۔ اور حضرت

لوطؑ کے دل میں بار بار خیال آ رہا تھا۔ کہ اگر بستی کے لوگوں نے انہیں دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ اور یہ آپ کیلئے ان کی حفاظت اور دفاع کیسے کریں گے؟

اس طرح حضرت لوطؑ اپنے مہمانوں کے ساتھ گھر پہنچ گئے۔ اور مہمان آپ کے گھر میں ہی قیام کے لئے ٹھہر گئے۔ اور مہمان بھی وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال سے نوازا تھا۔ لیکن ابھی تک سدوم میں ان کے آنے کی سوائے حضرت لوطؑ اور ان کی بیوی کے کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی۔ یا آپ کی دو بیٹیوں ریثا اور رغوثا ان مہمانوں کے بارے میں جانتی تھیں۔ اور حضرت لوطؑ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ کہ بستی والوں میں سے کسی کو مہمانوں کا معلوم نہیں۔

آپ کی بیوی نے مہمانوں کو دیکھا تو وہ تو خوشی سے دیوانی ہوگئی۔ اور اسے کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ کہ کس طرح قوم کے لوگوں کو مہمانوں کے آنے آگاہ کرے۔ اس کے خیال میں تو یہ بہت قیمتی شکار تھا۔ جس کی اطلاع دینے پر اسے ان کافروں کے ہاں بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی۔

لہٰذا اسے اپنی خوش نصیبی جانتے ہوئے۔ اس نے حضرت لوطؑ کی آنکھ بچا کر آگ روشن کر دی۔ تاکہ بستی والوں کو مہمانوں کے آنے کا اشارہ مل جائے اس طرح مہمانوں کے آنے کی خبر جنگل کی طرح پوری بستی میں پھیل گئی۔ اور اس عورت کی بدنصیبی دیکھیئے۔ کہ نجی محفلوں میں جہاں لوگ اندر خانے مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ اس عورت نے زبانی پیغام پہنچایا۔ اور ان سے کہا۔ کہ آج میں نے لوطؑ کے ہاں ایسے حسین و جمیل اور پری چہرہ مہمان آتے دیکھے ہیں۔ جن کی مثال نہیں ملتی۔ وہ سب لوطؑ کے گھر میں موجود ہیں۔ اور لوطؑ کی بیٹیاں ان کے لئے کھانا تیار کر رہی ہیں۔ جلدی کرو۔ وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اور وہ لوگ کہیں اور نکل جائیں۔ اور بار بار ان سے کہتی کہ آج رات لوطؑ کے ایسے مہمان آئے ہیں جن کی خوبصورتی کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔ ان کے چلے جانے سے پہلے پہلے آ جاؤ۔

یہ سن کر وہ لوگ ٹڈی دل کی طرح بھاگے حضرت لوط کے ہاں در آئے اور بدکاری کی بھوک انہیں کھینچے لئے آ رہی تھی۔ اور برائی کا شیطان ان پر سوار تھا۔ اور وہ فسق و فجور اور نافرمانی کے شیطان پر سوار تھے۔ اور وہ حضرت لوطؑ کے دروازے پر کھڑے رالیں ٹپکا رہے تھے۔ اور حضرت لوطؑ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ جو کمینگی کی گاڑی پر سوار تھے۔ اور نہایت بے حیائی سے یہ بدکردار لوگ آپ سے کہنے لگے۔ ہم نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا۔ کہ زیادہ مہمان نہ بلایا کرو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟

آپ نے ایک نبی کے سے سکون اور مردانگی کے ساتھ ان نوجوانوں سے فرمایا۔ هَٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۝ یہ میری قوم کی بیٹیاں نکاح کے لائق ہیں۔ ان میں سے ازدواجی کے لئے چن لو۔

حضرت لوط علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ وہ ان کے اس اندرونی احساس شرافت کو بیدار کریں۔ جو دسیوں سالوں سے ان کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اور انہیں یاد دلائیں کہ اپنی نظروں کو درست سمت میں رکھو۔ اور عورتوں کے ساتھ جائز فطری تعلق قائم کرو۔ جو تمہارے لئے پاک ہیں۔ اور مردوں کے لئے کھیتیوں کی مانند ہیں۔

آپ نے فرمایا ان سے نکاح کرو۔ اور بدکاری کے قریب بھی مت جاؤ۔ اور ہر طریقے سے انہیں یہی بات سمجھانے کی کوشش کی۔ اور ان کے سامنے پاکیزگی اور پاک دامنی کا مفہوم واضح کیا۔ اور پھر نہایت نرمی کے ساتھ انہیں بتایا۔ کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ اور اسی میں تمہاری شرافت کا احیاء ہے۔ جو عرصہ ہوا کہیں مر گئی ہے۔ اور پرہیزگاری کے جذبات ان کے اندر ابھارنے چاہے۔ اور اللہ کے واسطے سے انہیں ڈرایا کہ:

”کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرو“۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۝ (ھود = ۷۸)

اور انہیں اخلاقی طور پر سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ وہ بدمعاش لوگ جو آپ کے گھر کو گھیرے کھڑے تھے۔ انہیں غیرت دلائیں۔ آپ نے سوچا کہ اللہ کرے کہ یہ رات خیریت سے گزر جائے۔ اور یہ لوگ ان قابل احترام مہمانوں کے سامنے کوئی گڑبڑ نہ کریں۔ اور رسوائی کا باعث نہ بن جائیں۔ کیونکہ تو بہر صورت قابل احترام ہیں۔ لہٰذا آپ نے ان سے فرمایا:۔

”اور میرے مہمانوں کے سلسلے میں مجھے رسوا نہ کرو“۔ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۝ (ھود = ۷۸)

یہ سن کر کچھ دیر تک تو وہ خاموش کھڑے رہے۔ اور کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو جب اپنے محسوس کیا کہ نیکی کے لحاظ سے یہ لوگ بالکل کنگال ہیں۔ اور ان کے ضمیر پوری طرح بے حس ہو چکے ہیں۔ تو آپ نے جوش سے فرمایا:۔

”کیا تم میں کوئی بھی شریف آدمی نہیں“۔ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ۝ (ھود = ۷۸)

اور انہیں پھر اس نالائق کام سے روکا۔ لیکن آپ نے یہ محسوس کر لیا۔ کہ ان تلوں میں تیل نہیں

ہے۔اور یہ ہر بھلائی اور خیر سے قلاش ہیں۔اور ان کے ضمیر میں کوئی حسن باقی نہیں رہ گئی۔

اور یہ سب کے سب نہایت بے وقوف عقل کے پورے کند ذہن، فسق و فجور میں ہوشیار اور طاق ہیں۔اور حماقت کے گھوڑے پر سوار اور کمینگی کے طوفانوں میں غرق ہیں۔اس کے بعد قوم نے کیا جواب دیا؟ کیا انہوں نے اپنے پیغمبر کی بات مان لی اور کیا انہوں نے آپ کی نصیحت کا اثر قبول کیا؟ اور کیا ربانی کلمات نے ان کے ضمیروں کو جگایا؟ نہیں نہیں! معلوم ہوتا تھا۔کہ ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔اور وہ بدکاری کئے بغیر رہ نہیں سکیں گے۔کہ ان کے کانوں اور دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

وہ سب بیک زبان بولے، جو ہم کہتے ہیں۔وہ کر کے رہیں گے۔اور اس رذیل کام سے باز نہیں آئیں گے۔بس اسی ضد اور ہٹ دھرمی نے انہیں نار دوزخ کے گہرے گڑھے میں ڈلوایا۔

قوم لوطؑ تکبر اور غرور اختیار کر کے کلی طور پر رشد و ہدایت سے دور ہو گئی۔اور انہوں نے اپنے رذیل ارادے کا برملا اظہار کیا۔اور نہایت ڈھٹائی سے اس پر اصرار کیا۔اور نہایت بے شرمی سے حضرت لوطؑ سے کہنے لگے:۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَّاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ۝ (ہود: ۷۹)

"تمہیں معلوم ہے۔کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں اور ہمارے ارادے کو تم خوب جانتے ہو"۔

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کے رسول سے مخاطب ہو کر اتنا فحش اور بودا کلام کر رہے تھے۔اور خدائے جبار عظیم کے دبدبے سے ذرا نہیں ڈر رہے تھے۔جو دردناک عذاب دینے والا اور بڑی سختی سے مواخذہ کرنے والا ہے۔

بس آخری سہارے کے طور پر حضرت لوطؑ نے بارگاہ جل وعلا کی جانب رجوع کیا۔اور ایک مضبوط ستون کا سہارا لیا۔اور کوئی جماعت اور بڑا قبیلہ نہیں تھا۔جو ان ظالموں کے مقابلے میں آپ کی مدد کرتا۔لہٰذا معاملہ بہت سنگین ہو گیا۔اور ان کو ہٹانا مشکل ہو گیا۔حضرت لوطؑ قوم کو گھر میں آنے سے روک رہے تھے۔اور وہ لوگ اندر درآنے کی کوشش میں دروازہ توڑنا چاہتے تھے۔کہ ان اجنبی مہمانوں نے نہایت نرمی اور شفقت کے ساتھ حضرت لوطؑ سے فرمایا۔کہ آپ ایک طرف ہو جائیں۔اور کسی مضبوط دیوار کے سہارے ایک طرف بیٹھ جائیں۔اور انہوں نے آپ کو بتایا۔

"اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے"۔ يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ (ھود = ۸۱)

اس خطرناک موقع پر انہوں نے آپ کو سمجھایا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فوری مہم پر یہاں آئے ہیں۔ آپ ذرا نہ گھبرائیں۔ ان فاسقوں فاجروں میں سے ایک فرد بھی یہاں اندر تک نہیں پہنچ سکے گا۔

یہ کہہ کر فرشتوں نے اپنے ہاتھ کافروں کی طرف بڑھائے جس سے ان لوگوں کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اور وہ بالکل ہی اندھے ہو گئے۔ قرآن کریم اس منظر کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"اور ان سے ان کے مہمانوں کو لینا چاہا۔ تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو اب میرا عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو"۔ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ (القمر = ۳۷)

تب مہمانوں کی باتیں سن کر حضرت لوطؑ کو سکون و اطمینان ہوا اور فرشتوں نے آپ سے کہا کہ آپ رات کے آخری حصے میں اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔ یہ حکم صرف آپ کے اہل و عیال کے لئے تھا۔ اور ان میں بھی آپ کی بیوی واہلہ شامل نہیں تھی۔ اور فرمایا:۔

"اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے"۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ (ھود = ۸۱)

اور یہ کہ جب عذاب نازل ہو تو آپ اپنے اہل و عیال کی فکر کریں۔ اور اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیں۔ کہ عذاب اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ کیونکہ ظلم و تعدی میں حد سے گزر چکی ہے۔ وہ آپ کے اہل میں شامل نہیں ہے۔ اور حتمی طور پر بتا دیا:۔

"کہ اس کے لئے ہم نے طے کر دیا ہے۔ کہ وہ پیچھے رہ جائے گی"۔ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ (الحجر = ۶۰)

اور فرشتوں نے آپ کو خوشخبری دی کہ یہ سرکش و نافرمان ہلاک ہو جائیں گے۔ فرمایا:۔

"ان کے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے۔ اور کیا صبح کچھ دور ہے"؟ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (ھود = ۸۱)

ہاں پروردگار کی قسم! ان کی صبح قریب لیکن بہت کٹھن اور مشکل ہے۔ آج ان کی آخری رات ہے۔

لہٰذا اسی وقت حضرت لوطؑ اپنے اہل وعیال کے ساتھ تیار ہو گئے۔ تاکہ ان ظالموں کی بستی سے نکل جائیں۔ اور انہوں نے کوشش کی کہ صبح پھوٹنے سے پہلے پہلے اس مقام سے دور ہو جائیں جہاں کے لئے عذاب الٰہی مقدر ہو چکا ہے۔

اور اب ذرا غور فرمائیں کہ یہ سارا کنبہ کیا تھا۔ صرف آپ خود اور آپ کی دو بیٹیاں' ریثا اور رغوثا'' ہاں تو یہ قبیلہ چل پڑا اور وہ بستی سے تھوڑی دور ہی گئے تھے۔ کہ سورج کی شعاعیں زمین پر پڑنے لگیں۔ اور اس کے ساتھ ہی خدائے جبار و قہار نے اپنا فرشتوں کا لشکر بھیج دیا۔ کہ اس اہم کام کو انجام دیں جو ان کے ذمہ لگایا ہے۔ اور اس عذاب کے کئی مراحل تھے۔ جو کچھ یوں ہیں۔

اول: ان بدکاروں کی بستیوں کو اٹھا کر الٹا پٹخ دیا گیا۔

دوم: سورج کی پہلی کرن پھوٹتے ہی آسمان سے ایک زوردار چیخ بلند ہوئی۔

سوم: اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔

اور حضرت لوطؑ کی قوم پوری کی پوری فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اور ان کے ساتھ ہی آپ کی بیوی والہہ بھی اس مقام پر پہنچ گئی۔ جس پر کوئی رشک نہیں کر سکتا۔ یعنی حضرت نوحؑ کی بیوی واعلہ کے ساتھ جہنم کے گڑھے میں اتر گئی۔

الف سدوم کی بستی نیست و نابود ہو گئی۔

ب اور اس بستی کے رہنے والے سب کے سب ملیامیٹ ہو گئے۔

ج حضرت لوطؑ کی بیوی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

د روئے زمین پر کافروں کا کوئی بستا گھر باقی نہیں رہا۔

ان پر کوئی افسوس کرنے والا' زمین و آسمان میں کوئی ان پر رونے والا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ وہ سر زمین جس پر وہ آباد تھے۔ کھارے بدبودار سمندر میں بدل گئی۔ جس میں کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی اور نہ اس کا پانی کسی کام آتا ہے۔ اور نہ اس کے آس پاس کی کوئی چیز کسی کے کام آتی ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے ہاتھ سے ان کے شہروں کو اوپر سے نیچے پٹخ کر ہلاک کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کا نام و نشان دنیا سے اٹھ گیا۔ حضرت لوطؑ عذاب آنے سے پہلے ہی بحکم الٰہی وہاں اپنے اہل وعیال کے نکل چکے تھے۔

اور بس ان کا قصہ نشان عبرت بن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والوں کے لئے باقی رہ گیا۔ اور ان کے مکانوں کے کھنڈر نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے باقی ہیں۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے ہمارے لئے کئی سورتوں بیان کیا ہے:۔

"اور جو لوگ عذاب دردناک سے ڈرتے ہیں ان کے لئے وہاں نشانی چھوڑ دی"۔

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ (الذاریات ٣٧)

سورہ ھود میں اللہ کریم نے ان کا انجام بتاتے ہوئے فرمایا:۔

"تو جب ہمارا حکم آیا' ہم نے اس بستی کو الٹ کر نیچے اوپر کر دیا۔ اور ان پر پتھر کی تہ بہ تہ یعنی درپے کنکریاں برسائیں۔ جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کئے ہوئے تھے۔ اور وہ بستی ان ظالموں کے ہاں سے کچھ دور نہیں"۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝ (ھود ٨٢، ٨٣)

تو یہ تھا قوم لوطؑ کا اخیر اور انجام' اور یہ ہے قصہ ان کافروں کا اور اور آپ کی بیوی والہہ کا کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

حضرت لوطؑ کی بیوی اور قوم کفار کا یہ قصہ زمانہ جاہلیت کے ایک شاعر امیہ بن ابی الصلت نے ان خوبصورت اشعار میں ڈھالا ہے:۔

ثُمَّ لُوطًا اَخَا سَدُوْمٍ اَتَاهَا ... اِذْ اَتَاهَا بِرُشْدِهَا وَهُدَاهَا

رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهِ ثُمَّ قَالُوْا ... قَدْ نَهَيْنَاكَ اَنْ تُقِيْمَ قِرَاهَا

عَرَضَ الشَّيْخُ عِنْدَ ذَاكَ بَنَاتٍ ... كَظِبَاءٍ بِاَجْرَعٍ مَرْعَاهَا

غَضِبَ الْقَوْمُ عِنْدَ ذَاكَ وَقَالُوْا ... اَيُّهَا الشَّيْخُ خِطْبَةً نَاْبَاهَا

اَجْمَعَ الْقَوْمُ اَمْرَهُمْ وَعَجُوْزٌ ... خَيَّبَ اللّٰهُ سَعْيَهَا وَلَحَاهَا

اَرْسَلَ اللّٰهُ عِنْدَ ذَاكَ عَذَابًا ... جَعَلَ الْاَرْضَ سُفْلَهَا اَعْلَاهَا

وَرَمَاهَا بِحَاصِبٍ ثُمَّ طِيْنٍ ... ذِيْ حُرُوْفٍ مُسَوَّمٍ اِذْ رَمَاهَا

پھر سدوم والے حضرت لوطؑ کی قوم کے پاس آئے۔ اور انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی فہمائش کی۔ لیکن انہوں نے آپ کے مہمانوں کے بارے میں برا ارادہ ظاہر کیا۔ اور انہیں کہنے لگے۔ کہ

ہم نے تمہیں مہمانی کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ تو اس موقع پر حضرت لوطؑ نے قوم کی بیٹیوں کے بارے میں انہیں پیش کش کی کہ جائز طور پر ان سے نکاح کا تعلق قائم کرو۔ جو قدرت نے حسین و جمیل تمہارے لئے پیدا کی ہیں۔ تو اس وقت قوم نے غضبناک ہو کر جواب دیا۔ اے بوڑھے! جاؤ ہم تمہاری یہ بات نہیں مانتے۔ لہٰذا وہ برائی پر ڈٹ گئے۔ اور وہ بڑھیا بھی (زوجہ لوطؑ) اور اپنے ارادوں میں ناکام ہو کر تباہ و برباد ہو گئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ عذاب بھیجا کہ ان کی بستیوں کا اوپر والا حصہ پلٹ کر نیچے پٹخ دیا۔ اور اوپر سے پتھروں کی بارش کی۔ اور ہر پتھر پر ایک ایک کافر کا نام کندہ تھا۔

حضرت لوطؑ علیہ السلام کی رہائش:

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ اور ان کے گھر والوں کو اپنے عذاب سے صاف بچا لیا۔ اور آپ کی نافرمان بیوی کفار کے ساتھ ہی عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اور سیدنا لوطؑ سیدنا حضرت خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہر گئے۔ اور آثار اور قرآن بتاتے ہیں پھر حضرت لوطؑ انہی علاقوں میں فریضۂ دعوت سرانجام دیتے رہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے اپنی ''زیارات'' میں علامہ ہروی سے نقل کیا ہے۔ کہ ''یافین'' بستی میں حضرت لوط کا مقام ہے۔ جہاں ''زغر'' سے کوچ کر کے آپ مقیم ہو گئے تھے۔ اسی زغر کا نام بعد کو یافین پڑ گیا۔ کیونکہ جب حضرت لوط سدوم سے چلے آئے اور ایک مقام پر آ کر اپنی نافرمان قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھا تو اس مقام پر آپ سجدے میں پڑ گئے۔ اور فرمایا:

مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچ ہو گیا۔ كَفُرُ الْبِرِيكَ ايْقَنْتُ انَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۝

آثار و تواریخ معلوم ہوتا ہے۔ الخلیل میں ہی حضرت لوطؑ کی وفات ہوئی۔ شیخ نابلسی نے اپنی تاریخ میں حنبلیؒ سے نقل فرمایا ہے۔ کہ حضرت لوطؑ کی قبر مبارک مسجد الخلیل سے تھوڑی دور قصبے میں ہے۔ تقریباً ایک فرسخ دور ہے۔ امام سیوطیؒ نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ کہ حضرت لوطؑ کی قبر شریف قدیم زمانے سے مسلسل زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔ اس کے بارے میں شیخ ابراہیم بن رفاعہ خلیلی نے اپنے دیوان میں فرمایا ہے:۔

وَبِكَفْرُ الْبِرِّ مِنْهُ بُوْرِكَ اَنَّهَا ... قَبْرُ لُوْطِ النَّبِيِّ بِخَيْرِ ارْضٍ طَابِ

فِيْ مَقَامٍ وَجَلِيْعٍ وَرَوْنَقٍ ... نُوْرُهُ سَاطِعٌ بِعِلْمِ الرَّحَابِ

اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ کفر البریک میں حضرت لوط پیغمبر کی قبر مبارک ہے۔ جامع مسجد اور سرائے کے پاس' اور یہ علاقہ آپ کی برکات سے منور رہتا ہے۔ شیخ خلیلیؒ ایک دوسرے قصیدے میں تحریر فرماتے ہیں۔

وَمَشْهَدٌ لِنَبِیِّ لُوطٍ زُرْتُهُ فَبَدَتْ   اَنْوَارُهُ بِيَقِيْنٍ عِنْدَ يَاقِيْنَ

یاقین میں ایک زیارت گاہ ہے۔ جس کے اندر حضرت لوطؑ مدفون ہیں۔ میں نے اس کی زیارت کی ہے۔ ان کے انوار و برکات یقینی طور پر "یاقین" میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شیخ عبدالغنی نابلسی نے ایک قصیدے میں خلیل کے قریب بیت المقدس کے نواح میں حمرون کے مقام پر حضرت لوطؑ اور ان کی بیٹیوں کے مزارات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس میں سے ہم چند اشعار کا انتخاب پیش کرتے ہیں:۔

مَقَامُ لُوْطٍ نَبِيِّ اللّٰهِ مَعْمُوْرٌ   فِيْ اَرْضِ حَبْرُوْنَ بِالْخَيْرَاتِ مَغْمُوْرٌ

فِيْ قَرْيَةٍ سُمِّيَتْ كَفْرَ الْبُرَيْكِ سَمَتْ   بِمَنْ بِهَا مَعَ مَنْ دَانَاهُ مَقْبُوْرٌ

بَنَاتُ سَيِّدِنَا الْلُوْطِ هُنَاكَ وَقَدْ   زُرْنَا لَهُمْ مَشْهَدًا مِنْ دُرِّنِهِ سُوْرٌ

هُمْ اٰلُ يَاقِيْنَ لَازَالَتْ فَضَا عَلُهُمْ   تَسْمُوْ وَمِنْهُمْ عَلَيْنَا يَشْرَقُ النُّوْرُ

وَبِالْيَاقِيْنَ تُسَمِّي النَّاسُ مَسْجِدَهُمْ   مَنْ زَارَهُمْ بِالْاَنْوَارِ مَسْرُوْرٌ

حضرت لوط پیغمبر کا مزار مبارک رحمتوں سے بھرپور ہے۔ اور ارض جدوں میں خیر و برکات کا نزول عام ہے۔ اور مزار مبارک کفرابریک نامی بستی میں ہے۔ جہاں اور بزرگ بھی مدفون ہیں۔ وہیں آپ کی دو بیٹیاں بھی مدفون ہیں۔ ہم ان کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ یہ اہل یاقین بزرگ ہیں جن کے فضائل دن رات ترقی پذیر ہیں۔ اور ان کے پاکیزہ وجود سے انوار و تجلیات ہمارے لئے روشنی پھیلاتے ہیں۔ اور یاقین میں ایک مسجد ہے جو حضرت لوطؑ کے نام سے موسوم ہے۔ اور جو ان کی زیارہ کرتا ہے۔ روحانی انوار سے خوشی محسوس کرتا ہے۔ اسی پر ہم اس پاکیزہ ذکر کو ختم کرتے ہیں۔ اور اپنی زبان سے اپنے کانوں کو ان بابرکت کلمات سے شیر کرتے ہیں۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ آل عمران ۱۹۲۔۱۹۳۔

صدق اللّٰہ العظیم ○

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ محترمہ

اللہ تعالیٰ اپنوں کو ضائع نہیں کرتا:

جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کے محترم گھر کے پاس آباد کرنا چاہا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے چند چیزوں کی دعا مانگی۔ اور یہ بھی استدعا کی کہ اللہ ان باتوں کو شرف قبولیت بخشے۔ اور اللہ کریم وہ ہے جو ہر مجبور و بے سہارا کی دعا قبول فرماتا ہے۔

1- اللہ تعالیٰ سے آپ نے امن کی نعمت طلب کی۔ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بھلائیوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ کہ دین و دنیا کا کوئی کام امن کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔

2- یہ دعا فرمائی کہ ہمیں اپنی توحید پر قائم رکھے اور شرک سے محفوظ رکھے۔ امن اور توحید یہ دو وصف ایسے ہیں۔ جن پر چل کر ہی انسان عبادت کے اس راستہ پر چل سکتا ہے۔ جو اسے جنت نعیم تک پہنچا سکتا ہے۔

3- اور حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے تیسری یہ دعا فرمائی۔ کہ لوگوں کے دلوں کو اپنے کے اس قدیم گھر کی طرف مائل کر دے اور وہ بیت اللہ شریف سے محبت کریں۔ اور آپ نے اپنی محبوب ترین چیزیں اپنا نورائیدہ بچہ اور اپنی پیاری بیوی ہاجرہ اس گھر کے پاس چھوڑ دیں۔ اور یہ سب کچھ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اشارے اور حکم سے کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا پڑتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی کے ذریعہ سے فرمایا۔ کہ اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیلؑ کو ساتھ لو۔ اور انہیں اس جگہ چھوڑ آؤ۔ جو میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور تو بہ و استغفار میں مصروف ہو گئے۔ اور اپنی بیوی ہاجرہ اور دودھ پیتے بچے کو لیکر اس سرزمین کی طرف چل پڑے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ کہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ پاکیزہ حصہ کہلائے۔ اور وہ لوگوں کے اجر و ثواب حاصل کرنے ذریعہ اور جائے امن ہو۔

اور یہ غیر آباد اور ویران وادی جس میں سبزہ اور پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہاں پر جانے کا حضرت ابراہیمؑ کو اوپر سے ربانی امر صادر ہوا تھا۔ لہذا آپ بیوی بچے کو لیکر وہاں آئے۔ اور کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر اپنے مالک و مختار کا حکم مان کر انہیں وہاں چھوڑ آئے۔ اور اللہ

تعالیٰ سے دعا کی:۔

"اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس لابسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تا کہ یہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔ اور ان کو روزی دے۔ تا کہ وہ شکر گزاری کریں"۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ (ابراهيم: ۳۷)

دیکھئے کتنی خوبصورت ہے یہ دعا۔ اور کتنی مکمل اور فائدے مند بھی، جس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ اس میں نماز کی پابندی کا ذکر ہے۔ جو بندے کو خدا سے ملاتی ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قدیم گھر کی محبت کا ذکر ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے چنا ہے۔ کہ اس میں وہ اپنے شعائر اور احکام عبادت پورے کریں۔ اور اس میں رزق کی دعا کی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ وادی ایک خالی چٹیل میدان ہے جہاں سبزہ پانی نہیں وہاں رزق کیسا؟ اور پھلوں کا کیا مذکور علامہ زمخشریؒ اپنی تفسیر میں اس قول کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"کہ انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما"۔ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ ۝

اور باوجود اس ویران اور بے آباد وادی میں رہنے کے دور دراز شہروں سے ان کے لئے رزق اکٹھا کر دے۔ تا کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

تو یقیناً اللہ کریم نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ کہ بیت اللہ شریف کو مرکز امن بنا دیا۔ اور ہر قسم کا رزق معہ ہر قسم کے پھلوں کے اللہ تعالیٰ کے بنائے کارخانے سے اس پاک مرکز (مکہ مکرمہ) کو چلا آتا ہے۔ اور اس کی برکت سے پورے ملک میں ہر وقت میسر ہوتا ہے۔ اور ہر ملک اور ہر موسم کا پھل اور دوسری چیزیں وہاں ہر وقت موجود ملتی ہیں۔ جو چیز بھی چاہے مشرق میں ہو چاہے مغرب میں۔ یہ تجربہ خداوندی ہے۔ کہ آپ دیکھیں گے کہ ہر چیز اس مرکز امن میں موجود ہے۔ مختلف زمانوں اور موسموں ملکوں شہروں کی تازہ سبزیاں اور پھل وہاں ایک وقت میں میسر ہو جاتے ہیں۔ "یا للعجب" کیا یہ چیز اللہ تعالیٰ کے عجائبات سے نہیں ہے؟۔

بی بی ہاجرہؓ:

اب حضرت ہاجرہؓ نے دیکھا تو ہر طرف ریت کا سمندر پھیلا ہوا ہے۔اور اس علاقے میں جن وانسان قسم کی کوئی مخلوق نہیں ہے۔آپ حیران و پریشان کھڑی ہیں۔اور سب سے پہلی بات جو ان کی زبان سے نکلتی ہے یہ "لَا یُضَیِّعُنَا اللّٰہُ لَا یُضَیِّعُنَا اللّٰہُ"اللہ کریم ہمیں ضائع نہیں کرے گا'اللہ کریم ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

مکہ کی سرزمین پر سکوت طاری تھا۔اور ہر چیز ساکن تھی۔اور ماحول پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔اور سوائے دودھ پیتے بچے کی حرکت کے کوئی حرکت نہیں تھی۔اور یا ممتا کے جذبات شفقت و محبت تھے۔جو ماں کے دل میں اٹھ رہے تھے۔اور ان کے دل میں ماضی کی یادیں تھیں۔اور بیت المقدس میں نبی اللہ کے گھر میں گزری زندگی کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا تھا۔

انہی خیالوں میں تھیں کہ دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیل کی آواز پر چونکیں۔انہیں دودھ پلایا۔پھر کچھ کھجوریں تناول فرمائیں۔اور مشکیزے سے پانی پیا۔لیکن کب تک؟ پانی اور کھجوروں کا یہ ذخیرہ بھی ختم ہو گیا۔اور انہیں خود اور ان کے بچے کو پیاس نے ستایا۔اور بچہ زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر چیخنے چلانے لگا۔تو حضرت ہاجرہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھیں اور تیزی سے چل کر کوہ صفا پر چڑھ گئیں۔کہ پیاس کی شدت سے بچنے کا کوئی انتظام ہو جائے۔لیکن وہاں کچھ نہ ملا۔پھر آپ کوہ صفا سے اتر کر کوہ مروہ کی طرف دوڑیں۔اور اوپر گئیں تو وہاں بھی کچھ نہ ملا۔پھر اسی طرح دوڑتے ہوئے آپ نے صفا مروہ کے سات چکر لگائے۔اور اس بات پر اندوہگین ہو گئیں۔کہ انہیں پیاس کی المناکی سے بچانے والا کوئی نہ ملا۔

جب پیاس کی شدت انتہا کو پہنچ گئی اور دل حلق کو آنے لگے۔تو الٰہی مدد آ گئی۔کہ آپ نے اپنے بیٹے کے پہلو میں کوئی آواز سنی۔آپ نے دیکھا کہ بچے کے قدموں کے پاس پانی نکل کر بہہ رہا ہے۔تو آپ دوڑ کر پانی کی طرف گئیں۔اور خوش ہو کر مشکیزے میں پانی بھرنے اور پانی کے ارد گرد ناند بنانے لگیں۔تاکہ پانی جھلکتی ہوئی ریت کے اندر گم نہ ہو جائے۔اس پر حضرت ہاجرہ نے دل میں بہت ہی خوشی محسوس کی۔اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح پڑھنے لگیں۔اور آپ نے بیٹے کی طرف جو نظر کی تو اس کے ننھے سے منہ سے لا الہ الا اللہ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ زمزم کے پانی سے سیراب ہو چکا تھا۔

اور اس پاکیزہ پانی کے پاس اللہ تعالیٰ کا ایک مقرب فرشتہ صاف زبان سے حضرت ہاجرہ کو خوشخبری دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یہاں ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کا قابل احترام قدیم گھر ہے۔ جسے یہ بچہ اور اس کے والد نئے سرے سے بنائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اور حضرت ہاجرہ نے اپنے دل میں دہرایا۔ ہاں مجھے پروردگار کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنوں کو ضائع نہیں کرتا۔ پھر آپ نے فرشتے سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیر کی خوشخبری دے۔

کیا ہم آپ کے پاس ٹھہر جائیں؟:

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل عرصہ تک آب زمزم سے سیراب ہوتے رہے۔ اور ان کی زندگی اس مبارک خطے میں اس طرح آگے بڑھ رہی تھی' جیسے کوئی بیماری سے صحت کی طرف رواں دواں ہو۔ اور پرندے بھی پانی کے آس پاس گھومتے رہتے اور اپنی پیاس بجھاتے۔ اور خوشی سے فضائے آسمان پر چہچہاتے رہتے۔ ایک دن حضرت ہاجرہ کے پاس سے قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ گزرا۔ اور یہ قبیلہ مکہ کے قریب اس وادی میں ہی رہتا تھا۔ جب انہوں نے وہاں پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھا۔ تو حیران ہو کر کہنے لگے کہ پرندے تو پانی کے آس پاس ہی اڑتے ہیں۔ اور اس بات کا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ یہاں پانی ہو سکتا ہے۔ اور ہم نے تو کبھی یہاں پانی نہیں دیکھا اور انہوں نے اپنے ایک آدمی کو یہ معاملہ معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کہ وہ ٹھیک ٹھیک معلوم کر کے آئے۔ اس طرح وہ چشمے پر آیا تو اس نے چشمے کے پاس ایک عورت اور اس کے بچے کو دیکھا۔ اس شخص نے آگے بڑھ حضرت ہاجرہ سے کہا۔ کہ آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم یہاں آپ کے ہاں رہ پڑیں۔

حضرت ہاجرہ نے کشادہ دلی سے سوچ بچار کر کے فرمایا۔ ہاں ضرور! لیکن میری ایک شرط ہے۔ اس شخص نے پوچھا وہ کیا ہے۔؟

آپ نے فرمایا کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ پانی کا یہ چشمہ اللہ کریم نے مجھے اور میرے بیٹے کو عطا فرمایا ہے۔

تو اس آدمی نے جو دیکھا واپس جا کر اپنی قوم کے گوش گزار کر دیا۔ اور خاتون نے اسے جو شرط بتائی تھی۔ کہ آب زمزم پر ہمارا حق ہوگا۔ وہ اس نے منظور کر لی۔

لہٰذا قبیلہ جرہم کے لوگ مرد عورتیں بچے سب کے سب یہیں وادی میں آ کر بس گئے۔ اور اپنی ڈھور ڈنگر بھی لے آئے۔ پھر اور بھی بہت سے لوگ اپنے بال بچوں وسمیت وہاں آ گئے اور انہوں نے وہاں اپنے مکانات بنا لیے۔ نئے سورج کے ساتھ ہی ایک نئی زندگی نے اس ویران علاقے میں جنم لیا۔ اور چشمہ زمزم پھوٹنے کے ساتھ ہی اس علاقے میں زندگی کی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ اور علاقہ بارونق ہو گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا قبول فرمالی۔ اور لوگوں کے دل اس مبارک مقام کی طرف مائل ہو گئے۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بابرکت گھر کے پاس رہنے لگے۔

باحوصلہ جوان:

حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلہ جرہم ہی میں رہ کر جوان ہوئے۔ حوصلہ مندی اور اصلاح کی تمام خوبیاں آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلے سے کی ہوئی دعا کا اثر ظاہر ہوا۔ کہ آپ نے دعا فرمائی تھی کہ:

اے میرے پروردگار مجھے ایک صالح بیٹا عنایت کیجو۔ تو ہم نے انہیں ایک حوصلہ مند لڑکے کی خوشخبری دی۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝
﴿الصافات ۱۰۰۔۱۰۱﴾

اس آیت کے بارے میں حضرت ابو سعود رحمۃ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین بشارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی ہیں۔ کہ نمبر 1 وہ بیٹا ہوگا۔ نمبر 2 جوان ہوگا۔ نمبر 3 حوصلہ مند ہوگا۔ اور چھوٹے سے بچے میں عام طور پر یہ اوصاف نہیں ہوتے۔

اور اس سے بڑھ کر حوصلہ مندی اور کیا ہوگی۔ کہ جب آپ کے والد محترم نے آپ کے سامنے ذبح کرنے کا معاملہ پیش کیا۔ تو آپ نے عرض کیا کہ:

''ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے۔ وہی کیجئے' اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں سے پائیں گے''

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
﴿الصافات: ۱۰۲﴾

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ اور آپ کو ایک حوصلہ مند بیٹا

عطا فرمایا۔ اور اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ نبوت کی گود میں پروان چڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں بیت اللہ شریف کے سائے میں انسانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ ابتداء بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ کے انوار و برکات کا آپ پر غلبہ تھا۔ اور کڑے امتحانوں سے گزر کر کامران و بامراد ہوئے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے مبارک قدموں سے زم زم کا چشمہ جاری فرمایا۔ جس سے آپ خود بھی سیراب ہوئے اور آپ کی والدہ محترمہ نے بھی تازگی پائی۔ اور جب چلنے پھرنے لگے اور نوجوانی کو پہنچے تو ایک دوسری برکت کا ظہور ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں باپ بیٹوں کو ایک کٹھن امتحان سے گزار کر کندن بنا دیا۔ اور عنایت الٰہی سے دونوں باپ بیٹا اس آزمائش پر پورے اترے۔ اور یہ امتحان اس دن ہوا جس دن آپ کے والد ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے فرمایا۔

يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ

"بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ گویا تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے"؟

﴿سورہ الصافات ۱۰۲﴾

تو آپ نے والد محترم کو جواب میں عرض کیا۔ کہ ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے۔ وہ آپ کر گزریں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔ دونوں باپ بیٹوں کا منتہائے مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تھی۔ اور وہ اسی کی رضا حاصل کرنے کے لئے امتحانات میں صبر کر کے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ اور صبر کا میدان حصول فضائل میں بڑا وسیع و عظیم ہے۔ اسی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اعلیٰ مراتب حاصل کئے۔ اور سچائی کا تمغہ خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے پایا کہ خود مالک و مختار جل سانہ نے قرآن کریم میں اعلان فرمایا:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝

"اور کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کرو۔ وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے"۔

﴿مریم :۵۴﴾

گھر کی چوکھٹ بدل دو:

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ کی نگرانی میں پل کر پروان چڑھے۔ جنہوں نے آپ کو اعلیٰ اخلاق اور خصائل حمیدہ سے سنوارا۔ کہ قبیلہ جرہم میں یکتائے زمانہ شمار ہونے لگے۔ اور اپنی حوصلہ مندی

اور ہمت مردانہ کی بنا پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اور پوری طرح جوان ہو گئے۔ اور قبیلہ جرہم میں عربی تعلیم حاصل کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی فصیح و بلیغ خالص عربی زبان تعلیم فرمائی۔ قبیلہ جرہم نے آپ کی نفاست اور پاکیزگی کو دیکھ کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنا داماد بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ لہٰذا آپ نے ایک لڑکی صدی بنت سعد کو دیکھ کر اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ جس پر اس کے باپ نے اپنی لڑکی صدی کو آپ کی زوجگی میں دے دیا۔

قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد کی یہ بیٹی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مزاج شناس نہیں تھی۔ اور نہ ہی وہ آپ کے مقام و مرتبے کو جانتی تھی۔۔ بس عام سی سادہ زندگی گزارنا جانتی تھی۔ اور نہ ہی وہ آپ کی ہمراہی میں مشکلات برداشت کرنے کی اہل تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ملنے تشریف لائے اور وہ ہر ماہ اپنے بیٹے کو ملنے کو آیا کرتے تھے۔ اور اس مرتبہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد پہلی مرتبہ تشریف لائے تھے۔ اور اس دن اتفاق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کرنے گئے ہوئے تھے۔ اور آپ کی بیوی صدی بنت سعد گھر میں اکیلی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازے کے سامنے آ کر کہا...... گھر والو! السلام علیکم...... اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَـٰٓأَهْلَ الْبَيْتِ ط معلوم ہوتا ہے۔ کہ صدی نے آپ کو روکھا سا جواب دیا اور بڑی ترشروئی سے آپ کو دیکھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا۔ اسماعیل علیہ السلام کہاں ہیں۔؟

صدی نے جواب دیا۔ کہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھیڑ بکریاں چرانے جاتے تھے۔ اور ساتھ ہی اپنی کمان کندھے پر ڈال کر جاتے۔ اور شکار بھی کر لاتے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ کی زیادہ تر گزران شکار پر ہی تھی۔ لہٰذا آپ اکثر شکار کے لئے جایا کرتے تھے۔ تھوڑی دیر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے۔ پھر پوچھا کہ تمہارے پاس ٹھہرنے کی کوئی جگہ ہے؟ تو اس نے سختی سے جواب دیا بالکل نہیں۔

پھر آپ نے صدی سے گھر کے گزارے کے بارے میں پوچھا۔ کہ کھانے کو کچھ مل سکتا ہے؟۔ تو اس نے نہایت روکھائی سے جواب دیا۔ کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے۔ اور بکریاں بھی کوئی زیادہ دودھ نہیں دیتیں۔ تو اس طرح کفران نعمت کر کے اس نے آپ سے گھر کی بدحالی اور تنگی کا ذکر کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی بہت کٹھور اور بد تمیز ہے۔ اور ایسی صالح اولاد پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کا بوجھ اٹھا سکے۔

یہ سوچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے زبانی پیغام چھوڑا۔ اور صدی سے کہا۔ کہ جب تمہارے شوہر اسماعیل علیہ السلام گھر آئیں تو میرا اسلام کہنا۔ اور انہیں کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔

یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقام کو روانہ ہو گئے۔ جہاں وہ پیغام ربانی پہنچایا کرتے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے۔ تو انہوں نے محبت کی ایک خاص خوشبو محسوس کی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشبو تھی۔ آپ نے بیوی سے پوچھا۔ کہ آج کوئی آیا تھا؟ تو اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ کہ ہاں ایک بوڑھے سے آدمی آئے تھے۔ اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ سو میں نے بتا دیا۔ کہ شکار کرنے گئے ہیں۔

اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس سے سوال کیا۔ کہ انہوں کسی اور بات کا بھی پوچھا تھا؟ بیوی کہنے لگی بوڑھے نے مجھ سے ہماری زندگی اور گزران کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔ آپ نے نے پوچھا پھر تم نے کیا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ نہایت مشکل سے اور تنگی کے ساتھ وقت گزر رہا ہے۔

بیوی سے یہ باتیں سن کر اور والد صاحب سے اس کی بدسلوکی اور کنجوسی دیکھ کر آپ بہت ملول ہوئے۔ کیونکہ وہ خود اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مہمانوں کی مہمان نوازی اور خدمت کے بہت عادی اور خوگر تھے۔ اور الہام ربانی کے ذریعے اس سے پوچھا کہ بزرگوں نے کچھ اور کہا تھا۔ کہنے لگی ہاں کہا تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کو میرا سلام کہنا اور آپ کے لئے کہا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ میرے محترم والد تھے۔ اور مجھے حکم دے گئے ہیں۔ کہ میں تمہیں الگ کردوں۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا۔ جاؤ اپنے گھر چلی جاؤ۔ اور اسے طلاق دے کر اپنے والد محترم کے حکم کی تعمیل کی۔

آپ کی بیوی رعلة:

صدی سے مفارقت کے کچھ عرصے کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ضرورت محسوس ہوئی

کہ وہ ایک پرہیز گار خدا کا خوف رکھنے والی بیوی گھر میں لائیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر مکمل ایمان رکھتی ہو۔ اور دکھ درد میں ان کی ساتھی ہو۔ اور ایک ایسی عورت کی تلاش میں رہے جو دنیا کے عیش و آرام کو تج کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کا ساتھ نباہ کر سکے۔ اور جسے دنیا کی زیب و زینت کے مقابلے میں آخرت کی لگن ہو۔

حتیٰ کہ آپ کو ان صفات سے موصوف قبیلہ جرہم میں سے ہی نیک خاتون مل گئیں۔ جن کا اسم گرامی رعلہ بنت مضاض تھا۔ لہٰذا آپ نے ان کے والد کو رعلہ کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا۔ ان کے والد نے آپ کا پیغام قبول کر کے اپنی بیٹی رعلہ کا نکاح حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کر دیا۔

اس طرح حضرت بی بی رعلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی بن کر آپ کے گھر آ گئیں۔ اور ایسا مبارک شوہر ملنے پر اسے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوئیں۔ اور انہوں نے شوہر کی خیر و برکات کو پہلے دن ہی محسوس کر لیا تھا۔ رعلہ خاتون پکی مومنہ تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل شدہ پاک صحیفوں پر مکمل ایمان رکھتی تھیں۔ جن میں انسانوں کے لئے صحیح دستور زندگی کا بیان تھا۔ اور اپنے شوہر کے پاکیزہ اخلاق سے انہوں نے خوب استفادہ کیا تھا۔ اور وہ اخلاق و ملنساری میں ان عورتوں کے لئے نمونہ بن گئی تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی تلاش رہتی ہے۔

وہ تسبیح و تحمید کے اذکار کو اپنے لئے سعادت خیال کرتیں۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا تھا۔ اور دین کی باتوں کو خوب سمجھتی تھیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں۔ اور بابرکت زندگی گزارتیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام عرصہ تک مکہ مکرمہ سے دور ہونے کی وجہ سے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بہو رعلہ سے جدا رہے۔ پھر آپ ایک دن اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے تشریف لائے تو حسب سابق بیٹے سے ملاقات نہ ہو سکی۔ گھر میں آپ کی بہو رعلہ تھیں۔ آپ نے دروازے پر آ کر کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ اَهْلَ الْبَيْتِ اے گھر والو! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی رعلہ نے وعلیکم السلام کہا۔ پھر آپ کو خوش آمدید کہا۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ ہمیں غریب خانہ پر تشریف رکھنے کی سعادت بخشیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کہاں ہیں تو انہوں نے نہایت ادب اور حیا سے جواب میں عرض کیا۔ کہ وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی زمین سے رزق حاصل کرنے کو نکلے ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ

تمہاری گزران کیسے ہو رہی ہے۔ تو رعلہ نے عرض کیا:۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ ہم بہت آرام سے گزر بسر کر رہے ہیں آپ تشریف رکھیں۔ کچھ کھا پی لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا بہت کچھ ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رعلہ سے پوچھا کہ کھانے میں کیا ہے؟۔ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا۔ الحمد للہ گوشت ہے۔ پوچھا کہ پینے کے لئے کیا ہے۔ عرض کیا۔ الحمد للہ' دودھ اور پانی موجود ہے۔

پھر آپ نے پوچھا کہ کچھ غلہ گندم کا انتظام بھی ہے؟۔ تو اس پرسکون مومنہ نے جواب دیا۔ وہ بھی انشاء اللہ ہو جائے گا۔ اب تو آرام سے گزر رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی بیوی سے یہ باتیں سن کر بہت مسرور ہوئے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرنے والی اور اپنے شوہر کی قدر کرنے والی پایا۔

اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دعا فرمائی:۔

"اے اللہ کریم! ان کے کھانے اور پینے میں برکت عطاء فرما"۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِیْ طَعَامِھِمْ وَشَرَابِھِمْ

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی بیوی سے فرمایا۔ جب تمہارے شوہر آئیں۔ تو انہیں میرا اسلام کہنا۔ اور میری طرف سے انہیں حکم دینا۔ کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں۔ کہ گھر کی بہتری اسی میں ہے۔ یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس کو لوٹ گئے۔ اور وہ اپنے بیٹے اور بہو کے بارے میں مطمئن تھے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس لوٹے۔ تو اپنے پیارے والد کی خوشبو محسوس کر کے بیوی سے پوچھا۔ کہ کیا کوئی آیا تھا۔ بیوی نے جواب دیا۔ کہ ہاں آج ہمارے ہاں ایک خوش چہرہ بزرگ تشریف لائے تھے۔ جن کے جسم سے خوشبو آ رہی تھی۔ چہرہ پر جلال و جمال تھا۔ شیریں گفتگو اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ ان کی ذات گرامی میں سکون' وقار اور بزرگی جھلکتی نظر آتی تھی۔ ان محترم بزرگ نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ تو میں نے آپ کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اور پھر ہماری بسر اوقات کے بارے میں سوال کیا تھا۔ تو میں نے ان سے عرض کر دیا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھی گزر بسر کر رہے ہیں تو انہوں نے ہمارے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ انہوں نے کوئی نصیحت بھی فرمائی تھی۔؟ رعلہ نے

جواب دیا۔ ہاں! وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔ اور آپ کو حکم دیا ہے۔ کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں۔

اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا۔ یہ میرے والد محترم تھے۔ اور وہ چوکھٹ تم ہو جس کے بارے میں میرے والد صاحب نے حکم دیا ہے کہ اسے زندگی بھر ساتھ رکھنا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کا واقعہ احادیث میں:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کا ذکر قرآن مجید میں تو نہیں۔ البتہ احادیث مطہرہ کی متعدد کتب میں موجود ہے۔ اور خاص صحیح بخاری میں تو بہت تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ موجود ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل واقعہ کے سلسلے میں حضرت ہاجرہ کی مکہ مکرمہ میں سکونت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور وہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دونوں بیویوں کا مذکور ہے۔ حدیث پاک میں مذکور ہے۔ کہ جب بنی جرہم چشمہ زم زم کے قریب آ کر ٹھہرے تو انہوں نے بی بی ہاجرہ سے ان کے پڑوس میں رہنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں وہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔

صحیح بخاری میں واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تفصیل:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ پہلے قبیلہ جرہم سے کچھ لوگ چشمہ زم زم کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت ہاجرہ سے وہاں رہنے کی اجازت طلب کی اجازت ملنے پر ان لوگوں نے اپنے تمام اہل وعیال کو وہیں بلالیا۔ اور سب وہیں مستقل رہنے لگے۔ اور بی بی ہاجرہ کے ساتھ خاندان کی طرح ہو گئے۔ بی بی ہاجرہ کا بیٹا جوان ہوا۔ اور ان ہی لوگوں سے اس نے عربی سیکھی۔ اور جوان ہو کر بہت ہی نفیس اور حیران کن اوصاف کے حامل ہو گئے۔ اور قبیلہ کی ایک عورت سے شادی کر دی گئی۔ پھر آپ کی والدہ بی بی ہاجرہ فوت ہو گئیں۔ اور آپ کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور اول پہلی بیوی سے ان کے حالات پوچھے..... بس وہی تفصیل جو پہلے ذکر ہو چکی بخاری شریف میں ہے۔

محبت کرنے والی اور صاحب اولاد کثیر بیوی:

آپ کی بیوی حضرت رعلہ بنت مضاض قبیلے کی تمام عورتوں سے زیادہ دین دار اور پاک باز

تھیں۔ان کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برکت کی دعا فرمائی تھی۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بہت برکت دی۔لہٰذا یہ نہایت محبت شعار اور کثیر صالح اولاد کی ماں بنیں۔مورخین نے لکھا ہے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام سے آپ کے ہاں بارہ بیٹے تولد ہوئے۔جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔سب سے بڑے نابت تھے پھر قیدا' اربل' مخشا' مسمع' ماشی' دوما' اور علیما' میطلور' انبشا' قیدما' ان سب کی والدہ محترمہ یہی رعلہ جرہمی تھیں۔مورخین نے یہ بھی لکھا ہے۔کہ ان بارہ بیٹوں کے علاوہ آپ کی بیٹی بھی تھی۔جن کا نام نسمہ بنت اسماعیل علیہ السلام تھا۔اور تاریخوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان کی شادی ان کے چچازاد حضرت عیصو بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام سے کر دی تھی۔

لہٰذا رعلہ خاتون سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔جن سے کئی قبائل عرب بن گئے۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کو ہر طرف پھیلا دیا۔جو سب عربی بولتے تھے۔اور عربی بولنے والے یہ عرب اکثر قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔اسی لئے آپ ابوالعرب کہلائے جاتے ہیں۔لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو اللہ کریم نے برکت دی۔

امام فاسی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے آپ کی اولاد مکہ مکرمہ میں پھلی پھولی اور پھر پورے عرب میں اور پھر پورے عالم میں پھیل گئی۔اور دنیا میں انہوں نے کسب و کمال کی راہیں خود نکال لیں۔اور یہ لوگ جہاں بھی جاتے اپنے دین مذہب کی بناء پر دوسروں پر غلبہ پا لیتے۔

اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی رعلہ نے مکہ مکرمہ میں قابل تعریف زندگی گزاری اور آپ زم زم کے پاس ایک صاف ستھرا گھر بنایا۔اور اس مبارک وادی کو اپنے ذاتی اخلاق و خصائل سے جنت نظیر بنا دیا۔اور اللہ تعالیٰ کے نورانی راستے پر چل کر مومنانہ مقدس زندگی بسر کی۔رعلہ نے مکہ مکرمہ میں بڑی پر مسرت بسر گزر کی اور اپنی اولاد میں سے کتنوں ہی کو مکہ کے سردار و اشراف بنتے دیکھا۔جو اپنے قبیلے میں بڑے زور آور اور بڑے جاہ و جلال کے مالک تھے۔

اور خود بی بی رعلہ مکہ مکرمہ کی ایک با اختیار خاتون تھیں۔جن کا دھیان ہر وقت بیت اللہ شریف کے انتظام و انصرام کی طرف رہتا تھا۔جسے ان کے شوہر نے اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ

السلام کے ساتھ مل کر تعمیر کیا تھا۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا سے کبھی غافل نہیں رہتی تھیں۔ جو انہوں تعمیر بیت اللہ کے موقع پر بارگاہ الٰہی میں کی تھی۔ وہ دعا قرآن کریم میں یوں مذکور ہے:۔

''اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا۔ جاننے والا ہے۔ پروردگار ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو۔ اور ہمیں ہمارے طریق عبادت بتائیں اور ہمارے حال پر توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے پروردگار ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمائیو۔ جو انہیں تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں۔ اور کتاب اور دانائی سکھایا کریں۔ اور ان کو پاک وصاف کیا کریں۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے''۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

﴿البقرہ: ۱۲۸، ۱۲۹﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان کی ذریت کے بارے میں منظور ہو گئی۔ اور پورے عرب میں آپ کی ذریت کو فروغ حاصل ہوا۔ اور آپ کی ذریت حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بی بی رعلہ سے ہی پھیلی اور یہی ذریت اسماعیل علیہ السلام سے جسے درود ابراہیمی علیہ السلام میں آل ابراہیم کہا گیا ہے۔ اور اسی پاک ذریت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مطابق نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔ جس کا ذکر آیت بالا میں موجود ہے۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے روایت ہے۔ کہ کچھ صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں کچھ اپنی ذات گرامی کے بارے میں بتائیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری کا ثمرہ ہوں''۔

أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبُشْرَى عِيسَى

تفسیر قرطبی ﴿۲/ ۱۳۱﴾

حضرت رعلہ خاتون کی وفات:

حضرت رعلہ بہت خیر خواہ فلاحی کام کرنے والی اور عبادت گزار تھیں۔اور وہ سمجھتی تھیں۔کہ وہ ایک ذمہ دار پیغمبر کی بیوی ہیں۔جنہیں اللہ تعالٰی نے اپنے دین کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔اور وہ اس خدائے جبار و قہار کی توحید پھیلانے آئے ہیں۔جو ساری کائنات کا بادشاہ ہے اور رعلہ خاتون نے اسی بیت اللہ کے سایہ میں جان جاں آفرین کے سپرد کی۔آپ راضی برضا رہنے والی اللہ تعالٰی کی نعمتوں کی شکر گزار خاتون تھیں۔اسی مکہ کی فضاؤں میں اپنے انوار و برکات بکھیر کر علیین کو روانہ ہو گئیں۔اور نیک روحوں کے ساتھ جا ملیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی رعلہ نے روئے زمین کی عورتوں کے لئے پاک کریمانہ زندگی کے انمٹ نشان چھوڑے ہیں۔جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔اور نیکیوں کے میدان میں آپ اس لائق ہیں کہ دنیا کی عورتیں آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔

اللہ تعالٰی رعلہ خاتون سے راضی ہو اور آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

آمین

حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ راحیل علیہ السلام

زوجہ مکرمہ:

انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کی حیات مقدسہ میں ایک ایسی قابل احترام خاتون کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ کہ صبر کی بزرگی میں انہیں دوسری عورتوں پر ایک امتیازی برتری حاصل ہوئی ہے۔ اور یہ خاتون ایک عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہیں۔ جن کے دادا حضرت خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام اور دادی حضرت سارہ کو خدائے رحمٰن کے فرشتوں نے خوشخبری دی تھی۔

یہاں اس مقام پر جن محترم پیغمبر کی زوجہ محترمہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وہ نبی ابن نبی ابن نبی حضرت یعقوب علیہ السلام ابن اسحاق علیہ السلام ابن ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں۔ جن کی خدائے کریم نے اپنے ذکر حکیم میں کئی جگہ بار بار مدح سرائی کی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

"اور ہم نے ان کو حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب بخشے۔ اور سب کو ہدایت نصیب فرمائی"

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا ۝ ﴿الانعام ۸۴﴾

اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر ان کی تعریف فرمائی ہے۔ فرمان گرامی ہے:۔

"اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام عطا کئے۔ اور مزید بر اں یعقوب علیہ السلام۔ اور سب کو نیک بخت بنایا۔ اور ان کو پیش بنایا۔ کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے"۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِينَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا ﴿الانبیاء : ۷۲﴾

نیز فرمایا:

"اور ہمارے بندوں ابراہیم علیہ السلام اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کو یاد کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص کھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا۔ اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے"۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ○ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ○ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ○

﴿ص ۵ ۴۵، ۴۷﴾

اور اللہ تعالٰی نے قرآن کریم کی مشہور سورت سورۃ یوسف میں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔ اور حدیث شریف میں اللہ تعالٰی کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا وصف اس طرح بیان فرمایا ہے۔ کہ وہ ہیں کریم ابن کریم اور ابو الکریم یوسف' اس پاک ذریت کے ایک روشن ستارے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں جن کی جڑیں اسمان شرافت پر ثبت ہیں۔ نبی مصطفٰی سیدنا محمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ بے شک شریف ابن شریف ابن شریف ابن الشریف یعنی یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابو الانبیاء ابراہیم علیہم السلام۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ جن کی سیرت کے ذکر سے ہم اپنے کانوں کو معطر کر رہے ہیں۔ ان کا نام نامی راحیل بنت لابان ہے۔ اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں کی بیٹی ہیں۔ اور یہی نبی مکرم حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہیں ان خاتون کی سیرت کا س کا کان مستفید ہونگے۔ اور نفوس انسانی جلا پائیں گی۔ اور مومن عورتوں کے لئے اس میں پیشوائی ہوگی اور عبادت گزار عورتوں کے لئے سرور انگیز قصے اور صابرہ عورتوں کے لئے مونس جان ہوگی۔

حضرت راحیل خاتون کا حق مہر:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام جوان ہوگئے۔ تو ان کے والدین نے ان سے کہا۔ کہ اپنے ماموں لابان کے پاس جاؤ۔ جو ان دنوں عراق کے قریہ حران میں رہتے تھے۔ اور ان سے ان کی دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا رشتہ طلب کرو۔ جو دین ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھیں۔ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے وطن المقدس سے اپنے والدین حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت بی بی رفقہ بنت جوئیل کی دعائیں لے کر عراق کی طرف چل پڑے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا مرتبہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی سے نوازا۔ اور دنیا والوں پر بزرگی بخشی۔ اور نبوت کا اعزاز دے کر آپ کا اکرام کیا۔ اور اپنے مومن بندوں میں سے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اللہ کریم اپنے بندوں کے حالات سے خبردار اور واقف ہے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں کے ہاں حراں پہنچے تو ان کی دو بیٹیاں تھیں بڑی "لیا" اور چھوٹی "راحیل"

راحیل نہایت ذہین، نفاست پسند اور صاف ستھرے مذاق کی تھیں۔ اور حسن و جمال میں بھی اپنی بڑی بہن لیا سے برتر تھیں۔ کہ اللہ کریم نے انھیں حسن و توازن میں کمال بخش تھی۔ جیسا کہ روایات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں کے پیش ہو کر ان سے راحیل کا رشتہ طلب کیا۔ اور اس وقت حضرت یعقوب کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ جس سے وہ راحیل کا حق مہر ادا کر سکیں۔ تو ان کے ماموں لابان نے ان سے کہا۔ کہ کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے۔ جس کے بدلے میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی راحیل کا نکاح باندھ سکوں۔؟

حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا۔ ماموں جان! وہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں یہاں مسافر ہوں۔ ہاں اگر آپ مہر کے بدلے میں مجھ سے کوئی کام لینا چاہیں تو میں کرنے کو تیار ہوں۔ یہ کہہ کر آپ تھوڑی دیر کو خاموش رہے۔ پھر خود ہی کہنے لگے۔ کہ آپ کا مزدور بن کر آپ کی بیٹی کا حق مہر ادا کرنے کو تیار ہوں۔ میں یہ کر سکتا ہوں۔

اس پر ان کے ماموں اس پر رضامند ہو گئے۔ اور کہا، مجھے منظور ہے۔ آپ سات برس تک میرے ہاں کام کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے منظور ہے۔ آپ میرا نکاح راحیل سے کر دیجئے۔ میں سات برس تک خدمت کرنے کو تیار ہوں۔

یہ سب طے ہو گیا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام سات برس تک اپنے ماموں کی بھیڑ بکریاں چراتے رہے۔ سات برس پورے ہونے پر ان کے ماموں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے دعوت ولیمہ تیار کی۔ اور لوگوں کو بلایا۔

عجیب معاملہ:

جب رات ہوئی۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام بیوی کے خیمہ میں آئے۔ تو آپ کی بیوی وہاں موجود تھیں۔ لیکن جب صبح ہوئی اور ہر چیز نور الٰہی سے روشن ہوگئی۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ماموں نے اپنی بڑی بیٹی لیا کا نکاح ان سے کردیا ہے۔ حالانکہ شرط یہ تھی کہ شادی چھوٹی بیٹی راحیل سے ہوگی۔

یہ دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ ! اور اپنے ماموں کے پاس غصے میں آکر کہنے لگے۔ آپ نے مجھے دھوکہ میں رکھا۔ کہ سات برس تک کام بھی لیا۔ اور چھوٹی کے بجائے بڑی بیٹی بیاہ دی کیا راحیل سے رشتہ طے نہیں ہوا تھا؟۔

ان کے ماموں کہنے لگے بھانجے ٹھہریں۔ میں نے تم سے دھوکہ نہیں کیا۔ لیکن ہمارے یہاں دستور ہے۔ کہ بڑی سے پہلے چھوٹی کا رشتہ نہیں کرتے کیا تم چاہتے ہو۔ کہ تمہارا ماموں برادری میں بدنام ہو۔ اور اس کام پر سب لوگ اسے برا بھلا کہیں۔ اور وہ کہیں کا نہ رہے؟۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کہنے لگے معاذ اللہ! میں یہ تو نہیں چاہتا کہ آپ کی عزت پر حرف آئے۔

اس ان کے ماموں نے کہا۔ کہ آپ میری بیٹی راحیل سے بھی نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔ تو سات برس تک اور میرے ہاں کام کرو۔

لہٰذا آپ نے یہ سات برس بھی پورے کردیے۔ اس دوران میں آپ کے ہاں حضرت لیا سے کئی بیٹے تولد ہوئے۔ اور پھر وہ دن بھی آگیا۔ جس کا آپ کو انتظار تھا۔ اور آپ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اور حضرت ''راحیل'' خاتون سے آپ کا نکاح ہوگیا۔ جس کے لئے آپ نے چودہ برس کا طویل انتظار کھینچا۔ اور عنایت الٰہی کو یہ منظور تھا۔ کہ یہ خاتون مکرم ایک مکرم نبی کی زوجہ بنے۔ اور ایک مکرم پیغمبر کی والدہ محترمہ بننے کا شرف بھی اسے حاصل ہو۔

جس وقت حضرت راحیل سے آپ کا نکاح ہوا۔ اس وقت کی شریعت میں دو بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں آنا جائز اور مروج تھا۔ بعد میں بذریعہ تورات اس طریقے کو منسوخ کردیا گیا۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس نکاح سے آپ کے ماموں لابان بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے

اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک خادمہ تحفے میں دی بڑی لڑکی کی خادمہ کا نام زلفی اور چھوٹی بیٹی کی خادمہ کا نام بلہٰی تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے عرصہ تک حضرت راحیل کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عرصہ کے بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جبکہ ان کی بڑی بہن لیا کے ہاں چار بیٹے تولد ہو چکے تھے۔ لہٰذا آپ غیرت سے شرمسار ہوتی رہتیں۔ آپ نے سوچا کیوں نہ میں اپنے شوہر کو اپنی خادمہ ہدیہ میں پیش کردوں۔ لہٰذا انہوں نے خادمہ اپنے شوہر کو دے دی۔ ان کی پیروی میں حضرت لیا نے بھی اپنی باندی اپنے شوہر حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیش کر دی۔ اور ان باندیوں سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں بیٹے تولد ہوئے۔

جب حضرت راحیل نے دیکھا۔ کہ ان کی بہن لیا کے ہاں اور باندیوں سب کے ہاں بیٹے ہوتے ہیں۔ اور ان کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں بہ دل و جان متوجہ ہو کر دعا کی کہ اسے بھی مولاء کریم حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک ذہین و فطین بیٹا عطاء فرمائے۔

اللہ کریم نے حضرت بی بی راحیل کی دعا قبول فرمائی۔ اور آپ کی پکار سن لی۔ اور ان کی ناتوانی و عاجزی پر رحم فرمایا۔ اور انہیں یہ اکرام بخشا۔ کہ وہ امید سے ہو گئیں۔ اور پھر انہیں نہایت حسین و جمیل صاحب عظمت و شان شریف مخلص یعنی حضرت یوسف علیہ السلام جیسا فرزند عطا فرمایا۔ جو اپنے والد کی دادی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کے ہمشکل تھا۔ اسی لئے وہ یعقوب علیہ السلام کو دلی طور پر محبوب تھا۔ اور یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چار بیویوں سے بارہ بیٹے تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

پہلی بیوی "لیا" اسے آپ کے ہاں چھ بیٹے روبیل، شمعون، لاوی، یہودا، الیساتحر اور زابلون، پیدا ہوئے۔

دوسری بیوی "راحیل" سے آپ کے دو بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین عطا ہوئے۔

تیسری جاریہ بیٹے بلہٰی سے آپ کے دو بیٹے دان اور نفتالی تولد ہوئے چوتھی جارزلفی سے جاد اور شیر پیدا ہوئے۔

اور یہ بھی بتا دینا چاہیئے کہ ان سب میں سے صرف حضرت یوسف علیہ السلام ہی نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اور یہاں پر ہم خاص طور راحیل کا ہی تذکرہ کریں گے۔

حضرت راحیل کی بت شکنی:

حضرت راحیل خاتون حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہمراہی میں بیس برس تک ملک عراق میں مقیم رہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل ایمان رکھتی تھیں۔ اور اپنے شوہر کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار اور بت پرستی سے نفور تھیں۔ جو ملک عراق میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اور اکثر لوگ بت پرستی کرتے تھے۔ اور حضرت راحیل کی خواہش تھی کہ اگر کہیں مل جائیں تو وہ ان بتوں کو تہس نہس کر دیں۔ جنہوں نے اکثر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اور وہ بھٹک کر راہ ہدایت سے دور جا چکے ہیں۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وحی کی کہ وہ ملک عراق چھوڑ کر اپنے قبیلے اور باپ دادا کی سرزمین القدس کو چلے جائیں۔ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اپنے اہل وعیال کے گوش گزار کر دیا۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور اس کی اطاعت میں سب سے پیش پیش بی بی راحیل تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال اور ساز وسامان کو ساتھ لیا۔ اور اپنے باپ دادا کی سرزمین کی طرف چل پڑے۔ اسی دوران میں حضرت بی بی راحیل نے اپنے والد لابان کے بت اپنے ساتھ اٹھا لیے۔ کہ انہیں کسی دور دراز جگہ میں پھینک دوں گی یا کسی دریا میں ڈال دوں گی۔ اور کسی کو راحیل کے کارنامے کی خبر نہ ہوئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی قیادت میں قافلہ القدس کی طرف رواں دواں تھا۔ جب وہ حدود عراق سے نکل کر کچھ دور گئے تھے۔ تو آپ کے ماموں لابان پیچھے سے ان کے پاس پہنچ گئے۔ جن کے بت گم ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ کہ وہ انہیں بتائے بغیر چلے آئے۔ کہ اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو الوداع کہتا۔ اور پھر پوچھا کہ وہ اس کے بت کیوں اٹھا لائے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو تو ان بتوں کے بارے کچھ معلوم نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو تمہارے بت نہیں اٹھائے۔ اور پھر وہ اپنے بت ڈھونڈنے اپنی بیٹیوں کے خیموں میں گیا۔ وہاں اسے کچھ نہیں ملا۔ کیونکہ بی بی راحیل نے انہیں اپنے اونٹ کے پالان کے نیچے چھپا دیا تھا۔ اور وہ ان کے اوپر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھی رہیں اور مرض کی وجہ سے اٹھ نہ سکنے کا بہانہ بنا دیا۔ لہٰذا بت اسے نہیں ملے۔ کیونکہ تباہی ان بتوں کے مقدر میں تھی۔ تو اس طریقے سے راحیل ان بتوں کو اپنے والد کے گھر سے نکال باہر کرنے میں کامیاب

ہو گئیں۔ اور ان کے بڑھنے سے لوگوں کا نسل چلی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام حبرون میں:

اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام حبرون میں آ کر اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس ٹھہر گئے۔ جو کنعان کے آس پاس تھا۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ حبرون ہی میں حضرت راحیل امید سے ہوئیں۔ اور وہیں آپ کے ہاں حضرت بنیامین تولد ہوئے۔ اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت بنیامین دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت محبوب تھے۔ اور آپ تمام بھائیوں کی نسبت انہیں زیادہ چاہتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا تفصیلی قصہ سورہ یوسف میں مرقوم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب میں راحیل کا تذکرہ:

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی گود میں پروان چڑھ رہے تھے۔ اور جو کچھ خواب میں دیکھتے والد سے بیان کر دیتے ایک دفعہ آپ اپنے والد کو بتانے لگے:

يَٰٓأَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَٰجِدِينَ ﴿یوسف: ۴﴾

"اب جان میں نے خواب میں گیارہ ستاروں' سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ دیکھتا کیا ہوں۔ کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی نشوونما میں ایک خاص انداز تھا جس کی بناء پر حضرت یعقوب علیہ السلام انہیں ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رکھتے اور بطور خاص ان کی نگہداشت فرماتے تا کہ انہیں کچھ ہو نہ جائے۔ کیونکہ انہوں نے دوسرے بھائیوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے کچھ ناگواری محسوس کی تھی۔ اور ان کی باتوں میں حسد اور بغض کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن یوسف علیہ السلام ان باتوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے جو خواب میں دیکھا اپنے والد کے گوش گزار کر دیا۔ کیونکہ الہام ربانی اور اپنے والد سے تعلیم کی بناء پر یہ جانتے تھے۔ کہ خوابوں کی کوئی تعبیر بھی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی جانتے تھے۔ کہ ستاروں' سورج' چاند سے دنیا کی کوئی معزز چیز مراد ہوتی ہے۔ اور یہ کہ کسی معزز مخلوق کا کسی کو سجدہ کرنا اس کی عظمت شان اور اس کی بزرگی کی دلیل ہوتی ہے۔

اس خواب کے بارے میں مفسرین کی آراء:

اس خواب کی تعبیر کے بارے میں مفسرین نے متعدد رائیں ظاہر کی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ اور سورج سے مراد آپ کی والدہ راحیل اور چاند سے مراد آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔

اور امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک خوبصورت بات کی ہے۔ کہ آپ کی والدہ کی تاویل شمس سے کرنا اس بنا پر ہے۔ کہ اس سے چاند چمکتا اور روشن رہتا ہے۔ اور حضرت راحیل کی کوکھ سے کئی انبیاء پیدا ہوئے جن سے لوگوں نے راہنمائی حاصل کی ہے۔ اور چاند سے مراد آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ اور چونکہ چاند کی روشنی سے لوگ جہالت کے اندھیروں میں ہدایت کا راستہ پاتے ہیں۔ اور بھائیوں کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ ان کا نور اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نور کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ وہ صرف نبی ہیں رسول نہیں۔ یا صرف اولیاء ہیں انبیاء نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ماں اور باپ اور بھائیوں کے بارے میں لکھتے ہیں: گیارہ ستاروں سے مراد گیارہ بھائی ہیں اور شمس سے مراد والد اور قمر سے مراد ان کی والدہ ہیں ابن جریج کہتے ہیں قمر باپ شمس ماں ہیں۔ کیونکہ شمس مونث اور قمر مذکر ہے۔ تو جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب سنا جس کی تعبیر بھائیوں کی کمتری اور حضرت یوسف علیہ السلام کی برتری تھی۔ کہ اس اجلال اور احترام اور اکرام میں وہ سجدے میں گر پڑے۔ آپ کو اندیشہ ہوا۔ کہ مبادا یہ خواب یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے بیان کردیں اور وہ اس کی اس بزرگی پر حسد کرنے لگیں۔ اور اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔

علامہ ابوحیان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس خواب سے یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ یوسف علیہ السلام حکمت ونبوت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے والے ہیں اور انہیں دنیا وآخرت کی سعادتیں حاصل ہونے والی ہیں۔ لہٰذا بھائیوں کے حسد کے ڈر سے یوسف علیہ السلام کو یہ خواب بھائیوں سے بیان کرنے سے منع فرمایا۔

اور ظاہر ہے کہ بی بی راحیل کو بھی اپنے اس صاحبزادے سے محبت تھی۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں بھی یہ خواب اور اس خواب کی تعبیر بتادی تھی۔ اور انہیں امید تھی۔ کہ حضرت یعقوب علیہ

السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مضر نتائج سے نکالنے کی کوئی تدبیر فرمائیں گے۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت یوسف علیہا السلام سے فرمایا:۔

''کہ بیٹا اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ ﴿یوسف ۵﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کو یہ فرمانا تنبیہ کے طور پر تھا۔ اور آپ کو یہ یقین تھا کہ اس تنبیہ سے کوئی کدورت اس دل میں پیدا نہیں ہوگی۔ کیونکہ انہیں حضرت یوسف کی فراست پر پورا اعتماد تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ یوسف علیہ السلام دل کے صاف اور با اخلاق نوجوان ہیں۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خبردار کیا کہ یہ خواب عظیم الشان ہے۔ اور اس پر کئی فوائد مترتب ہونے والے ہیں۔ اور یہ خواب سن کر تمہارے بھائی تمہارے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انہیں اس کی اشاعت سے منع کیا۔ اور اس کی کئی تعبیریں اور تاویلیں بیان کیں۔ اور انہیں بتایا۔ کہ بیٹا! جیسے اس خواب میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان ستاروں اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔ کہ وہ تمہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں نبوت کے لئے چنے گا۔ اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور تمہیں رسول بنا کر اور وحی سے سرفراز فرما کر اپنی نعمت کو تمہارے لئے مکمل کر دے گا:۔

''جس طرح اس نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا، پردادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر پوری کی تھی۔ اسی طرح تم پر پوری کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے''۔

كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ ﴿یوسف ۶﴾

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ہر کام میں مالک و مختار ہے۔ پھر اللہ کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا اپنے خاص انداز میں بیان فرمایا۔ اور قرآن کریم میں اس قصے کو ''اَحْسَنُ الْقَصَصِ'' سب سے زیادہ خوبصورت واقعہ قرار دیا۔ اور اس واقعہ کے لئے الگ سے ایک سورۃ مقرر فرمائی، جو صاحب قصہ کے اسم گرامی کے مطابق ''سورۃ یوسف'' کہلاتی ہے۔ جس میں بھائیوں کا یوسف

علیہ السلام کے ساتھ حسد بوجہ اس خواب کے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اکرام کا اظہار فرمایا ہے۔ ان کا یوسف کو کوئیں میں ڈال دینا۔اور قافلے کا آنا۔غلام کا کوئیں میں ڈول ڈالنا۔قافلے والوں کا آپ کو کوئیں سے نکالنا۔ بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو سستے داموں بیچنا۔اور عزیز مصر کی عورت کا مہنگے داموں خریدنا۔اور اپنا بیٹا بنالینا۔پھر عزیز کی عورت کا آپ کو بہکانے کی کوشش کرنا۔اور آپ کا پاک دامن وہاں سے نکل آنا۔قید ہونا' اور قید سے نکل کر ملک مصر کا کل اختیار ملنا۔اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصائب ومشکلات کا ذکر اور آپ کا اس پر صبر کرنا۔اور پھر آپ کے بھائیوں کا مصر کو آنا۔اور غلہ لے کر جانا۔اور دوسرے بھائی بنیامین کو ساتھ لانا۔اور چوری کے مقدمے میں ماخوذ ہونا۔اور بھائیوں کا چھوڑ کر چلا جانا۔اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی قمیض حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجنا۔اور آپ کا اس کی خوشبو محسوس کرنا۔اور آنکھوں کی بینائی لوٹ آنا۔اور پھر باپ بیٹے کی ملاقات اور پورے خاندان کا مصر کو آنا۔اور سب کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مسرور ہونا۔اور خاص کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ راحیل کا نہایت خوشی اور مسرت حاصل کرنا سب کچھ تفصیل کے ساتھ اس سورۃ مبارکہ میں مذکور ہے۔

ماں باپ کو تخت پر بٹھانا:

ہم اس مقام پر حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی ذکر نہیں کر رہے۔ یہ ساری تفصیل سورۃ یوسف میں مرقوم ہے۔ہاں ہم اس خواب کی تحقیق وتفصیل پیش کرتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں ملاحظہ فرمایا تھا۔وہ یہ ہے کہ جب آپ عزیز مصر (شاہ مصر) ہو گئے۔اور یہ امر آپ کے گم ہونے کے تیس چالیس برس کے بعد ظہور میں آیا۔اس لمبے عرصے کے درمیان حضرت یعقوب علیہ السلام غم اور مصیبتیں اور یوسف علیہ السلام کی جدائی کے صدمے برداشت کرتے رہے۔اور انہی غموں کے دوران میں آپ کے بیٹے بنیامین کے مصر میں رہ جانے کی خبر آپ کے لئے سوہان روح ہوئی اور غموں سے نڈھال ہو کر آپ کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔یعنی رو رو کر آپ کی آنکھیں کمزور ہو گئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی میں محو تھا۔اور صبر جمیلا پر آپ کار بند تھے۔اور اللہ تعالیٰ سے امید' اور رحمت کا آپ کو سہارا تھا۔کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت سے ہرگز ناامید نہیں ہوئے تھے۔اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی امیدوں کی شمعیں آپ کے قلب میں روشن تھیں۔

اور آپ امیدوار تھے کہ اللہ کی طرف سے رحمت کی خوشخبری ملے گی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ایک دن ملاقات ضرور ہوگی۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں یہ حال تھا۔ حضرت راحیل کی ماتا پر کیا کچھ نہ گزرتی ہوگی۔ اور غم واندوہ سے ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اور پھر صبر جمیل میں وہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہمرکاب تھیں۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دکھ کے ساتھ انہیں حضرت بنیامین کی جدائی کا صدمہ بھی سہنا پڑا۔ لہٰذا بی بی راحیل کا غم بھی حضرت یعقوب علیہ السلام سے کچھ کم نہیں تھا۔ بلکہ ماں ہونے کے ناطے سے کچھ فزوں تر ہی ہوگا۔ اور یہ کہ بی بی راحیل کے تو یہ دو ہی لخت جگر تھے۔ جو سینکڑوں تمناؤں کے بعد نصیب ہوئے تھے۔

ایک سوال:

بعض دفعہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم میں حضرت بی بی راحیل کے غم واندوہ کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے یہاں صرف باپ بیٹوں کے معاملات کو بتلانا مقصود ہے اور اس سے ہی قصے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ کہ انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف میلان قلبی پر اعتراض تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کی محبت اور میلان پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ یہ طبعی امر ہے۔ کہ ہر ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے۔

ہاں قرآن کریم کی اس سورت میں کئی مقامات پر حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

۱۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو پورے خاندان کے ساتھ القدس سے مصر بلاتے ہیں اور اپنے والدین کے استقبال کے لئے مصر سے باہر نکلتے ہیں وہ ماں باپ جنہیں انہوں نے چالیس برس سے نہیں دیکھا تھا۔

۲۔ اور پھر انہیں شہر میں لاکر ایک مخصوص تخت پر بٹھاتے ہیں۔

"اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا"۔ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ

﴿یوسف: ۱۰۰﴾

کہ ماں باپ سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی نعمت نہیں۔ اور ماں باپ کے حقوق سے بڑھ کر اور کوئی حق نہیں۔

یہاں لفظ اَبَوَیْهِ (والدین کو) ماں باپ دونوں ہیں۔ ابن جریر مفسر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ابویہ سے مراد ماں باپ دونوں ہیں۔ اس بارے میں اگرچہ اور بھی کئی رائے ہیں۔

لیکن محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن جریر طبری اس پر متفق ہیں۔ قرآن کے اس حتمی بیان میں ابویہ سے آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی والدہ محترمہ بی بی راحیل ہی مراد ہیں۔ اور چونکہ انبیاء کے خواب حق ہوتے ہیں۔ اور ان کی تعبیر بھی ان کے عین مطابق ہوتی ہے۔ اور سجدے بارے میں یہ ہے کہ شریعت میں اس وقت بطور تعظیم کے جائز تھا۔ اور اس سجدے کے بارے میں مفسرین نے کئی اقوال نقل کئے ہیں کہ یہ سجدہ کیسے ہوتا تھا۔ کہ جھک جاتے تھے۔ یا سر سے یا ہاتھ سے اشارہ کر دیتے تھے۔ واللہ اعلم

امام قرطبی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہ سجدہ جس طرح بھی تھا۔ تعظیم کے لئے ہوتا تھا۔ عبادت کے لئے نہیں۔ کہ سجدہ عبادت کبھی بھی جائز نہیں رہا۔ اور بادشاہوں کی اسی طرح تعظیم کرتے تھے۔

سجدہ کی بجائے السلام علیکم:

اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس تعظیمی سجدے کی جگہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا عطیہ اللہ کریم کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ اور سلام کے علاوہ مصافحہ (دونوں ہاتھ ملانا) اور معانقہ (بغل گیر ہونا) بھی محبت و مودت کے طور پر امت کے لئے خاص انعام ہیں۔ اور سجدہ کے سلسلے میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے۔ اور وہ سب لوگ اس خوشی کے موقع پر یعنی آپس میں ملاقات ہونے پر بطور شکر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے۔

صابرہ وشاکرہ بی بی راحیل:

شاید بی بی راحیل وہ واحد خاتون ہیں۔ جنہوں نے صبر و شکر میں اپنے پیارے شوہر کا ساتھ دے کر اور وفاداری کا ثبوت مہیا کر کے تاریخ میں نام پیدا کیا ہے۔ اور پیارے لخت جگر کی مامتا میں برسوں جدائی اور اندوہناکی میں گزار دیے۔ اور عابدہ شاکرہ صائمہ مومنہ کے تمغے حاصل کئے۔

اور اپنے لخت جگر کے لئے صبر و شکر کو کام میں لا کر اپنے کامل مومنہ ہونے کا اظہار کیا۔ اور قضا وقدر پر راضی رہ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی۔

آزمائش میں سرخروئی:

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام بی بی راحیل اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس قصے کے اَحْسَنُ الْقَصَصِ ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔

خوشحالی و آرام سے رہتے ہوئے جدائی کا صدمہ۔

گھر کے آرام کے بعد سفر کی صعوبتیں۔

ماں باپ کی شفقت و نگرانی میں رہنے کے بدلے غلامی کی مشقت۔

دولت و فراوانی کے بعد تنگدستی۔

عزت کے بعد ذلت و زیردستی۔

سرور خوشی کے بعد غم واندوہ۔

اور پھر ان آزمائشوں سے سرخرو ہو کر کامرانی و مسرت کا دور دورہ۔ یہ عجیب وغریب احوال ہیں جن سے یہ قصہ تمام قصوں سے خوبصورت قصہ بن کر قرآن پاک کی زینت بنا ہے۔

ایک بڑے پیغمبر اور عظیم بادشاہ کی ماں:

اور پھر یہ بھی ایک نادر بات اور حقیقت ہے کہ ''راحیل'' کو ایک بہت بڑے صاحب جاہ و جلال بادشاہ اور ایک عظیم پیغمبر کی والدہ محترمہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور ایک عظیم پیغمبر کی زوجہ محترمہ بھی ہیں۔ اور اس کا انہوں نے حق ادا کیا کہ الوالعزم پیغمبر کی معیت میں تکالیف و آزمائشوں میں راضی برضا ہیں۔ اور اف تک نہ کی۔ اور عرصہ تک بیٹے کی جدائی کا دکھ سہتی رہیں۔ اور اللہ کریم کی شکر گزار رہیں۔ اور اس صبر جمیل کا بدلہ بیٹے سے ملاقات کی صورت میں اس دنیا میں ہی پالیا۔ اور آخرت کے لئے بھی سرخرو ہو گئیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے القدس سے مصر آنے کے بعد اپنے بیٹے کی بادشاہت اور نبوت کے زیر سایہ رہ کر مسرت و شادمانی حاصل کرتی رہیں۔

اور علامہ ابن کثیر کے کلام سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اہل وعیال کے ساتھ شام کے نشیبی دیہاتی چراگاہوں میں سکونت رکھتے تھے۔ اور یہ علاقہ فلسطین کے آس پاس کا علاقہ تھا۔ اور امام رازی نے ایک خوبصورت بات لکھی ہے۔ کہ رحمت الٰہی سے بی بی راحیل اور ان کے شوہر حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

''بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے وہ دانا اور حکمت والا ہے''۔ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ﴿یوسف: ۱۰۰﴾

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے اہل خاندان اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ راحیل علیہ السلام سے اس خوشحالی وعیش و آرام کی حالت میں ملاقات عقل سے بہت دور اور ناممکن امر تھا۔ لیکن اللہ کریم اپنی باریک بینی سے ایک ایسی لطیف تدابیر فرماتا ہے۔ کہ ہر ناممکن ممکن ہو جاتا ہے تو اس طرح بی بی راحیل اپنے پیارے بیٹے یوسف علیہ السلام کی نظروں کے سامنے عیش و آرام سے رہ کر اپنے پروردگار سے جاملیں۔

اور راضیہ مرضیہ ہوگئیں۔ اللہ کریم ام یوسف علیہ السلام بی بی راحیل پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اور ان سے راضی ہو۔ آئیں حضرت راحیل کا واقعہ ختم کرنے سے پہلے ہم ان کی سیرت کے بیان کے بعد پورے خشوع وخضوع سے اس دائمی مومنہ کے لئے دعا کریں۔ جیسے ان کے لخت جگر یوسف علیہ السلام نے ان کے لئے کامیابی اور نصرت کی دعا فرمائی۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝. ﴿یوسف: ۱۰۱﴾

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ

پاک بازوں کا موسم بہار:

صبر ایسی سواری ہے جس سے انسان کبھی نہیں گرتا۔ اور یہ مشکلات کے موقعہ پر بہترین سہارا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا باعزت وسیلہ ہے۔ اس صبر کے کیا کہنے! نیکوکاروں کے لئے موسم بہار اور بھلے لوگوں کی سیر گاہ ہے۔

صبر' زندگی کا بنیادی ستون ہے۔ جو آزمائشوں کے وقت سہارا بنتا ہے۔ اور مصائب بندے کے لئے وہ عطیہ خداوندی ہیں جن سے مشکلات انسان کے لئے تحفہ الٰہی بن جاتی ہیں۔ علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی نازک ترین کتاب ''الوابل الصیب'' میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ہلاکت کے لئے آزمائش میں نہیں ڈالتا بلکہ اس کا صبر اور اطاعت شعاری آزمانے کے لئے امتحان میں ڈالتا ہے۔

اس مقام پر ہم ایک شریف النفس پیغمبر کی زوجہ محترمہ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی وفاداری' سچائی' بھلے پن اور صبر کی تاریخ گواہ ہے۔ اور ان کا اخلاص شوہر کی فرمانبرداری اور احکام الٰہی کی تعمیل عورتوں کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ جو اپنے شوہر کی ہمراہی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کمربستہ رہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم اس کی پاک سیرت کا تذکرہ کریں۔ ہمیں جان لینا چاہیے کہ یہ مبارک خاتون کون ہیں؟۔ اور کون سے نبی مکرم اور شریف النفس پیغمبر ہیں۔ جن کے عقدہ نکاح سے بندھی ہوئی ہیں یہ ان الوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ اور یہ پیغمبروں کی اس جماعت سے ہیں جن پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے۔ اور آپ اسحاق علیہ السلام بنی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یہ دلیل آیت قرآنی وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ لو ہم ان پیغمبر کا ذکر کئے دیتے ہیں۔ وہ الوالعزم پیغمبر حضرت ایوب علیہ السلام ہیں اور یہ ہیں ان کی زوجہ محترمہ ''لیا خاتون'' بنت یعقوب علیہ السلام اور بعض نے لکھا ہے لیا بنت منشا بن یعقوب علیہ السلام اور بعض نے قرآنی آیت کے حوالے سے رحمت لکھا ہے۔ جو درست نہیں ہے۔

''اور ہم نے ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے۔ اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور بخشے اور عبادت کرنے والوں کے لئے ہی یہ نصیحت ہے''۔

وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ۝

﴿الانبیاء: ۸۴﴾

علامہ ابن کثیر جو ایک کامیاب اور ذہین تفسیری فہم رکھنے والے مفسر ہیں۔ اس آیت مبارکہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت مبارکہ سے جس نے رحمت نام اخذ کیا ہے۔ وہ بہت دور کی کوڑی لایا ہے۔ اور اس نے بہت ہی تکلف کیا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے عظیم کردار کے مقابلے میں جس نے ان کا نام رہتی دنیا تک زندہ و پائندہ کر دیا ہے۔ نام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی ازواج کریمات میں بزرگی و شرافت میں نام پیدا کیا ہے۔

حضرت لیا کی خوش گزران زندگی:

حضرت ایوب علیہ السلام خوشحال زندگی بسر کرنے والے انبیاء علیہ السلام میں سے ایک ہیں جیسا کہ بعض روایات میں یہ بات موجود ہے۔ حضرت لیا خاتون حضرت ایوب علیہ السلام کی رفاقت میں عیش و آرام سے بسر کر رہی تھیں۔ ان کے باغات تھے۔ جن میں چشموں سے فصلوں کی سیرابی ہوتی تھی۔ اور آپ کی یہ جاگیریں ملک شام میں تھیں۔

حضرت لیا خاتون جناب ایوب علیہ السلام پیغمبر کی دعوت الٰہی پر ایمان رکھتی تھیں۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعوت و نبوت پر اب تک صرف تین افراد ایمان لائے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا مسکن:

علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ملک شام میں رہائش پذیر تھے اور آپ کی عبادت دمشق کے مضافات میں بثنیہ کے متصل نووی کے قریب واقع تھی اور یہ علاقہ حوران کے نام سے مشہور تھا۔ اور یہیں آپ کی مسجد غسل خانہ اور کھیت کھلیان تھے۔

مفسرین و مورخین کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نہایت دولت مند

تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ جن میں وسیع وعریض زرخیز اراضی شامل تھیں۔ روایات میں آیا ہے کہ بثنیہ کا تمام تر علاقہ کیا میدانی کیا پہاڑی سب آپ کی ملکیت میں تھا۔ اس کے علاوہ خوش منظر گھوڑوں کے گلے جنہیں دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے اور سینکڑوں اونٹ' گائیں' بھیڑ بکریاں اور ہر قسم کے چرنے والے چوپائے آپ کے ذخیرے میں موجود تھے۔ مورخین لکھتے ہیں۔ آپ کی ملکیت میں ایک ہزار بھیڑ بکریاں انہیں چرانے والوں کے سمیت موجود تھیں اور سینکڑوں خدام زمین کی دیکھ بھال اور کاشت کرنے والے اور ڈھور ڈنگر کو سنبھالنے والے اس کے علاوہ تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نہایت رحمدل اور پاک باز تھے۔ غربا و مساکین کے ساتھ نیک سلوک کرتے' یتیموں اور بیواؤں کی کفالت فرماتے۔ مہمانوں کا اکرام اور مسافروں کی خدمت کرتے۔ اس طرح نعمتوں کی شکر گزاری کرتے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے۔ آپ صاحب اولاد کثیر تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ ''لیا'' ان خدائی نعمتوں میں خوشحال زندگی گزارتیں اور اللہ تعالیٰ نعمتوں کی شکر گزار ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف رہتیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق پہچان کر حمد و شکر بجالاتیں۔ اور اپنے اہل و عیال کی تربیت اور خدمت شوہر میں لگی رہتیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے اس شرف اور برکت کو ہر وقت یاد رکھتیں۔

وہ یہ بات سمجھتی تھیں۔ کہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہی ان کی بقا کا ضامن ہے۔ اور نعمتوں کی شکر گزاری سے اللہ کریم مزید نعمتوں سے نوازتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیشہ ذکر و عبادت میں مصروف رہتیں۔ اور مال و دولت میں سے ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتیں۔ اپنے پرائے سب سے نیک سلوک اور احسان کا برتاؤ روا رکھتیں۔ غریبوں مسکینوں کی غم خواری کرتیں۔ اور اپنے شوہر حضرت ایوب علیہ السلام کی ہدایات کی روشنی میں راہ ہدایت پر گامزن رہتیں۔

اور پھر حضرت لیا خاتون اپنے شوہر کی ہمراہی میں اس کڑی آزمائش پر پوری اتریں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ڈالی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان مصائب میں صبر کا دامن تھام کر بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہوئیں۔ اور اپنے نیک کردار اور شوہر سے وفاداری کر کے صبر و تحمل کا ثبوت دیا۔ جس پر اللہ کریم نے ان کی اس خوبی کو سراہا۔ اور انہیں یہ خاص شرف بخشا کہ انہیں ان کامران لوگوں میں شامل فرمایا۔ جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔ جس کا وعدہ اللہ کریم نے صابروں سے کر رکھا ہے۔

سچ کی گواہی دینے والی پاکباز خاتون:

حضرت لیا اپنے اعلیٰ کردار کی بنا پر سچائی کے مبارک مقام اور بلند مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ اور نیکو کاروں کے بلند مقام پر براجمان ہوئیں۔ کیونکہ آپ نے اٹھارہ برس تک اپنے شوہر کی رفاقت میں مصائب و آلام کے کٹھن ایام گزار دیے۔ اس طرح آپ کو ایک نیکو کار خاتون کا اعزاز حاصل ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شاکر رہنے والی اور خاوند کی فرمانبردار ہونے کا تمغہ آپ کے سینے کی زینت بنا۔

حضرت لیا خاتون اپنے شوہر حضرت ایوب علیہ السلام سے نفس کی پاکیزگی حاصل کرتیں۔ اور عبادت گزاری اور قرب الٰہی کی تعلیم حاصل کرتیں۔ روایات میں آتا ہے۔ کہ خود حضرت ایوب علیہ السلام بھی نہایت عبادت گزار شخص تھے۔ اور اپنی دولت و ثروت کو رضا الٰہی میں صرف کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ بھوکوں کو کھلا کر خود کھاتے۔ ننگوں کو پہنا کر خود پہنتے۔

صلح جوئی:

توحید باری کے بعد لوگوں کے درمیان صلح آپس میں محبت و یگانگت حضرت ایوب علیہ السلام کی شریعت کا دوسرا اصول تھا۔ جب آپ کو کوئی حاجت ہوتی۔ تو آپ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جاتے۔ اور پھر جو چاہتے اللہ کریم سے مانگتے۔

حضرت لیا خاتون اپنے شوہر حضرت ایوب علیہ السلام کے ان خصائل حمیدہ کو ملاحظہ فرماتیں اور آپ کی سیرت سے راہ ہدایت حاصل کرتیں۔ اور اس پر عمل پیرا ہوتیں۔ اور رضا الٰہی حاصل کرتیں۔

آزمائشوں کا دور:

لیکن ایک وقت ایسا آیا۔ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات میں تبدیلی آ گئی۔ اور بطور آزمائش و ابتلاء تمام نعمتیں آپ سے چھن گئیں۔ سب مال و دولت زمین جاگیریں آپ کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر آزمائشوں پر آزمائشیں آتی گئیں۔ اور مشکلات پر مشکلات پڑتی گئیں۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام اور آپ کی بیوی لیا صبر جمیل کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے اور اس طرح حضرت لیا مشکلات پر صبر کرنے کی عادی ہو گئیں۔ اور تمام مصائب و آلام کے علاوہ آپ پر ایک آزمائش یہ

آئی۔ آپ کو جسمانی بیماری لاحق ہوگئی۔ اور آپ شدید درد و الم میں مبتلا ہو گئے اور یہ مشقت برسوں آپ کو رہی۔ اور آپ اس مصیبت کو جھیلتے رہے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور دن رات اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اور عبادت میں معروف اور ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہے۔

آپ کی یہ بیماری طویل ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ اس نازک موقع پر صرف لیا خاتون ہی تھیں جو آپ کی غمگساری کرتیں اور ہر وقت آپ کی دیکھ بھال میں مصروف رہتیں۔ اور آپ کے حقوق کی نگہداری کرتیں۔ اور اس خوش گزران زندگی کو یاد رکھتیں۔ جو وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی کفالت میں گزار چکی تھیں۔ اور آپ کی صحت مندانہ زندگی میں بھلے دن چکی تھیں۔ انہیں وہ دن یاد تھے جب بثنیہ کی جاگیروں کی پوری آمدنی آپ کے گھر میں آتی تھی۔ اور حد نظر تک آپ کے شوہر حضرت ایوب علیہ السلام کی زمینیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور ان زمینوں میں ہر طرح کے باغات اور فصلیں ہر طرف لہلہایا کرتیں۔ ان خوش منظر خیالات کے ساتھ ساتھ اب اپنے پیارے شوہر کی دکھ بھری زندگی دیکھ کر غمناک ہوتیں۔ لیکن صبر جمیل کا دامن نہ چھوڑتیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار بن کر شوہر کی خدمت اور اطاعت شعاری میں لگی رہتیں۔

اور دن رات شوہر کی دیکھ بھال میں مصروف نظر آتیں۔ اور دوسرے عزیزوں سے الگ تھلگ ہو کر اپنے خالق و مالک سے لو لگائے رہتیں۔ اور شوہر کی وفا شعاری میں ہر وقت مگن رہتیں۔ اور ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتیں۔ اور اس خدمت و کارگزاری میں مصروفیت کی بنا پر آپ بہت نحیف و ناتوان ہو گئی تھیں۔ اور نہایت تنگی ترشی سے وقت گزار رہی تھیں۔ اور تمام مال و متاع اور بال بچے چھن جانے پر بھی کبھی ناراض نہ ہوئیں۔ اور شوہر کی المناک مصیبت کے باوجود کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتیں۔ اسی لئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ آپ صابرہ، نیک نیت، مشقتیں برداشت کرنے والی، سچائی کی حامی کار، نیکوکار، پاکباز اور راہ ہدایت پر چلنے والی تھیں۔

انبیاء علیہم السلام کی آزمائشیں:

حضرت ایوب علیہ السلام اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ اور ان آزمائشوں کی وجہ سے ہی ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ اور مصائب پر صبر کرنے پر اور راضی بہ رضا رہنے پر لوگوں کے لئے انہیں نمونہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور حدیث پاک میں

بھی آیا ہے۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"تمام لوگوں سے زیادہ آزمائش پیغمبروں کی ہوتی اس کے بعد دوسرے نیک لوگ پھر ان کے بعد اور دوسرے ان کے بعد ان سے نیچے کے لوگ"

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ طبرانی

اور اللہ تعالیٰ کے محبوب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کہ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اس کے دین میں پختگی ہو تو اس کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے"

یُبْتَلٰی الرَّجُلُ عَلٰی حَسْبِ دِیْنِہٖ فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ صَلَابَۃٌ زِیْدَ فِیْ بَلَآئِہٖ

تو حضرت ایوب علیہ السلام کو جتنی زیادہ مصیبتیں پہنچی تھیں۔ وہ اتنا ہی زیادہ صبر و تحمل سے کام لیتے تھے۔ اور پوری طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے۔ اور انہیں اتنا ہی زیادہ اطمینان قلب ہوتا تھا۔ اور اتنا ہی وہ ذات الٰہی کی معرفت میں راضی برضا رہتے تھے۔ اور جو مصائب آپ نے دل جمعی اور سکون سے برداشت کئے اس پر دنیا بھر میں اس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ اور آپ سے پہلے دنیا میں مصائب کے پہاڑ اتنے کسی نے برداشت نہیں کیا کئے۔ ایک شاعر نے آپ کے مصائب کا بیان اپنے اشعار میں اس طرح کیا ہے:۔

اَرِحْ قَلْبَکَ الْعَانِیَ وَسَلِّمْ لَہُ الْقَضَا تَفُزْ بِالرِّضَا فَالْاَصْلُ لَا یَتَحَوَّلُ

عَلَامَۃُ اَھْلِ اللّٰہِ فِیْنَا ثَلَاثَۃٌ اَمَانٌ وَّتَسْلِیْمٌ وَّصَبْرٌ مُّجَمَّلُ

"مصیبتوں میں صبر کرو اور اپنے آپ کو تقدیر کے سپرد کر دو۔ ہمارے اللہ والوں کی تین نشانیاں ہیں۔ پر امن رہنا سر تسلیم خم کرنا۔ اور صبر جمیل کا خوگر ہونا"۔

اللہ کریم سے شفاء کی دعا کرو:

حضرت لیا جو ہر وقت آپ کی ہمدرد اور غمگسار تھیں۔ اور شفقت و دلداری سے پیش آتی تھیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ شوہر کا دکھ حد سے بڑھ گیا ہے۔ اور اس حالت میں بھی سوائے شکر گزاری کے اور کچھ بھی زبان سے نہیں نکلتا ہے۔ تو آپ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے پیش ہو کر عرض کیا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ......:

"پیارے ایوب علیہ السلام! اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ آپ کو شفا عطاء فرمائے حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا! رہنے دو! ہم نے ستر برس نعمتوں میں گزارے ہیں۔ اب ستر برس مشکلات میں بھی گزار لیں"۔

يَآ اَيُّوْبُ اِنَّكَ رَجُلٌ مُّجَابُ الدَّعْوَةِ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّشْفِيَكَ فَقَالَ فِي النَّعْمَآءِ سَبْعِيْنَ سَنَةً فَدَعِيْنَا نَكُوْنُ فِي الْبَلَآءِ سَبْعِيْنَ سَنَةً

﴿مختصر تاریخ دمشق﴾

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی لیا نے آپ سے عرض کیا۔ کہ اگر آپ اپنے پروردگار سے دعا کرتے۔ تو وہ آپ کی مشکلات دور فرما دیتا۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ میں نے صحت وتندرستی میں ستر سال گزارے ہیں۔ کیا یہ کوئی بڑی بات ہے۔ کہ میں بیماری میں صبر کرتے ہوئے ستر سال گزار دوں۔ (قصص الانبیاء ابن کثیر)

جب حضرت لیا نے اپنے پیارے شوہر سے یہ بات سنی جو ایمان و تسلیم اور اطاعت الٰہی کو پختہ کرنے والی تھیں۔ تو آپ بہت متاثر ہوئیں۔ اور ظاہری اور باطنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما لیا۔ کہ ان کے شوہر نے صبر و برداشت کی ایک نادر اور روشن مثال قائم کی ہے۔ اور عاجزی انکساری پر راضی برضا رہنے اور مشیت الٰہی کے سامنے جھک جانے کا ایک لازوال نمونہ پیش کیا ہے۔ اور انہوں نے یہ جان لیا۔ کہ وہ اس پیغمبری مرتبے تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اور صبر کے جس مقام پر ان کے شوہر پہنچ گئے ہیں۔ یہ وہاں تک عروج و بلندی حاصل نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ وہ ایک اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ اور یہ ان کی پیروکار امت کی ایک فرد لیکن آپ مسلسل ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتی رہیں۔ اور اس کا انہوں نے حق ادا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر پختہ ایمان رکھ کر حضرت ایوب علیہ السلام کی محبت میں ثابت قدم رہیں۔ اور جب تک اللہ کریم نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفاء کلی عطا نہیں فرمائی۔ اور وہ صحیح سالم نہیں ہو گئے۔ ان کے پائے اطاعت میں لغزش نہیں آئی۔ اللہ کریم اس کا یہاں خود فرماتے ہیں۔

"بے شک ہم نے انہیں ثابت قدم پایا۔ بہت خوب بندے تھے بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے"۔

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝

﴿ص: ۴۴﴾

واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام صابر احادیث مبارکہ میں:

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کہ صبر جمیل کا انجام ہمیشہ اچھا اور مبارک ہوتا ہے۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام اس معاملے میں صابروں کے امام و پیشوا ہیں۔ جو طرح طرح کے مصائب جھیل کر ایک اچھا نمونہ پیش کر گئے۔

اس دنیا میں حضرت ایوب علیہ السلام کا کڑا امتحان ہوا۔ کہ سوائے حضرت لیا خاتون کے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ رہا۔ صرف اس ایک صابرہ شاکرہ نے کڑے وقت میں آپ کا ساتھ دیا۔ سوائے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے باقی تمام مصائب و آلام ان کے ساتھ برابر برداشت کرتی رہیں۔ اور صبر و شکر کے ساتھ اور تسلیم کامل کے ساتھ راضی بہ رضا رہیں۔ اور اللہ کریم کی جانب سے امن و ایمان' سعادت و عبادت اور سکون قلب کا پروانہ حاصل کیا۔ اور یہ دونوں مل کر اٹھارہ برس تک صبر و تحمل کے ساتھ آلام و مصائب سے کشتی لڑتے رہے۔ اور جناب رب العزۃ میں سرخرو ہوئے۔ حتیٰ کہ آخر میں حضرت ایوب علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں ستدعا کی کہ وہ ان کی مصیبت کا خاتمہ فرما دے۔ تو اللہ کریم نے اس مشکل کا حل کس طرح فرمایا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

اور ایوب علیہ السلام کو یاد کرو۔ جب انہوں نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی۔

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ۝

﴿الانبیاء ۸۳۔۸۴﴾

"کہ مجھے ایذا ہو رہی ہے۔ اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی۔ اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کر دی۔ اور ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور بخشے۔ اور عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے"۔

اور یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے۔ اور حضور محبوب رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حضرت ایوب علیہ السلام اور آپ کی صابرہ شاکرہ بیوی کا قصہ بیان فرمایا ہے۔

اب ہم حضرت ایوب علیہ السلام کا بیماری سے شفا پانے کا واقعہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں معلوم کرتے ہیں۔ اور اس قصے میں جو روحوں کو بھی شفا بخشتا ہے۔ اور دلوں کے روگ بھی دور کرتا ہے۔ اور ایمان والوں کے لئے مونس جان ہے۔ دلچسپی لیتے ہیں۔

حضرت ابن حبان اور دیگر محدثین صحیح اسناد کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا:۔

کہ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس تک آزمائش میں پڑے رہے۔ اور آپ کے اپنے پرائے سب آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے دو بھائی جو آپ کے خاص رشتہ دار تھے اور صبح و شام آپ کی خبر گیری کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ کہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ ایوب سے کوئی نا کردنی گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ جس کی یہ سزا بھگت رہے ہیں۔ دوسرے نے پوچھا کونسا گناہ؟

پہلا کہنے لگا۔ اٹھارہ برس ہو گئے۔ آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہی نہیں ہوا۔ اب دوسرے نے شام کو حضرت ایوب علیہ السلام سے اس بات کا تذکرہ کر دیا۔

تو آپ نے فرمایا:۔

''جو تم کہہ رہے ہو۔ اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ہاں مجھے اتنا معلوم ہے۔ کہ دو آدمیوں کے پاس سے گزرا کرتا تھا۔ کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوتے تھے۔ اور بیچ میں اللہ تعالیٰ کا حوالہ دیتے تھے۔ اور میں گھر آ کر ان کی طرف سے کفارہ ادا کیا کرتا تھا۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد نہ بن جائیں۔

کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے ایک بیمار نبی کو کہیں دیکھا ہے؟

حضرت ایوب علیہ السلام روزانہ قضاء حاجت کے لئے باہر جاتے تھے اور واپسی پر انہیں حضرت لیا خاتون اپنے ہاتھ سے سہارا دے کر انہیں بستر پر لاتیں۔ اور ان کی دیکھ بھال کرتیں۔ ایک روز آپ قضاء حاجت کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور لیا کے پاس پہنچنے میں انہیں دیر ہو گئی۔ وہیں راستے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ کہ ہم نے کہا:۔

ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ

''زمین پر لات مارو دیکھو چشمہ نکل آیا۔ نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں''۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے گھر آنے میں دیر ہو گئی۔ تو حضرت لیا خاتون آپ کی تلاش میں نکلیں۔ تو آپ سامنے سے آ رہے تھے۔ کہ آپ کے جسم پر بیماری کی کوئی علامت نہیں تھی۔ اور

پہلے کی طرح ایک دم سے صحت منداور چاک و چوبند تھے۔لیکن حضرت لیا خاتون اس اچانک تبدیلی کی وجہ سے آپ کو پہچان نہ سکیں۔جب آپ نے انہیں دیکھا تو ایک اجنبی سمجھ کر ان سے پوچھنے لگیں۔اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے۔کیا آپ نے اس بیمار پیغمبر کو کہیں دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا۔وہ بیمار نبی میں ہی ہوں یہ سن کر آپ باغ باغ ہو گئیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش:

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے۔ایک گندم کا اور ایک جو کا۔اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے۔ایک گندم کے کھلیان پر برسا تو سونا بن کر بہہ پڑا۔اور ایک جو کے کھلیان پر برسا تو چاندی بن کر بہنے لگا۔(ابن حبان وابو یعلی وغیرہ محدثین)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حدیث مبارکہ درج کی ہے۔کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔کہ ایک بار حضرت ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر ننگے بدن غسل فرمارہے تھے۔کہ آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہونے لگی۔تو آپ اپنے ہاتھوں کو اٹھا اٹھا کر انہیں کپڑے میں اکٹھا کرنے لگے۔تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آواز دی۔کہ ایوب علیہ السلام ہم نے تمہیں کیا دولت دنیا سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ تو آپ نے عرض کیا۔اے میرے پروردگار ہاں کیوں نہیں! لیکن میں تیری برکت ورحمت سے تو بے نیاز نہیں ہوں۔

یہ وہ واقعات ہیں جو حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی بیوی کے بارے میں قرآن وسنت میں آئے ہیں۔اور وہ جو طول طویل چیزیں ان کے بارے میں اسرائیلی روایات سے منقول ہیں۔ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔

محترم قارئین میں چاہتا ہوں کہ کچھ ان منکر روایات کے بارے میں بھی عرض کر دوں۔جو حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی بیوی لیا کے بارے میں غیر مستند حوالوں سے درج ہیں۔جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔یا جو شخص انبیاء علیہم السلام کی قدر و منزلت کے بارے میں کچھ معلومات رکھتا ہے۔وہ ایسی اسرائیلی خرافات کو تسلیم کرنے کو کبھی تیار نہیں ہوگا۔امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ابن العربی سے نقل فرماتے ہیں کہ:

قرآن وسنت میں اتنا ہی ہے جو مذکور ہوا۔بس وہی درست ہے۔اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے بارے میں جو بے سروپا باتیں بعض کتب میں منقول ہیں سب من گھڑت اسرائیلی

روایات ہیں۔ جن کی قرآن وسنت میں کوئی اصل نہیں اور یہ جو آپ کی آزمائش کے بارے میں منقول ہے۔ کہ ان کا سارا جسم زخموں سے گل گیا تھا۔ اور اس میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ اور آپ کوڑھ (جذام) چیچک، جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور لوگ انہیں نفرت اور چھوت کی وجہ سے ایک اروڑی پر پھینک آئے تھے۔ یہ باتیں شان پیغمبری کے منافی ہیں۔ اس مقام پر...... مشہور مفسر علامہ سید رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر المنار میں بہت خوبصورت بات لکھی ہے۔ کہ تمام مسلمانوں کا عموماً اور اہل السنت کا خصوصاً اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ذلت آمیز اور قابل نفرت بیماریوں اور عارضوں سے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو محفوظ فرمایا ہے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا تبلیغ دین کے سلسلے میں لوگوں کے پاس آنا جانا ہوتا ہے۔ اور پیغمبر کے اندر اخلاقی اور جسمانی کوئی ایسی کمزوری نہیں ہوتی جس سے لوگوں کو نفرت ہو۔ اور اس کا اعتقاد رکھنا ہر مومن کے لئے لازمی ہے۔ اور اس کے خلاف کا انکار ضروری ہے۔

پھر علامہ رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کی ابتلا محض مال و دولت حشم وخدام ڈھور ڈنگر اور دوسری آسائش و راحت کا عارضی طور پر چھن جانا تھا۔ اور بیماری بھی ایسی نوع کی تھی۔ کہ جسم اور جلد پر ٹیسیں اور درد محسوس ہوتا تھا۔ اور جیسے اندرونی کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ ہڈیوں اور جوڑوں کے درد وغیرہ۔

جیسا کہ ظاہر ہے۔ آپ کی آزمائش مال و جان واہل کے بارے میں تھی۔ جس پر یہ میاں بیوی بفضل تعالیٰ شانہ پورے اترے اور ہر حال میں اللہ کریم کا شکر ادا کرتے رہے۔

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں۔ آپ کی بیماری طویل ہو گئی۔ اور ابتلا کا یہ دور برسوں پر محیط ہو گیا۔ اور شیطان نے آپ کو ناشکری پر ابھارنے کے لئے بہت جتن کئے۔ وسوسے آپ کے دل میں ڈالے۔ اور بالکل ناکام رہا کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور معصوم پیغمبر تھے۔ اور ان کا تعلق ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے جڑا رہا۔ اور وہ اپنے پروردگار کے شکر گزار رہے۔ جس پر شیطان لعین ناکام و نامراد ہوا۔ اور منہ کی کھا کر واپس لوٹا۔ جب حضرت ایوب علیہ السلام مکمل طور پر اللہ کریم کے شکر گزار تھے۔ اور شیطان کے باطل وساوس ان پر کوئی اثر نہیں کرتے تھے۔ اور وہ بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو گئے تھے۔ آخر کار امید کے آخری اور حتمی ملجا و ماوی اللہ کریم ذات گرامی کی طرف رجوع کر کے فریاد کی اور گڑگڑائے:۔

"اے اللہ کریم شیطان نے مجھے ایذاء اور تکلیف دے رکھی ہے"۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿ص : ۴۱﴾

اسی وقت رحمت الٰہی جوش میں آئی۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی بیوی پر رحمت خداوندی کی بارش ہونے لگی کیونکہ ان دونوں نے لمبی آزمائشوں پر ثابت قدمی دکھائی تھی۔ اور صبر جمیل پر عمل پیرا رہے تھے۔ اور یہ دونوں روئے زمین پر اس وقت عبادت گزار تھے۔ جو خیر اور نیکی کے خوگر تھے۔ خدائے روف رحیم نے ان کی عاجزی وانکساری قبول کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہم نے کہا۔ کہ زمین پر لات مارو۔ کہ دیکھو چشمہ نکل آیا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں"۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿ص : ۴۲﴾

اور تمام بیماری اور مصیبت کا کتنا آسان علاج اللہ کریم نے تجویز فرمایا کہ حکم ہوا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی کہ آپ نے اپنے پاؤں کو زمین سے چھوا تو صاف شفاف پاکیزہ پانی کا چشمہ زمین پر بہنے لگا۔ آپ کا اس چشمے سے پانی پینا تھا۔ کہ آپ بالکل صحیح و سالم اور تندرست ہو گئے چشمے کا پانی پینے سے آپ کی باطنی سب تکلیفیں جاتی رہیں۔ اور غسل کرنے سے ظاہری تکلیفیں ختم ہو گئیں۔ اور غسل کے دوران میں جس جس عضو بدن پر پانی پہنچتا گیا وہ تندرست ہو گیا۔ حتیٰ کہ آپ پہلے کی طرح چاک و چوبند ہو گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پہلے سے بھی زیادہ ہشاش بشاش ہو گئے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اللہ کریم نے ان کے لئے آسمان سے دو سفید کپڑے اتارے جس میں سے ایک آپ نے بطور تہ بند اور ایک بطور چادر زیب تن فرمایا۔ جن سے جسم تیزی کے ساتھ صحت مند ہونے لگا۔ اور بیماری کے اثرات فوری جاتے رہے۔ اور جوڑوں اور پٹھوں کے تمام درد کافور ہونے لگے۔ اور کوئی دکھ درد ظاہری یا باطنی باقی نہ رہا۔

اللہ اکبر! کتنا عظیم وآسان تھا یہ علاج اب بھی بہت سے اطباء کرام اس اصول علاج پر عمل کرتے ہیں۔ اور جلدی مریضوں کو بعض کبریتی چشموں پر غسل کرنے کی فرمائش کرتے ہیں۔

معروف طبیب عبداللطیف بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قاموس الاطباء میں جو طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر انہوں نے تحریر کی ہے۔ بہت سی چیزوں کے طبی خواص قرآن حکیم اور احادیث نبوی سے جو علم وحکمت کا ذخیرہ ہے سے استنباط کر کے لکھے ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی

کئی مسلمان طبیبوں نے بعض قدرتی چشموں کا ذکر فرمایا ہے۔ جس میں اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے بیماریوں کے لئے شفائی اثرات رکھے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کے کئی ملکوں میں شفائی اثرات کے حامل قدرتی چشمے موجود ہیں۔ جن سے وہ ملک اقتصادی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور ان شفائی چشموں کا پانی بوتلوں میں پیک کر کے تجارتی مقصد کے لئے دنیا کی تجارتی منڈیوں میں پیش کر کے معاشی فائدے حاصل کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم بعض بازاروں میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

علامہ راغی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی قابل قدر تفسیر میں حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں روحانی چشمے کا ذکر کیا ہے جسے اللہ کریم نے اپنا فضل و کرم فرما کر اپنے پیارے پیغمبر کی وساطت سے شفائی اثرات کا حامل بنا دیا۔

نوٹ:

بعض جدید مفسرین نے ان روحانی خواص کے حامل چشموں کو گندھک کی آمیزش کے چشمے قرار دیا ہے۔ جو ان کا ذاتی خیال ہے۔ حالانکہ یہ شفائی اثرات اللہ کریم نے اپنے محبوب پیغمبر کے قدم زمین پر مارنے پر پیدا فرما دیے۔۔ جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن میں ایڑیاں زمین پر رگڑنے سے اپنی قدرت کاملہ سے ساری دنیا کے لئے روحانی اثرات کا حامل چشمہ بیت اللہ شریف کے جوار میں ظاہر کر دیا۔ یہ بار بار گندھک کو بیچ میں لانا کیا ضروری ہے؟ جو خالق کائنات گندھک میں شفائی خواص پیدا کر سکتا ہے۔ وہ براہ راست کسی بھی پانی میں پیدا کر سکتا ہے۔ اور روایات احادیث میں گندھک کا کہاں ذکر ہے۔ اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے پیغمبروں اور اپنے پیاروں کے واسطہ سے ان روحانی شفائی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور پھر دنیا میں گندھک کا کونسا ایسا چشمہ ہے۔ جس میں غسل کرتے ہی اٹھارہ سالہ بیمار اسی وقت تندرست و توانا ہو جاتا ہے۔ یہ سب غیر مسلم مستشرقین کے باطل نظریات ہیں۔ جو ہمارے بعض جدید علماء اسلام نے قبول کر لئے ہیں۔ (فیاللعجب)

خاکسار مترجم کتاب محمد عبدالرشید قاسمی لاہور۔

لہٰذا جب حضرت ایوب علیہ السلام اس مبارک چشمے سے غسل کر کے واپس آ رہے تھے اور حضرت لیا خاتون اپنے شوہر کی تلاش میں جا رہی تھیں۔ کہ دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اتنی شدید بیماری میں اچانک آپ کو صحیح سالم چاک و چوبند دیکھ کر آپ انہیں پہچان نہیں سکیں۔ اور آپ سے ہی سوال کر

بیٹھیں۔ کہ کیا آپ نے کہیں ایک بیمار پیغمبر کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے ان کی حیرانی دور کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بیمار میں ہی ہوں۔ تو آپ ان کی معجزانہ شفایابی پر حیران رہ گئیں۔ اور وفور مسرت سے ہشاش بشاش ہو گئیں۔ اور سجدہ شکر بجالائیں۔ اور فرمانے لگیں کہ:۔

"میرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندگی بخشتا ہے"۔ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَاِنَّهٗ یُحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ۝

اللہ کریم لیا خاتون کا اکرام کرتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال شفقت سے حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت لیا خاتون کا خصوصی اکرام فرمایا۔ اور ان کا مال و دولت اھل وعیال' ڈھور ڈنگر' اونٹ گھوڑے جاگیریں زمینیں واپس لوٹا دیں اور تمام نعمتوں سے انہیں دوبارہ نواز دیا۔ علماء کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں کڑی آزمائش میں ڈالا۔ اور دنیا میں بھی انہیں کئی گنا زیادہ اجر و ثواب عطاء فرمادیا۔ اور پہلے مال و اولاد واپس کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو چھبیس بیٹے اور ارزائی فرمائے۔ اور حضرت لیا خاتون کے ساتھ اللہ کریم نے اکرام و اعزاز کا ایک خصوصی برتاؤ فرمایا۔ کہ مرض کے دوران میں کسی بات پر ناراض ہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی۔ کہ میں اپنی بیوی کو سو کوڑے ماروں گا کیونکہ ایک مرتبہ وہ گھر کے کسی ضروری کام میں دور نکل گئیں۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچنے میں انہیں دیر ہو گئی۔ جس پر آپ نے غیرت کے مارے یہ قسم کھالی۔ اور اب ان کی وفاداری اور خدمت گزاری کو دیکھ کر پریشان تھے۔ کہ میں ناحق انہیں کوڑے ماروں گا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صحت کاملہ عطاء فرمائی' تو ان کی قسم پوری کرنے کی غرض سے اللہ کریم نے انہیں یہ ترکیب بذریعہ وحی تعلیم فرمائی۔ کہ وہ ریحان (نازبو) کی سو نرم شاخیں لے کر ان کو ایک ہی دفعہ لیا خاتون کے ماردو۔ تو تمہاری یہ سو کوڑے مارنے کی قسم پوری ہو جائے گی۔

تو یہ تھا حضرت لیا کا اعزاز و اکرام جو اللہ کریم کی طرف سے خوشی اور راحت کی صورت میں انہیں مرحمت ہوا۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہر دم ڈرتے رہتے ہیں۔ وہ ایسے ہی انعامات کے حقدار ہوتے ہیں۔ اور اسی پر حضرت لیا خاتون کو تمغہ رضاء ربانی سے نوازا گیا۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کو امتحانات پر پورا اترنے پر امتیازی رعایات سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور اللہ کریم نے خود اپنی زبان رحمت سے ارشاد فرمایا:۔

''ہم نے انہیں صابر پایا کہ وہ ایک اچھے انسان تھے۔اور وہ بارگاہ الٰہی میں رجوع کرنے والے تھے''۔

إِنَّا وَجَدْنَٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُۥٓ أَوَّابٌ ○

﴿ص: ۴۴﴾

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ اللہ کریم کی اسی رخصت سے فائدہ اٹھا کر قسموں اور نذروں کے بارے میں فقہاء کرام نے آسان حیلے تجویز فرمائے ہیں۔اور دیگر فقہائے عظام نے کئی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے باب الحیل کا اضافہ کیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصی رخصت اور آسانی اللہ تعالیٰ کا حضرت ایوب علیہ السلام اور ان زوجہ محترمہ لیا خاتون کے لئے ایک خاص اعزاز اور پروانہ خوشنودی تھا۔جو ان مصیبتوں پر صبر کرنے اور راضی برضا رہنے پر بخشا۔

تو یہ تھی سیرت طیبہ اس صابرہ وطاہرہ خاتون کی جو دنیا کی شکر گزار خواتین کے لئے نمونہ عمل ہے۔الحمد للہ تعالیٰ انہیں نیک پاک خاتون کے ذکر سے ہم نے مشام جان کو معطر کیا ہے۔اور ہمیں امید ہے کہ ہمارا یہ بیان حدیث نبوی کے بھی مطابق ہے۔آئیں اب ہم آخر میں قرآن پاک کی زبان میں صابروں کی شان میں طب اللسان ہو کر اپنی زبانوں کو مطہر اور کانوں کو معطر کریں۔

''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی بشارت سنا دو۔ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے۔تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے۔اور یہی سیدھے رستے پر ہیں''۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○

﴿البقرہ: ۱۵۵۔۱۵۷﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہء محترمہ
حضرت صفورة

قرآنی پس منظر میں:

حضرت موسیٰ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کی بیوی کے قصہ میں کئی حیران کن اور نورانی مقامات آتے ہیں۔ اور کئی شیریں دل پذیر نازک واقعات پیش آتے ہیں۔ جو روح کے اندر ایک روحانی مسرت کو ابھارتے ہیں۔ اور انسانی جوہر کو بیدار کر کے ایمانی آسمان پر اسے ستاروں کی طرح جگمگ کر دیتے ہیں۔ اور اس سے ایک ایسا کامل انسان تخلیق کرتے ہیں۔ جس کا اپنے خالق سے مضبوط رابطہ ہو جاتا ہے۔ جو اسے جنت نعیم کی طرف لے جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی حالات:

آیئے! ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اور پھر ان کے ساتھ مقدس علاقے مدین کی جانب نکلتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ وہاں آپ کو کیسے کیسے تازہ واقعات پیش آتے ہیں۔ اور کیسے مدین کی دو نوجوان لڑکیوں سے ملنے کا پاکیزہ اتفاق ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ہم قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کریں گے۔

فرعونی محل:

دیکھیئے وہ فرعون کا عظیم شاہی محل ہے جو اونچی اونچی بھاری دیواروں سے گھرا ہوا ہے۔ اور کمروں میں گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں۔ اور فرعونی بودوباش کے نشانات اس سے ٹپک رہے ہیں۔ محل کی دیواروں پر ان جھوٹے خداؤں کی مورتیاں بنی ہوئی ہیں۔ جو پورے مصر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ایک بڑے ہال میں فرعون کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ جس نے پورے ملک کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اور بزعم خود خدا بنا ہوا ہے۔ اور کہتا ہے کہ:

"میں تمہارا رب ہوں"۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝

تو ایسے ماحول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پروان چڑھے۔ کہ وہاں کسی پاکیزہ وبودوباش کا نام نشان نہیں تھا۔ جو اس پاکیزہ فطرت انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتے اور ان کی کسی چیز سے متاثر ہوتے۔ کیونکہ ان کی فطرت تو اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں استوار ہوئی تھی۔ اور انہوں اس پاکیزہ خاندان کا دودھ پیا تھا۔ جن کی سیرتیں وحی کے ڈھانچے میں ڈھلی ہوئی تھیں۔ اللہ کریم نے اپنی کمال حفاظت سے انہیں شرک و بت پرستی کے جنجال سے بالکل بچائے رکھا تھا۔ اور توحید ان کی گھٹی میں رچی بسی ہوئی تھی۔ باوجود یکہ آپ کی تربیت اور نگرانی پر فرعونی محل کے بڑے بڑے گھاگ بت پرست پیشوا متعین تھے۔ جو چند فرعونی سکوں کے بدلے میں بکے ہوئے تھے۔ اور ہدایت کے بدلے میں گمراہی سمیٹ رہے تھے۔

کمال نبوت ورسالت:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے۔ تو اس نوخیز نوجوان کو اللہ کریم نے علم وحکمت یعنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ اور انسانی کمال کے لئے نبوت و رسالت سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں۔ جو اللہ کریم نے اپنے منتخب اور پسندیدہ بندوں کو عطا فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دین کے سمجھانے پر متعین تھے جسے انہوں نے اپنے پاکیزہ کردار آباؤ اجداد سے حاصل کیا تھا۔ جن میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی سرفہرست ہے۔ اور براہ راست اللہ کریم سے مرتبہ نبوت پاکر بذریعہ وحی الٰہی ایک نئے مکمل دستور کی صورت میں اپنی امت کے سامنے پیش فرمایا۔

اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کئی امتیازی خصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ نے بت پرستی کے گھمبیر ماحول میں رہتے ہوئے بھی کبھی کسی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ اور ایک نوازش الٰہی آپ پر یہ ہوئی کہ قادر مختار نے انہیں علوم روحانی اور قوت جسمانی سے بھرپور حصہ عطا فرمایا۔ اب وہ تعلیمات الٰہی کو بڑے بڑے سرکش لوگوں تک پہنچانے میں کسی قسم کا خوف و ڈر خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اور سوائے خداوند کریم کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص انعام تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلتے ہیں:

اور اسی قوت وزور کو ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک سے نکلنے کا ذریعہ بنا

دیا ہوا یوں کہ ایک دن آپ اچانک مصر شہر کے بازار میں نکلے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اور گرمی زوروں کی پڑ رہی تھی۔ اور لوگ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔ اسی دوران میں کہ آپ ایک طرف کو چلے جا رہے تھے۔ کہ آپ نے دیکھا دو شخص آپس میں لڑتے ہوئے دست و گریبان ہیں۔ جن میں ایک اسرائیلی اور ایک فرعون کے محل کا ایک افسر جو کہ قبطی اور فرعون کی قوم کا ایک فرد تھا۔ اور ظاہر ہے کہ افسر ایک غلام قوم کے اسرائیلی فرد پر ظلم کر رہا تھا۔

لہٰذا جب اسرائیلی شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ تو قبطی کے مقابلے میں مدد کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور فریاد کی۔ اور یہ قبطی ان دنوں کی مخالف قوم کا دشمن فرد تھا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کی حمایت میں آ کر ایک مکا مار دیا۔ اور وہ آپ کا طاقتور بھاری مکا برداشت نہ کر سکا۔ اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے ہرگز مارنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو جھگڑا ختم کرنا اور اسے ڈرانا دھمکانا چاہتے تھے۔

اس امر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گہرا رنج پہنچا۔ لیکن اب تو جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام رات بھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب گار ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہے۔ اسی بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تو مجھے بخش دے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ﴿القصص: ١٦﴾

لہٰذا اللہ کریم نے اپنے بندے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور

تو خدا نے انہیں بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

فَغَفَرَلَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ ﴿القصص: ١٦﴾

اسی موقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے عہد کیا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔

"اے میرے پروردگار! تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے میں آئندہ کبھی گنہگاروں کا مددگار نہیں بنوں گا"۔

رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ○ ﴿القصص ١٧﴾

صبح کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے کارندوں سے ڈرتے ڈرتے شہر میں

نکلے۔ آپ کو اندیشہ ہوا۔ کہ کہیں لوگوں کو معلوم نہ ہو جائے کہ کل جو آدمی قتل ہو گیا تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی کی حمایت میں قتل کیا ہے۔ کیونکہ انہیں پورا شک تھا کہ موسیٰ علیہ اسلام اپنی قوم کے ہی ایک فرد ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعونی محل میں رہ کر اپنی قوم اسرائیل کے لئے فلاح و بہبود کا کوئی کام کرنا مشکل تھا۔ لہٰذا انہوں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ اب ان کا فرعون کے محل اور کفر کے گڑھ میں رہنا نامناسب ہے۔ کہ اس کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔

آپ اسی طرح دل میں کئی خدشات لئے چلے جا رہے تھے۔ کہ آپ نے اسی اسرائیلی کو کسی دوسرے قبطی سے لڑتے ہوئے دیکھا۔ جو انہیں آوازیں دے رہا تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام آیئے میری مدد کیجئے! یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ میں آ گئے۔ اور بار بار جھگڑا کرنے پر آپ کو اس اسرائیلی پر بہت طیش آیا۔ اور اسے فرمانے لگے:۔

”بے شک تو صریح گمراہ ہے“۔ اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ○ ﴿القصص: ۱۸﴾

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ جب اسرائیلی کو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ تو وہ خوف اور بدحواسی سے کہنے لگا:۔

”اے موسیٰ علیہ السلام جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا۔ اسی طرح چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو“۔ یٰمُوْسٰٓی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ﴿القصص ۱۹﴾

اس طرح قتل کی یہ خبر فرعون تک پہنچ گئی۔ تو جب معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو قتل کیا ہے۔ تو اس نے ان کی تلاش میں آدمی بھیج دیئے۔ لیکن فرعون کے کارندوں کے آنے سے پہلے ہی آپ کا ایک خیر خواہ شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا۔ اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ اور آپ کو مصر سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔

مصر سے روانگی:

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران و سراسیمہ مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور آپ کو نہیں معلوم تھا کہ کدھر کو جائیں۔ کیونکہ اس سے پہلے آپ کبھی مصر سے کہیں باہر نہیں گئے تھے۔ اور پھر آپ کو پکڑے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ جب آپ نکلے ہیں۔ اس وقت مصر پر رات کا پہرہ تھا۔ جب آپ اس راستے پر

چل پڑے جو مدین کی طرف جاتا تھا۔ تو آپ نے اللہ کریم سے فریاد کی۔ اور اپنے آپ کو اسی کے سپرد کیا۔ اور دعا کی کہ وہی کسی صحیح منزل پر لے جائے۔ اور حقیقت میں یہی راستہ جس پر آپ رواں دواں تھے آپ کی منزل مقصود کی طرف جاتا تھا۔ (قصص الانبیاء ابن کثیر و تفسیر الرازی)

مدین کی طرف روانگی:

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں پکڑے نہ جائیں۔ نہایت احتیاط سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے سرزمین مصر سے دور نکل گئے۔ آپ اکیلے ہی جنگلوں اور صحراؤں کو طے کرتے چلے جا رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی آپ کا مونس و ہمدرد نہیں تھا۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کی زمین پر چلے جا رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا کرم فرمایا۔ اور آپ کا رخ منزل مقصود کی طرف پھیر دیا۔ اور وہاں پہنچ گئے جہاں تک فرعون کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اور اس مقام کا نام مدین تھا۔

"مدین" حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا شہر تھا۔ جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان تبوک کا ایک تجارتی مرکز تھا۔ یہیں پر وہ کنواں ہے۔ جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے مویشیوں کو پانی پلایا تھا۔ علامہ یاقوت اور قزوینی ابوزید سے نقل کرتے ہیں۔ کہ زید فرماتے ہیں۔ کہ میں یہ کنواں دیکھا ہے۔ یہ اوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ اور اس کے اوپر ایک عمارت بنا دی گئی ہے۔ اور شہر والوں کو اسی کے چشمے سے پانی پہنچتا ہے۔ اور لوگ اس کنوئیں کی زیارت کرتے ہیں۔ اور "مدین" کا ذکر عربی شاعروں کے اشعار میں بھی آتا ہے۔ اور مدین کے رہبان اور وہ لوگ جن سے میں نے ملنے عہد کیا تھا وہ عذاب کے ڈر سے بیٹھے رو رہے ہیں۔ اگر وہ اس کی باتیں لیتے جیسے میں نے سن رکھی ہیں تو عزۃ کے لئے رکوع و سجود میں گر جاتے۔ چنانچہ عزۃ اپنی ایک غزل میں لکھتے ہیں:۔

وَرُهْبَانَ مَدْيَنَ وَالَّذِيْنَ عَهِدْتُهُمْ   يَبْكُوْنَ مِنْ حَذَرِ الْعِقَابِ قُعُوْدًا
لَوْ يَسْمَعُوْنَ كَمَا سَمِعْتُ حَدِيْثَهَا   خَرُّوْا لِعَزَّةَ رُكَّعًا وَّسُجُوْدًا

حضرت ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مصر اور مدین کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین آ کر اس عظیم کنوئیں کے پاس فروکش ہوئے۔ جس سے لوگ اپنی بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کو پانی پلاتے تھے۔ اور وہاں کے لوگوں کا دستور تھا۔ کہ جب کوئی مسافر ایسی جگہ پہنچتا جہاں اس کی جان پہچان کا کوئی نہ ہوتا تو وہ ایسے ہی کسی معروف مقام پر آ جاتا جہاں لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلانے اکٹھے ہوتے تھے۔ وہیں اس کا کسی سے تعارف ہو جاتا اور وہ کسی کا مہمان بن جاتا۔

لیا اور صفورا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر پہنچے ہیں اس وقت لوگ وہاں اکٹھے ہو کر اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں سے دور ہٹ کر ایک نشیبی جگہ پر دو خواتین اپنے بکریوں کے ریوڑ کو روکے کھڑی تھیں۔ تاکہ ان کی بکریاں دوسروں کی بکریوں میں نہ مل جائیں۔ اور لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلے جائیں اور وہ ان کے بعد اپنے مویشیوں کو پانی پلائیں۔ یہ اس لئے کہ وہ ناتوان ضعیف تھیں اور دوسرے پانی پلانے والے طاقتور لوگ تھے۔ اور یہ بات بھی تھی کہ وہ مردوں کی صفوں میں جا کر اپنی شرم وحیا کو قربان نہیں کر سکتی تھیں۔ مورخوں نے لکھا ہے ان میں بڑی کا نام لیا اور چھوٹی کا نام صفورا تھا۔ اور یہ دونوں بہنیں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کنوئیں پر اہل مدین کی یہ طرز معاشرت ملاحظہ فرمائی۔ تو یہ دیکھ کر آپ کو اپنی بھوک پیاس اور تھکاوٹ بالکل بھول گئی۔ اور آپ کے دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا۔ اور وہ ایک نیک اقدام پر آمادہ ہو گئے جو انہیں بذریعہ الہام القاء ہوا۔ کہ ان خواتین کو اس وقت مدد کی ضرورت ہے۔ اور مجھے اس وقت ان کے ریوڑ کو پانی پلا کر ان بیچاریوں کی مدد کرنی چاہیے۔

لوگوں پر شفقت کرنا اور انسانوں سے نیک برتاؤ کرنا چاہے وہ انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اعلیٰ ظرفی ہے۔ اور اولوالعزم پیغمبروں کا حسن اخلاق ہے۔ اور نیکو کاروں اور سچے لوگوں کا طرز زندگی ہے۔

اور یہ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے کلیم بننے کو دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ اور اس وقت اپنے ملک مصر سے دور غریب الوطن اور بے سہارا تھے لیکن آپ کا پاکیزہ قلب اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت کی جولانیوں کا مرکز تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے مضبوط نظام سے مربوط تھے۔ اس وقت غریب الوطن اور بے سہارا ہونے کے باوجود انہوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر ان کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اور رافت وہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لڑکیوں سے پوچھا۔

"محترم خواتین تمہارا کیا معاملہ ہے۔" ﴿مَا خَطْبُكُمَا﴾ (قصص: ۲۳)

یعنی تم اس طرح کنارے کیوں پریشان کھڑی ہو۔ اور کیوں تم نے اپنے ریوڑ کو روک رکھا ہے؟ لڑکیوں نے جواب دیا۔ کہ ہم مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اور دوسرے چرواہوں کے منہ نہیں لگ سکتیں۔ اس لئے ہم ان کے جانے کے بعد ہی پانی پلاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ تم خود بکریاں کیوں چراتی ہو۔ انہوں نے بتایا۔ کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ اور وہ بوجہ ناتواں ہونے کے بکریاں نہیں چرا سکتے۔ اور نہ انہیں پانی پلا سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ کام کرنا پڑتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بے بسی ملاحظہ فرمائی۔ تو ان سے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری بکریوں کو پانی پلا دوں۔

اور اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ چرواہوں نے کنوئیں کے اوپر ایک بھاری پتھر رکھ دیا ہے۔ جسے کئی آدمی مل کر بھی نہ اٹھا سکیں۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر یہ بھاری پتھر اٹھا کر ان خواتین کے ریوڑ کو پانی پلا دیا اور پتھر دوبارہ کوئیں کے اوپر رکھ دیا۔ اور بکریوں کو پانی پلا کر آپ ایک قریبی درخت کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ اور انہیں گیلے کپڑوں میں سفر کے تھکے مارے بھوکے پیاسے آرام کرنے لگے۔ اور زبان و دل سے اپنے پروردگار سے لو لگانے لگے۔ اور عرض کرنے لگے۔ اے میرے پرودگار! میں اس شدید گرمی میں تیرا محتاج ہوں۔ پروردگا! میں تنہا ہوں و کمزور ہوں۔ پروردگار میں تیرے فضل و کرم کا محتاج ہوں۔ قرآن کریم نے اس وحشت ناک صورت حال کی تصویر کشی یوں کی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝

﴿القصص: ۲۳﴾

"اور جب مدین کے پانی کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے ہیں اور اپنے چارپائیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور ان کے ایک طرف دو عورتیں اپنی بکریاں روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تمہارا کیا کام ہے۔ کہنے لگیں۔ کہ جب تک چرواہے اپنے چارپایوں کو لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں۔ اور ہمارے والے بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بکریوں کو پانی پلا دیا۔ پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے کہ پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی رحمت نازل فرمائے"۔

ہاں! حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف ایک اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی سابقہ نعمتوں کو یاد کر کے ہر وقت اس ذات باری کی شکر گزاری کرتے۔ اور حمد وثنا کرتے اور اسی سے ہر چیز طلب کرتے۔ اور یہ دعا بھی آپ نے مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کی اور اسی سے اس مہم میں مدد چاہی۔ اور خیر سے آپ کی مراد کھانے پینے کی مدد تھی۔ اور یہ دعا چونکہ آپ نے ان دو خواتین کے سامنے کی تھی۔ جس سے ان کو معلوم ہو گیا۔ کہ نوجوان بھوکا پیاسا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ مسلسل سات دن سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

میرے والد آپ کو بلاتے ہیں:

وہ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور وہ دونوں بہنیں آج حسب معمول جلد اپنے والد کے پاس پہنچ گئی ہیں حالانکہ وہ عموماً روزانہ دیر سے گھر پہنچا کرتی تھیں۔ اس موقعہ پر ان کے والد محترم نے تعجب کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔ کہ آج خلاف معمول اتنی جلدی تم کیسے واپس پہنچ گئیں۔ اس پر انہوں نے آج کا گزرا ہوا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ کہ کس طرح سے ایک اجنبی نوجوان نے ان کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلا دیا۔ اس پر ان کے بوڑھے باپ نے الحمدللہ رب العلمین کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

پھر آپ کی بیٹی صفورہ نے کہا۔ ابا جان وہ شریف شخص کسی دور دراز جگہ سے آیا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ علامات وقرائین سے وہ مسافر لگتا ہے۔ اور پھر وہ بھوک سے نڈھال ہوا لگتا ہے۔ اور یہ سب باتیں اس کی چہرے سے معلوم ہو رہی ہیں۔ اس پر اس کے والد محترم نے کہا۔ بیٹی! جاؤ اور اسے یہاں بلا لاؤ۔ اور اسے جا کر کہو۔ کہ:

"تم کو میرے والد بلاتے ہیں۔ کہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا۔ اس کی تمہیں اجرت دیں"۔

إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا

﴿القصص ۲۵﴾

یہ سن کر صفورہ خاتون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے چلی گئیں قرآن کریم نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی"۔

فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَآءٍ

﴿القصص ۲۵﴾

دیکھیں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دو طرح سے اکرام فرمایا ہے۔

۱۔ اللہ کریم نے آپ کی دعا قبول فرمائی جو آپ نے بارگاہ رب العزت میں کی تھی۔ کہ اے رب کریم میں ہر خیر میں تیرے فضل و کرم کا محتاج ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام جیسے مددگار و ہمدرد کو آپ سے ملا دیا۔ جن کے ذریعہ سے آپ کی ضروریات پوری ہوتیں اور وہیں آپ کی شادی بھی ہو گئی۔

۲۔ ان کے والد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔ بلکہ فوراً اپنی بیٹی کے ذریعے سے انہیں بلا بھیجا۔ اور ابھی آپ اسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

مورخین نے تو یہ لکھا ہے۔ کہ جو خاتون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے آئی تھیں۔ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی چھوٹی بیٹی صفورہ تھیں۔ لیکن قرآن کریم میں اس لڑکی کے نام کی صراحت نہیں ہے۔

حیاداری کا لباس:

حضرت صفورہ وہ ممتاز خاتون ہیں۔ جن کی حیاداری کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مدح سرائی فرمائی۔ اور حیاداری عورت کا وہ لباس ہے۔ جس سے اس کی اصل خوبصورتی قائم ہوتی ہے۔ بلکہ نسوانیت کا اصل شعار ہی حیاداری کا پاکیزہ وصف ہے۔

آیئے اب ہم حضرت صفورہ خاتون کی شرم و حیا کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

"کہ ان میں ایک نہایت حیاداری سے چلتی ہوئی آپ کے پاس پہنچیں"۔ فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ

خدائے رحیم کے کلام سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ حیاداری کے وصف سے پوری طرح متصف تھیں اور اس سے بڑھ کر کسی کے لئے شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ خود خدائے واحد نے آپ کو تقویٰ پاکدامنی اور پاکیزگی کے خصائل سے مخصوص و ممتاز فرما لیا۔

حضرت صفورہ نہایت باوقار چال سے چلتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں۔ حضرت ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ان کی چال میں عام بازاری عورتوں کی طرح ناز و نخرہ اور مٹکنے کی کیفیت بالکل نہیں تھی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ حضرت صفورۃ خاتون اپنے چہرہ کو کپڑے سے اچھی طرح چھپا کر نہایت حیاداری کی کیفیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضور آئیں۔ حالانکہ ان کی شریعت میں چہرے کا پردہ لازمی نہیں تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا پیغام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام:

حضرت صفورۃ خاتون نے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے والد کا زبانی پیغام نہایت ادب کے ساتھ حرف بحرف پہنچا دیا۔ کہ:

إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا

''میرا باپ آپ کو بلاتا ہے۔ تاکہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا ہے۔ آپ کو اس کا بدلہ دیں''۔

﴿القصص: ۲۵﴾

حضرت صفورۃ کا اپنے والد کی طرف سے یہ پیغام نہایت شریفانہ اور باوقار تھا جس سے ان خاتون کی عفت' پاکیزگی اور نسوانی حسن اخلاق کا مکمل اظہار ہوتا تھا۔ اس طرح انہوں نے نہایت مختصر لفظوں میں یہ پیغام حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا دیا۔ کیونکہ وہ اپنے ہر کام کی امین اور نگران تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کی فطرت کتنی سلیم اور تربیت کتنی اعلیٰ درجے کی ہوئی تھی۔ اور پھر انہیں اپنی پاکبازی اور صفائی قلب پر مکمل اعتماد تھا۔ اس لئے اپنے والد کا پیغام پہنچاتے ہوئے ذرا نہیں ہچکچائیں۔ اور پوری بات حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا دی۔ اور ذرا بھر کمی بیشی نہیں کی۔ اور نہ کوئی فالتو بات انہوں نے کی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ پیغام سنتے ہی لمحہ بھر کو بجلی کی چمک کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا وہ عمل تصور میں ابھرا۔ جو آپ نے بطور حسن سلوک کے ان حیادار خواتین کے ساتھ اپنایا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ خیال کہ وہ عمل میں نے کسی بدلے اور عوض کے لئے تو نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ عمل تو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور انسانی ہمدردی کی بناء پر کیا تھا۔ اور وہی مجھے اس کی بہتر جزا دے گا۔ لیکن آپ حضرت صفورۃ کی فطری شرم و حیا اور کمال ادب سے بہت متاثر ہوئے۔ کہ انہوں نے تو اپنے والد محترم کا مخلصانہ پیغام ان تک پہنچایا تھا۔ اور یہ دعوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک خصوصی اعزاز و اکرام تھا۔ جس میں آپ کی فلاح و بہبود اور کامیابی کا اشارہ ملتا تھا۔

اورعفت و پاک دامنی کی صفات میں اللہ کریم نے اس پاک خاتون کوڈھالا تھا جنہوں نے آخرکوایک اولوالعزم پیغمبر کی زوجیت کا افتخار حاصل کرنا تھا۔اوراس پاک ذریت کی ماں بننے کا اعزاز پانا تھااور جسے اللہ کریم کی نیابت کا بار اٹھانا تھا اور خودانہوں نے اپنے زمانے کی تمام خواتین کے لئے پیشوائی کا تمغہ اپنے مبارک سینے پر سجانا تھا۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ بعدکوحضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجیت کے لئے اسی آنے والی خاتون کواپنے لئے پسند فرمایا تھا۔جس کا نام صفورۃ تھا۔اورعمر میں دوسرے نمبر تھیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نیکوکار بزرگ کی دعوت قبول کرنے کے لئے صفورۃ کے ہمراہ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر کو چل پڑے اور روایات میں آتا ہے کہ آپ نے صفورۃ سے فرمایا اللہ کی بندی! میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔اور مجھے دائیں بائیں راستے کا اشارہ کرتی جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں:

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے چل کر حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکرانہیں سلام کیا۔اورانہیں اپنا نام ونسب بتایا۔اور یہ بھی بتادیا کہ کن حالات میں وہ مصر سے چل کر یہاں پہنچے ہیں۔قرآن کریم دو پیغمبروں کی اس ملاقات کواس طرح بیان کرتا ہے:۔

”جب وہ ان کے پاس گئے۔اوران سے اپنا ماجرا بیان کیا۔توانہوں نے کہا۔کہ کچھ خوف نہ کروتم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو“۔

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿القصص :۲۵﴾

تو اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف دور کردیا۔اور انہیں حوصلہ دیا۔کہ یہاں تک ظالم فرعون کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے۔اورنہ ہی کوئی فرعونی کارندہ یہاں آسکتا ہے۔کیونکہ مدین کا یہ خطہ فرعون کی سلطنت سے باہر ہے۔بلکہ یہ علاقہ کنعانیوں کے زیرنگین ہے اور یہاں ان کی اپنی طاقتور خودمختار حکومت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی:

مردصالح حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکاح کے واقعے کوخود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔اور ظاہر ہے کہ خود صفورۃ خاتون نے ہی نکاح

کے اس موضوع کو اپنے والد کے سامنے اٹھایا۔ جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

"ایک لڑکی کہنے لگی۔ کہ ابا جان انہیں نوکر رکھ لیجئے۔ کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے جو توانا اور طاقت ور ہو۔"

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۖ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝

﴿القصص: ٢٦﴾

اور یہ معاملہ حضرت صفورۃ نے نہایت ادب تمیز کے ساتھ اپنے والد کے سامنے پیش کیا۔ تا کہ بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال ہو سکے۔ اور گھر کے حالات رو بہ اصلاح ہو جائیں۔ کیونکہ اس سے پہلے گھر کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نوجوان گھر میں نہیں تھا۔ اور یہ مشکل کام اور دوسری ذمہ داریاں خود یہ دونوں بہنیں ہی سرانجام دیتی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی ذمہ داریاں عورتوں کے لئے بہت کٹھن ہوتی ہیں۔ جبکہ انہیں مردوں سے بھی واسطہ پڑتا ہو۔ گونا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایک اجڈ اور جاہل قوم میں جنہیں اخلاقی قدروں کا کوئی پاس لحاظ نہ ہو۔ ان تکلیف دہ حالات میں صفورۃ چاہتی تھیں کہ ان کی عزت و ناموس محفوظ ہو۔ اور وہ آبرومندانہ طریقے سے معاشرے میں زندگی کے دن گزار سکیں۔ اور اب انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پاکباز اور امانت دار نوجوان کی صورت میں امید کی ایک نئی کرن نمودار ہو گئی تھی۔ کہ اب انہیں غیر مردوں میں اس مشکل کام کے لئے خوار نہیں ہونا پڑے گا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمت و مردانگی اور اخلاق و مروت کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھے۔

اور اب یہ مناسب موقع تھا۔ اور وہ اپنے والد کو رائے دے رہی تھیں۔ جو بوڑھا ہونے کی بنا پر ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے سے قاصر تھے۔ اور بہت ناتوان ہو چکے تھے۔ کہ اب یہ ذمہ داریاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سونپ کر انہیں گھر کا ایک فرد بنا لیں۔ کہ وہ طاقت و امانت کی خوبیوں کی بنا پر یہ بار اٹھا سکتے ہیں۔ حضرت صفورۃ خاتون کی اس پیش کش کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ جس کا بیان اوپر ہوا ہے۔ اور اس کام کی ذمہ داری سنبھالنے کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ ان میں طاقت اور امانت کی خوبیاں موجود ہیں۔ جو ایک نوجوان میں اعلیٰ ترین خوبیاں شمار ہوتی ہیں۔ اور یہ ایک حکیمانہ مشورہ تھا۔ جو صفورۃ خاتون نے اپنے بوڑھے باپ کے گوش گزار کیا تھا۔

حضرت صفورۃ خاتون کی دانش مندی:

حضرت صفورۃ کی فراست و سمجھداری کی گواہ وہ روایت ہے۔ جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

کہ تین اشخاص بہت زیادہ دانش مند واقع ہوئے ہیں۔

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے آقا عزیز مصر! کہ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا۔ کہ "اَکْرِمِیْ مَثْوٰہُ" اس غلام کو بہت عزت واکرام سے رکھنا۔ اس سے ہمیں فائدے گا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی صفورۃ خاتون! کہ انہوں نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ اس نوجوان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو گھر کا فرد بنالیں۔

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب جیسے مدبر اور منتظم شخص کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔

ان تینوں نے بہت ہی فراست ودانش مندی کا ثبوت دیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے بیٹی کے اس مشورہ کو فوراً قبول فرمالیا۔ اور گھر کا فرد بنانے کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کو ان کی زوجیت میں دے کر گھر کا مالک ومختار بنادیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حسن سلوک کا یہ کہہ کر حق ادا کیا۔ کہ:

"احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے"۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝

کہ نیک سلوک کا بدلہ نیک سلوک کی صورت میں ہی ہونا چاہیے۔

کہ اس صاحب فراست پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسن سلوک کا کردار ملاحظہ فرمایا۔ تو فوراً ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور انہیں نوازنے کے لئے بیٹی کے ذریعے بلا بھیجا۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام نے نور بصیرت سے معلوم کرلیا۔ کہ یہ نوجوان ان لوگوں میں سے ہے جن میں برگزیدہ الٰہی بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اور جنہیں اللہ کریم اپنی نبوت ورسالت کے لئے منتخب فرمالیتا ہے۔ اسی لئے آپ نے ان کے سامنے اپنی ایک بیٹی کے ساتھ نکاح کی تجویز پیش فرمائی۔ اس شرط پر کہ چند سال ان کے ساتھ رہ کر ان کی بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کریں۔ اور گھر کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اور اس کے لئے آپ نے آٹھ برس کی مدت مقرر فرمائی۔ قرآن پاک کی زبان میں اس واقعہ کا بیان یوں ہے:۔

"انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں۔ اس عہد پر کہ تم آٹھ برس میری خدمت کرو۔ اور اگر دس سال پورے کر دو۔ تو وہ تمہارا احسان ہے۔ اور میں تم پر تکلیف ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھے انشاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے"۔

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

﴿ القصص : ٢٧ ﴾

معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صفورۃ کا نکاح ہی اصل مقصود تھا۔ یہ بھیڑ بکریاں چرانے کا معاملہ گھر کے معاملات سنبھالنے کے طور پر حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ کے ذمہ لگایا تھا۔ اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت صفورۃ کی بہتری کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔ کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ سے فرمایا۔ کہ میں بطور مشقت کے یہ کام آپ کے ذمہ نہیں لگانا چاہتا۔ بلکہ اس میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ اور یہ گھربار اور مال مویشی تمہارے ہی کام آنے والے ہیں۔ اور اس سلسلے میں آپ مجھے نیکوکار اور باوفا پائیں گے۔

اور اس معاملے سے ایک اور معاشرتی مستنبط ہوتا ہے۔ اگر لڑکا نیک و صالح ہو۔ تو ولی بذات خود اپنی بیٹی وغیرہ کا رشتہ اسے پیش کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا مستحب اور افضل ہے۔ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ کہ جب کسی ولی کو کوئی صالح پرہیزگار لڑکا نظر آ جائے تو وہ اس کو اپنی بیٹی کے شایان شان جان کر اس کے لئے انتخاب کر لے۔ اور اس معاملے میں اس پر کسی قسم کی نکیر نہیں کرنی چاہیے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور کتاب صحیح بخاری میں کتاب النکاح میں اس سلسلے میں ایک مستقل عنوان مقرر کیا ہے۔ جس کا انہوں نے یہ نام رکھا ہے:۔

"بَابُ عَرْضِ الْاِنْسَانِ ابْنَتَهُ اَوْ اُخْتَهُ عَلٰى اَهْلِ الْخَیْرِ"

اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کسی نیک شخص کے لئے پیش کرنے کا بیان۔

اور اس بارے میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصے کا ذکر کیا ہے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیسے اپنی بیٹی کا رشتہ حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش فرمایا۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔ اسی طرح کوئی عورت بھی کسی صالح مرد کو اپنا رشتہ پیش کرسکتی ہے۔ اس پر بھی امام بخاری اس عنوان پر ایک مستقل باب باندھتے ہیں:

"بَابُ عَرْضِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا عَلَى الرَّجُلِ الصَّالِحِ"

"عورت کا اپنا رشتہ کسی نیک آدمی کو پیش کرنے کا بیان"

اور اس سلسلے میں بھی ایک عورت کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ کہ ایک خاتون نے اپنا رشتہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ تو ایک شخص نے یہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت کا نکاح مجھ سے فرما دیجئے یہ بات شرع شریف سے ثابت ہے۔ اور اس کے اندر کئی فوائد ہیں۔

آیئے! اب پھر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صفورۃ کے والد حضرت شعیب علیہ السلام کی تجویز سے متفق ہو گئے۔ اور ان کے گھر کا انتظام و انصرام اپنے ذمہ لینے اور بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کے لئے تیار ہو گئے۔ اور اس پر اپنی مکمل رضامندی کا اعلان کر دیا۔ اور نکاح کا یہ معاہدہ طے ہو گیا۔ قرآن کریم اس تاریخی معاہدے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

"موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ کہ مجھ میں اور آپ میں یہ عہد پختہ ہوا۔ میں جونسی مدت چاہوں پوری کر دوں۔ پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے"۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس معاہدے پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہا۔ کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اس پر قائم رہوں گا۔ اور سر مو اس سے انحراف نہیں کرونگا۔ اور اللہ کریم کو بیچ میں لانے کا یہ مطلب ہے۔ کہ دونوں اس معاہدے پر ثابت قدم رہیں گے۔

اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر تفسیری نوٹ لکھا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ط

"کہ جو معاملہ ہم آپس میں طے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے"۔

اور مخلوق میں سے دوسرا کوئی شخص اس معاہدے پر گواہ نہیں تھا۔ بلکہ فریقین نے ان معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ کو بیچ میں رکھا۔

آثار و تواریخ اور احادیث صحیحہ سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے طویل مدت کو اختیار فرمایا۔ اور صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ مجھ سے خیرہ کے ایک یہودی نے سوال کیا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں سے کون سی مدت پوری کی تھی۔ میں نے کہا' مجھے معلوم نہیں۔ میں کسی عرب عالم سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ زیادہ طویل مدت اور زیادہ خوشگوار مدت۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول جو کہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر الدر المنثور میں خطیب بغدادی سے روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تم سے پوچھا جائے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری فرمائی تھی۔ تو بتائیے کہ سب سے بڑی اور بہتر اور جب تم سے سوال ہو۔ کہ کونسی خاتون سے آپ نے نکاح فرمایا۔ تو کہو کہ ان دونوں میں سے چھوٹی کے ساتھ۔ اور یہ وہی خاتون تھیں۔ جو اپنے والد محترم کا پیغام لے کر آپ کے پاس آپ کو بلانے کے لئے تشریف لائی تھیں۔ اور جب اس خاتون نے باپ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قوی اور امین ہونے کا ذکر کیا۔ تو والد نے پوچھا۔ کہ اس کی طاقت کا اندازہ تمہیں کیسے ہوا؟ تو خاتون نے بتایا۔ کہ انہوں نے بھاری پتھر کنوئیں کے اوپر سے ہٹایا۔ اور بعد میں اسے جوں کا توں اکیلے ہی کنوئیں کے منہ پر دوبارہ رکھ دیا۔ پوچھا تم نے اس کی امانت داری کا اندازہ کہاں سے لگایا۔ کہنے لگیں۔ کہ اس نے مجھے کہا کہ میرے آگے آگے نہیں' بلکہ میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔ تاکہ ان کی نظر نہ پڑے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کا بیان امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کے مطابق ہے جسے انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چھوٹی سے نکاح فرمایا' اور بڑی مدت پوری فرمائی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے دس برس تک یہ خدمت انجام دی۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاہدے کے مطابق خدمت سرانجام دے کر حضرت صفورۃ خاتون سے نکاح فرمایا۔ اور جیسا کہ صفورۃ خاتون نے اپنے والد کے حضور ان کے یہ اوصاف بیان کئے تھے۔ کہ وہ قوی اور امانت دار ہیں۔ آپ نے وعدہ وفا کر کے ثابت کر دکھائے۔ اور ہمارا یقین ہے کہ آپ قوت اور امانت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔

آپ بھیڑ بکریاں چرایا کرتے اور اس دوران میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہتے۔ اور آپ کے صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں گزرتے۔ کہ آپ کا جسم تو زمین پر ہوتا۔ لیکن آپ عالم ملکوت کی سیر کرتے ہوتے۔ کبھی اپنے نفس اور وجود کے بارے میں غور و فکر کرتے تو کبھی آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تدبر و غواصی کرتے ہوتے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چرانا سنت اللہ کے عین مطابق ہے۔ کہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو نبی بھی اس دنیا میں مبعوث ہوا ہے۔ اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ نے بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! میں قراریط کے مقام پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

حضرت صفورۃ کا مبارک سفر:

مدین میں رہتے ہوئے۔ ایک دن ایسا بھی آ گیا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وطن کی یاد نے بے چین کر دیا۔ اور ان مرد صالح کے ساتھ خوش گزران زندگی کی مدت بھی اختیر ہو گئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں مصر کو جانے کا شوق بھر آیا۔ اور اپنی والدہ کے قدموں میں حاضری دینے کا جوش دل میں ابھرا۔ جن سے مدتوں پہلے جدا ہو کر آپ کو مدین آنا پڑا تھا۔ آپ مدین میں تھے۔ لیکن آپ کا دل برابر والدہ کی طرف لگا رہتا تھا۔ اب آپ کو اپنی والدہ محترمہ اور بڑی بہن جس نے فرعون کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے ان کی والدہ محترمہ کی طرف ان کی رہنمائی کی تھی۔ ان دونوں ہستیوں کو ملنے کا شدید داعیہ آپ کے دل میں پیدا ہوا اور پھر وہاں آپ کے بھائی ہارون بھی تھے۔ جن کی ہمراہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو پیغام الٰہی کے دربار میں سنایا۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ انہیں اپنی مربیہ اور محسنہ آسیہ جس نے محبت سے آپ کی پرورش کی تھی۔ اور جنہوں نے ان کے لئے بچپن میں اس طرح اظہار شفقت فرمایا تھا۔ کہ:

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک" قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ

کی یادیں بھی ستاتی ہوں گی۔

اور جو بعد کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان بھی لے آئی تھیں۔ اور اس ایمان کے سلسلے میں انہوں نے مصیبتیں اور مشکلیں بھی برداشت کی تھیں۔ اور اپنے خالق و مالک و پروردگار کونین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گزارش کی تھی:۔

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

﴿التحریم : 11﴾

"اے میرے پروردگار میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا۔ اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے نجات بخش۔ اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھے نجات عطا فرما"۔

اپنے وطن مصر کو جانے کا خیال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت صفورۃ کے سامنے ظاہر کیا۔ اور کہا کہ میں اپنی والدہ، بہن اور بھائی ہارون سے ملنے کے لئے جانا چاہتا ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ تم بھی میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ میرے گھر والے اور پورا خاندان وہیں پر ہے۔

میرا خیال ہے۔ کہ عزیزوں سے ملنے کا یہ ذوق وشوق الہام ربانی کے ذریعے سے آپ کے دل میں پیدا ہوا ہوگا۔ اور مشیت خداوندی کو بھی یہ منظور تھا۔ کہ آپ وہاں جائیں۔ اور نبوت ورسالت سے سرفراز ہو کر ملک مصر میں احکام خداوندی کی دعوت دیں اور اس کے باوجود کہ آپ خوفزدہ ہو کر وہاں سے نکلے تھے۔ جرات و دلیری کے ساتھ خدا تعالیٰ کی توحید دربار فرعون میں پہنچائیں۔ وہ مصر کو چل کھڑے ہوئے۔

حضرت صفورۃ کی تسلیم ورضا:

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے حضرت صفورۃ دین داری اور وفاداری میں اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے بڑھ کر تھیں۔ انہوں نے فوراً اپنے شوہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کی۔ اور سفر کی تیاری کے لئے اپنا سامان وغیرہ باندھا۔ اور سفر کے لئے ضروری اشیاء مہیا کر لیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں مصر کو چل پڑیں۔ اور مفسرین کے مطابق اس وقت آپ امید سے تھیں اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کے دو بیٹے ہو چکے تھے۔

آپ اپنے بوڑھے باپ اور بہن سے رخصت ہو کر چل پڑیں۔اور بوڑھے باپ نے بھی انہیں احسن طریقے سے اعزاز وإکرام کے ساتھ وداع فرمایا۔اوران کے لئے بھلائی اور کامیابی کی دعا فرمائی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی صفورۃ کو لے کر مدین سے روانہ ہو گئے۔اوران کے مال مویشی اورگزربسر کا ضروری سامان بھی ہمراہ تھا۔جب آپ مدین سے چل کر وادی سینا میں پہنچے۔تو آپ راستہ بھول گئے۔اور آپ کا رخ کوہ طور کی طرف ہو گیا۔اوررات عشاء کا وقت تھا۔اور شدید سردی پڑ رہی تھی۔اور تیز ہوا چل رہی تھی۔اوررات گہری ہوتی چلی جارہی تھی۔اور ستارے بھی بادلوں میں چھپ گئے تھےاور بجلی زوروں سے چمک رہی تھی۔بادل گرج رہے تھےاور بوندا باندی بھی شروع ہو گئی تھی۔اور ان کا رخ لاشعوری طور پر کوہ طور کے دائیں جانب کو ہو گیا تھا۔یہ خطرناک صورت حال دیکھ کران دونوں نے سفر کو کچھ دیر کے لئے موقوف کرنے کا فیصلہ کرلیا۔اوروہ وہیں ٹھہر گئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیمہ نصب کیا۔اوراس میں حضرت صفورۃ اوردونوں بیٹوں کو ٹھہرایااور خود آس پاس کا جائزہ لینے کے لئے خیمہ سے باہر آئے۔کہ کہیں سے انگیارے مل جائیں۔تاکہ سردی سے بچنے اور روشنی کی تدبیر کریں۔

کوہ طور:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو کوہ طور کی دائیں جانب سے انہیں روشنی سی دکھائی دی۔تو آپ کو بہت مسرت ہوئی۔آپ نے بیوی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔معلوم ہوتا ہے ادھر آگ ہے۔میں جاکر معلوم کرتا ہوں آگ بھی لے آؤں گا۔اور کسی سے مصر کی طرف جانے والا صحیح راستہ بھی معلوم کروں گا۔لہٰذا انہوں نے فرمایا۔کہ آپ یہاں ٹھہریں۔تو میں آگ لے آؤں تاکہ اسے تاپ کر سردی دور کریں اور روشنی بھی کریں گے۔اللہ کریم نے اس نازک اور مشکل مقام کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ○
﴿النمل :۷﴾

"جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا۔کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔وہاں سے راستے کا پتہ لاتا ہوں۔یا سلگتا ہوا انگارہ تمہارے پاس لاتا ہوں تاکہ تم تاپو"۔

فرا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔(آنَسْتُ نَارًا) سے مراد یہ ہے کہ مجھے آگ مل گئی ہے۔میں جاکر سینکنے اوراور روشنی کرنے کے لئے لاتا ہوں۔(معانی القرآن)

وادی مقدس:

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے اندھیرے میں لاٹھی ٹیکتے ہوئے اس آگ کی طرف بڑھے جو دور سے آپ نے دیکھی تھی۔ اور آپ کا بدن مبارک پانی سے تر بتر ہو رہا تھا۔ اور آپ وادی طویٰ کی جانب بڑھے چلے جا رہے تھے۔ کہ تھوڑی دیر بعد آپ نے وادی طویٰ میں عجیب چیز ملاحظہ فرمائی۔ کہ اب وہاں گرج چمک اور آندھی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ اور کائنات پر ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ اور نیز اس وادی میں ایک عجیب سا سکون اور عاجزانہ خموشی سی طاری تھی۔

کوئی چیز آپ کے دل کو تحریک دیتی اور مہمیز کرتی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن آپ کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ کیا جذبہ ہے؟

اس طرح آپ آگ کے نزدیک پہنچ گئے۔ کہ اچانک آپ کو غیب سے آواز آئی۔ اور یہ غائبانہ صدا رب العزۃ کی طرف سے آ رہی تھی۔ اس مقام کے بارے میں فرمان باری ہے:۔

اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِى النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

"یہ کہ بابرکت ہیں جو آگ کے اردگرد۔ اور خدا جو تمام عالم کا پروردگار ہے پاک ہے"۔

﴿النمل: ۸﴾

یہ آواز سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسم تھرتھرانے لگا۔ اور خوف آپ کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا۔ اور یہ آواز سنتے ہی آپ نے وہاں سے بھاگنے کا سوچا۔ کہ آپ کو محسوس ہوا۔ کہ غائبانہ صدا انہیں چاروں طرف سے آ رہی ہے۔ اور آواز کا کوئی ایک رخ متعین کرنے سے آپ قاصر ہے۔

اب موسیٰ علیہ السلام آگ کے اور قریب ہو گئے۔ کہ اپنی ضرورت کے لئے چنگاری لے لیں۔ اور گھر والوں کے لئے لے جائیں۔ کہ اچانک وہ مقام خشوع و خضوع اور روحانیت سے معمور ہو گیا۔ اور تمام جگہ طور روشنی سے جگمگا گیا۔ اور فضائے رب العزۃ کی جانب سے ندا آ رہی تھی:۔

يٰمُوْسٰىٓ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○

"اے موسیٰ علیہ السلام! میں تمہارا پروردگار ہوں۔ اپنے جوتے اتار لو۔ کہ تم ایک پاک وادی طویٰ میں کھڑے ہو"۔

﴿طٰہٰ: ۱۲،۱۱﴾

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرا گئے۔ کیونکہ یہ صدائے ربانی تھی جو عالم بالا سے

آرہی تھی کہ:

"اور میں نے تمہیں انتخاب کرلیا ہے۔تو جو حکم دیا جائے اسے سنو۔ بے شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو میری عبادت کرو۔ اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے وقت کو پوشیدہ رکھوں۔ تا کہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے کہیں تمہیں اس کے یقین سے نہ روک دے۔تو اس صورت میں تم ہلاک ہو جاؤ"۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝

﴿طہ: ۱۳......۱۶﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جسم کے روئیں روئیں سے اللہ جل وعلا کے اس کلام کو سنا۔ اور آپ نے یقینی طور پر جان لیا کہ یہ کلام رحمٰن ورحیم اور علی عظیم کی طرف سے ہے۔اور آپ کا نفس پر سکون ہو گیا۔اور اس ندائے الٰہی سے آپ مانوس ہو گئے۔اور یہ کلام آپ کی روح میں اترنے لگا۔اس وقت آپ کی توجہ اہل وعیال سے ہٹ کر ذات الٰہی میں گم ہو کر رہ گئی۔اور آپ ہمہ تن گوش ہو کر بارگاہ الٰہی میں مستغرق ہو گئے۔اور ملأ اعلیٰ کی اس آسمانی آواز پر کان لگا دیے۔

عظیم اژدھا:

پھر آواز آئی:۔

"اور موسیٰ علیہ السلام یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟"

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝

﴿طہ: ۱۷﴾

آپ نے حضرت الٰہی میں ہمہ تن حاضر ہو کر جواب میں عرض کیا۔

"یہ میری لاٹھی ہے۔اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں۔اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس میں میرے لئے اور بھی کئی فائدے ہیں"۔

هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝

﴿طہ: ۱۸﴾

اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے امرالٰہی صادر ہوا:۔

''موسیٰ علیہ السلام اس لاٹھی کو نیچے ڈال دو''۔ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی وجہ پوچھے بغیر فوراً اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔

اور یہ عجیب وغریب واقعہ تھا۔ کہ زمین پر گرتے ہی آپ کا وہ عصا ایک عظیم اژدھے کی صورت اختیار کر گیا۔ جسے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام دہشت زدہ ہو کر رہ گئے۔ قریب تھا کہ آپ خوف سے گر ہی جاتے۔ کہ آپ کے اطمینان اور تسلی کے لئے عالم بالا سے صدائے ربانی آپ کے کان میں پڑی:۔

''اے موسیٰ علیہ السلام ڈرو مت ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے''۔ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

﴿النمل : ۱۰﴾

اور آپ کی مزید تسلی اور اطمینان کے لئے خدائے کریم نے پکارا:

''یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو تو جب آپ نے دیکھا تو وہ حرکت کر رہی تھی''۔ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آواز ربانی کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور دیکھا کہ عصا اژدھا کی صورت گھوم رہا ہے۔ اور ادھر ادھر دوڑ رہا ہے۔ اور وہ مسلسل سانپ کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ کہ خدائے مالک ومختار کی جانب سے ایک اور حکم صادر ہوا:۔

''اسے پکڑ لو۔ اور ڈرو مت ہم اسے ابھی اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے''۔ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝ ﴿طٰه : ۲۱﴾

اب جو آپ نے ہاتھ بڑھا کر عصا کو ہاتھ میں پکڑا تو وہ پہلے کی طرح عصا ہی تھا۔ جس سے آپ مانوس تھے اور سفر و حضر میں آپ کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ یہ اللہ کریم کی جانب سے آپ کا پہلا معجزہ تھا۔

روشن اور چمکدار ہاتھ:

اب ایک اور معجزے کے اظہار کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو امر الٰہی صادر ہوا:۔

"اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو۔ تو بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا۔ اور خوف دور ہونے کی وجہ سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو"۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ﴿القصص : ۳۲﴾

اس فرمان الٰہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا دست مبارک اپنے گریبان کے اندر ڈالا، باہر نکالا تو وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اور پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھا۔ تو آپ کا خوف اور اضطراب جاتا رہا۔ اور آپ بالکل عام حالت میں ہو گئے۔ پھر اسی دوران میں آپ کو خدائے عالی قدر حکمت والے کی جانب سے ندا آئی:۔

"یہ دو دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔ ان کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ۔ کہ وہ نافرمان لوگ ہیں"۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ ﴿القصص : ۳۲﴾

اس شرف ہم کلامی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے منصب نبوت تفویض ہوا ہے۔ اور وہ احکام الٰہی لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہوئے ہیں۔ اور اللہ کریم نے انہیں بطور خاص اپنی ذات کے لئے چن لیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس ذمہ داری کی تکمیل ہو گی۔

حضرت صفورۃ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی خوشخبری سنی:

اب ہم حضرت صفورۃ خاتون کو ان کے خیمے میں چھوڑ دیتے ہیں۔ جو اپنے شوہر کا انتظار کر رہی ہیں۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں [illegible] ہم کلامی میں کتنا وقت بیت گیا۔ اور صفورۃ وہاں کیا سوچتی رہیں۔ لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ جناب صفورۃ کا دل ذات الٰہی کی جانب راغب تھا۔ اور وہ اس دوران میں اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہوئے تھیں۔

یہاں تک کہ [illegible] حضرت صفورۃ کے شوہر [illegible] خیمے میں آ گئے۔ اور شب ملاقات انہیں اپنی مقدس رسالت کی خوشخبری سنائی۔ اور پھر اس کے بعد آپ مصر کی طرف چل پڑے۔

حضرت صفورۃ مصر میں:

حضرت صفورۃ خاتون کی مصر میں زندگی کے بارے میں ہم تفصیل سے نہیں جانتے۔ بس ہمیں اتنا علم ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجیت میں [illegible] زندگی گزاری ہو گی۔ اور فریضہ

رسالت کی ادائیگی میں ہمیشہ ان کی معاون و مددگار رہی ہونگی۔ اور لازماً جب وہ تورات پڑھتی اور رضا الٰہی کے مطابق اس پر عمل کرتی ہونگی۔ اللہ کریم حضرت صفورہ سے راضی ہو۔ اور اپنی مشیت سے انہیں اپنی رحمتوں میں شامل رکھے۔

وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ

ایشا علیہ السلام بنت عمران

پاک سیرت مومنہ' خاندان کے لحاظ سے شریف و پاکیزہ' بزرگی کی گود میں پلی ہوئی۔ پرہیزگاری کی غذاؤں سے پروان چڑھی ہوئی۔ طہارت اور پاک دامنی کے ماحول میں زندگی گزارے ہوئے۔ دن رات اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول' شرافت وعظمت کی دنیا میں بلند پرواز نیکوں کے آسمان کی روشن ستارہ' نیکوکار نبیوں میں سے ایک نبی کی والدہ محترمہ اور ایک کریم نبی کی بیوی۔ اور ایک حکیم پیغمبر کی والدہ' اور ایک نبی مکرم کی خالہ محترمہ! یہ ہیں "محترمہ ایشا بنت عمران اور حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ!"

محراب عبادت میں خوشخبری:

ان کے شوہر نامدار وہ نبی مکرم ہیں۔ جنہیں فرشتوں نے محراب میں عبادت کے دوران میں جبکہ وہ عبادت میں مصروف تھے۔ ایسی خوشخبری سنائی کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگے۔ اور صبح وشام تسبیح و ذکر میں بسر کرنے لگے۔ اور وہ ان کے لئے بیٹے کی خوشخبری تھی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن سے ہی نبوت کی خوشخبری:

اور ان کے محترم سپوت (یحییٰ علیہ السلام) جو ایک دانش مند پیغمبر تھے۔ اور اللہ کریم نے انہیں اس وقت پیغمبری کے لئے چن لیا تھا۔ جبکہ آپ بچے ہی تھے۔ اور انہیں (تقی) پرہیزگار کے وصف سے موصوف فرمایا۔ تقویٰ جو نیکوکاروں کا بہترین لباس ہے۔ اور انہیں بھلائی اور تواضع (عاجزی) کے اوصاف سے نوازا۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں انہیں سلامتی اور امن کا شعار بخشا۔ اور شرافت و مکرمت میں ترقی عطاء فرمائی۔ اور وہ پہلے شخص تھے جو یحییٰ علیہ السلام کے نام سے موسوم ہوئے۔ اور انہیں سرداری وسیادت کے ساتھ ساتھ پارسائی کا شرف بخشا گیا۔ اور نیکوکار پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔

اور آپ کے بھانجے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذہین دانش مند پیغمبر جنہیں دنیا و آخرت میں وجاہت وشان وشوکت عطا ہوئی۔ اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمایا۔ اور

صاحب کتاب پیغمبر بنایا۔ اور ہر جگہ انہیں برکت سے نوازا۔ اور انہیں نماز، زکوۃ اور نیکی کی وصیت فرمائی۔ اور انہیں پرہیزگاری کا جوہر بخشا۔ اور جبر و بربریت سے ان کا دامن صاف رکھا۔

یہ ایشا علیہ السلام بنت عمران ہی وہ باکمال اور صالحہ خاتون ہیں۔ جن کے بارے میں گفتگو ان صفات میں ہو رہی ہے۔ یہ پاکیزہ سیرت خاتون ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے فضیلت کے اس مضبوط کڑے کو تھام لیا تھا جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔ ہر شرافت کے کام میں یہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتیں۔ اور خیر اور بزرگی میں اپنے شوہر حضرت زکریا علیہ السلام کی اقتدا کرتیں۔ اس تین رکنی خاندان کی اللہ کریم نے مدح سرائی فرمائی ہے۔ اور یہ تین رکنی خاندان حسب ذیل افراد پر مشتمل ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان کی کی بیوی ایشا علیہ السلام خاتون اور ان دونوں کے فرزند ارجمند حضرت یحییٰ علیہ السلام۔ اللہ کریم نے ان کی بزرگی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور ان کی شرافت کا اظہار و اعلان قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ کیونکہ نیکیوں کے خوگر و گرویدہ اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے والے اور عبادت میں خشوع و خضوع کرنے والے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اور نہ وہ کسی ضابطے کی پابند ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ پر صحیح بنیادوں پر ایمان لانا ہی انسان کو دلی طور پر مطمئن کرتا۔ اور اسے امن و سلامتی کے راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔

توحید خالص کی اسی بنیاد پر حضرت زکریا علیہ السلام اور بی بی ایشا علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق کی کہانی شروع ہوتی ہے۔

حضرت ایشاع علیہ السلام خاتون کافی عمر رسیدہ ہو چکی تھیں۔ اور آپ پیدائشی بانجھ تھیں اور آپ کے ہاں عرصہ دراز سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اور عمر رسیدہ ہونے کے باوصف آپ بالکل نوجوان دوشیزہ کی مانند تھیں۔ اور اسی طرح دونوں کی زندگی گزر رہی تھی۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ جسم ناتوان اور بالوں میں پوری طرح سفیدی آ گئی تھی۔ لیکن آپ کی بیوی سن رسیدہ ہونے کے باوجود صحت مند نورانی چہرے کی مالک تھیں۔ اور جو انہیں دیکھتا ان کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتا۔ ایک معجزہ ظہور میں آتا ہے۔ کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے دوران میں حضرت مریم پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات ملاحظہ فرماتے ہیں۔ اور ان کی اس

کرامت کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مریم کی نشو و نما میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی فرماتے ہیں۔ تیز رفتاری سے انہیں پروان چڑھاتے ہیں۔ اور مریم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و برگزیدہ تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے انہیں دنیا کی عورتوں میں بطور خاص انتخاب فرمایا تھا۔ اور وہ ایک پیغمبر کی ماں تھیں۔ جن کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ایک معجزے کے طور پر ہوئی تھی۔

حضرت مریم علیہ السلام کے لئے ایک عبادت گاہ مخصوص تھی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتی تھیں۔ اور اس عبادت گاہ کو چھوڑ کر وہ کہیں نہیں جاتی تھیں۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت وہیں ذکر و عبادت میں گزارتی تھیں۔ مناجات ان کی نماز اور حمد و شکر الٰہی ان کا ذکر تھا۔ دن رات آپ اسی میں مشغول رہتیں۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کا بوجہ ان کے کفیل ہونے کے ان کے پاس آنا جانا ہوتا تھا۔ اور یہ ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن ان کا وجدان اس وقت بیدار ہوتا۔ اور آپ حیرت زدہ رہ جاتے۔ کہ جب آپ کے پاس طرح طرح کا رزق موجود پاتے۔ اور عجیب بات یہ کہ سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں حضرت مریم علیہ السلام کے پاس رکھے ہوئے ملتے۔ یہ ان کے لیے بڑی حیران کن چیز تھی۔ اور یہ منظر آپ نے ایک دفعہ نہیں کئی مرتبہ ملاحظہ فرمایا۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ یہ پھل وغیرہ کہاں سے آتے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس منظر کو اللہ کریم نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
﴿آل عمران ۳: ۳۷﴾

”جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام عبادت گاہ میں ان کے پاس جاتے تو ان کے پاس کھانا پاتے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم علیہ السلام سے پوچھنے لگے۔ کہ مریم علیہ السلام یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ بولیں کہ خدا کے ہاں سے آتا ہے۔ بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے“۔

یہ کرامت دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں داعیہ پیدا ہوا۔ اور اولاد کے لئے آپ کا دل مچل گیا۔ اور سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ بے موسم پھل غیب سے مریم علیہا السلام کو دے سکتا ہے تو وہ مجھے اس ناامیدی کی عمر میں اولاد سے بھی نواز سکتا ہے۔ اور نیک اولاد مجھے بھی عطا کر سکتا ہے۔ اور

ایسا کرنا خالق کائنات کے لئے کوئی مشکل بات نہیں۔ لہٰذا آپ کو پختہ یقین ہوگیا۔ کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنی دلی مراد مانگ لیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے وہ پوری ہوسکتی ہے۔

کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں کیا خواہش جنم لے رہی ہے۔ اور بیٹے کی خواہش کیسے ان کے اندر کلبلا رہی ہے۔ اور ایسے بیٹے کی تمنا جو آل یعقوب میں وارث نبوت ہو۔ اور یہ بھی آپ جانتے تھے۔ کہ ان کی بیوی بانجھ ہے اور پھر عمر کے اس مقام پر پہنچ گئی ہے۔ جہاں اولاد کی تمام امیدیں دم توڑ دیتی ہیں۔ اور عرصہ ہوا جوانی کے دن بیت چکے ہیں۔ اور اب وہ بہت بوڑھی ہوچکی ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت پر آپ کی نظر جا لگتی ہے۔ اور آپ وہیں کھڑے کھڑے یہ دعا کرتے ہیں۔ قرآن کریم اس موقعہ پر منظر کشی یوں کرتا ہے۔ فرمان باری ہے:۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝

﴿ال عمران: ۳۸﴾

"اس وقت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی۔ اور کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما بے شک تو دعا سننے اور قبول کرنے والا ہے"۔

علامہ قاضی عبد الجبار رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں۔ کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی معجزانہ فراست تھی۔ کہ حضرت بی بی مریم علیہ السلام کو غیبی رزق ملتا دیکھ کر پوچھا کہ یہ کہاں سے آتا ہے۔ اور بی بی مریم علیہ السلام نے فرمایا کہ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ "کہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ تو آپ بھی فوراً پرامید ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگ لیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں یحییٰ علیہ السلام نامی بیٹے کی خوشخبری دی۔ قرآن کریم میں اس موقعہ کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

﴿مریم: ۳ تا ۶﴾

"جب زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو دبی آواز میں پکارا۔ عرض کیا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں۔ اور سر بڑھاپے کی وجہ سے شعلہ مارنے لگا ہے۔ اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میری اور اولاد یعقوب علیہ السلام کی میراث کا مالک ہو۔ اور میرے پروردگار اسے خوش اطوار بنا"۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعا گوشہ نشینی میں خفیہ طور پر بارگاہ خداوندی میں پیش کی۔ ظاہر باہر اور زور سے پکار کر نہیں۔ اور اللہ کریم کے لئے اعلانیہ اور خفیہ ایک برابر ہے۔ کہ وہ تو آنکھوں اور دلوں میں چھپے ہوئے اسرار کو جانتا ہے۔ اور ہر بھید اور سر سے باخبر ہے۔ لہٰذا اس مقام پر حضرت زکریا علیہ السلام نے سری دعا کو اختیار فرمایا۔ کیونکہ خفیہ دعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ اور دکھلاوے کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اور خدائے علام وخبیر کو بھی بندے کا یہ انداز زیادہ محبوب ہے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ خدائے علام الغیوب دلوں کے تقویٰ اور اندر کی آواز کو خوب جانتا ہے۔ اور اس میں خشوع و خضوع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور راز داری کی دعا میں قبولیت کی بھی قوی امید ہوتی ہے۔ گویا بندہ اپنے رب سے زبان حال سے عرض کرتا ہے۔ کہ پروردگار! میرا یہ حال تجھے سب معلوم ہے کہ اس عمر میں بیٹا بیٹی پیدا ہونا عموماً ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن تیری قدرت میں سب کچھ ممکن ہے۔ اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور تیرا حکم ہر امر میں نافذ ہے۔ اور تیری رحمت کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ اور تو اپنے عظیم قدرت سے جس کو جو چاہے دے سکتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی انتہاء طلب اللہ رحیم و کریم سے رحمت کی طلب تھی۔ اور اپنی کمزوری اور اپنی بیوی کی بے بسی کا آپ نے اس دعا اور فریاد میں اظہار کیا۔ کہ ہمارے بالوں میں پوری طرح سفیدی آ گئی ہے۔ اور ہمارے اعضا جسم کمزور اور معطل ہو چکے ہیں۔ اور اولاد پیدا کرنے کے ظاہری اسباب مفقود ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا میں کوئی دنیا کی دولت وثروت نہیں مانگی تھی۔ صرف نیک بیٹے کی خواہش کی تھی۔ جو ان کے بعد وارث نبوت ہو۔ اور دین کا خادم ہو۔ جو ان کے آباؤ اجداد یعنی سابقہ پیغمبروں کی وراثت تھی۔

دعاء کی شان:

حضرت زکریا علیہ السلام نے اس یقین واعتقاد سے دعا فرمائی۔ کہ آپ کو اس دعا کی قبولیت کا مکمل یقین تھا۔ کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صالح بیٹے کا انعام مرحمت ہوگا۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے اقرباء کے حالات سے اندازہ تھا۔ کہ ان میں کوئی اس کام کو آگے بڑھانے کا اہل نہیں ہے۔ اور ان کے بعد دین میں تبدیلیاں رونما ہونگی۔ اس لئے عرض کیا:۔

''اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو۔ اور اے میرے پروردگار اسے خوش اطوار بنائیو''۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝

﴿مریم: ۵ تا ۶﴾

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کے اصل مقصود کو اللہ کریم نے سورۃ الانبیاء میں یوں بیان فرمایا ہے:۔

''اور زکریا علیہ السلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے''۔

وَزَكَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ۝

﴿الانبیاء: ۸۹﴾

یعنی اے خدائے کریم مجھے بغیر وارث اور بیٹے کے نہ رہنے دینا۔ کہ میرے بعد لوگوں میں میرا نشان ہی نہ رہے۔ اور اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ کہہ کر مالک کائنات کی مدح سرائی کی۔ اور اس امید کا اظہار کیا۔ کہ ظاہری حالات تو اولاد کے متقاضی نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم تیری رحمت کے امید وار ہیں۔ اور تیری مشیت و رضا کے ساتھ تجھ سے یہ فریاد کرتے ہیں۔ کہ بندے کے لئے رضاء الٰہی بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

عظیم خوشخبری:

اس دعا کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے شفقت و محبت کی نظر سے ایشاع علیہ السلام خاتون کی طرف دیکھا کہ نور ایشاع علیہ السلام خاتون کے چہرے پر موجیں مار رہا تھا۔ اور وہ اس دعا کی قبولیت کی امید پر مسکرا رہی تھیں۔ اور خوشی سے ان کا دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ اور ان کا دل پر امید ہو کر اللہ کریم سے متعلق ہو رہا تھا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر پورا بھروسہ تھا۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کو رب اپنے پروردگار کی رحمت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اور مسرت انگیز لمحوں کے منتظر تھے۔ کیونکہ عالم بالا سے اللہ کریم کی طرف سے شفقت آمیز پیغام آ گیا تھا۔ اور ملائکہ کرام علیہ السلام تیز رفتاری سے ربانی خوشخبری لے کر اتر آئے تھے۔ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سر مو سرتابی نہیں کرتے اور وہی کچھ

کرتے ہیں۔ جو انہیں قادر مطلق سے حکم ہوتا ہے۔اس واضح مسرت آمیز خوشخبری کا ذکر قرآنی الفاظ میں یوں ہے:۔

''اے زکریا علیہ السلام ہم تمہیں بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں''۔ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ

بیٹے کی مبارک نوید:

ان الفاظ میں صالح بیٹے کی خوشخبری تھی جو حضرت ایشاع علیہ السلام خاتون کے لئے انتہائی مسرت آمیز نوید تھی۔ جو نصف صدی سے بیٹے کی آس لئے جی رہی تھیں۔اور یہ نوید سن کر حضرت ایشاع علیہ السلام خاتون کو جو خوشی ہوئی ہوگی اس خوشی کا صحیح اظہار یہاں لفظوں میں نہیں ہوسکتا۔اور پھر یہ کہ اولاد کی یہ خوشخبری جو عمر بھر کے انتظار کے بعد ان کو ملی بذات خود ایک مسرت آمیز نوید تھی اور مزید یہ کہ ایک صالح بیٹے کی نوید تھی''وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى''اور بیٹے کی چاہت تو قدرتی طور پر بیٹی سے بڑھ کر ہوتی ہے۔اور خوشی کا پیغام سنانے والے فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو مزید بتایا کہ اس بیٹے کا نام اللہ تعالیٰ نے یحیٰی علیہ السلام جیتا رہے رکھا ہے۔اور اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا۔یعنی یہ ایک منفرد اور نیا نام ہے۔جو اس مبارک بیٹے کے لئے چنا گیا ہے۔

''اور اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا''۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

﴿مریم:۷﴾

اس مقام پر حضرت زکریا علیہ السلام کو تین خوصیات سے اعزاز بخشا گیا۔

۱۔ بطور اعزاز و کرامت آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا گیا۔ جو آپ کا خاص اکرام تھا۔

۲۔ اور یہ کہ بیٹا عطا فرمایا گیا۔ جو آپ کے لئے قوت اور سہارا تھا۔

۳۔ اور یہ کہ اس بیٹے کو انفرادی اور بالکل نئے اسم گرامی ''یحیٰی علیہ السلام''(زندگی والا) سے مختص کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ آپ فرماتے ہیں ان کا نام ''یحیٰی علیہ السلام'' اس بنا پر بھی رکھا گیا۔ کہ ان کے ذریعے سے حضرت ایشاع علیہ السلام خاتون کی تولیدی صلاحیت کو نئی زندگی عطاء ہوئی۔اور یہ کہ آپ کا قلب مبارک ایمان کی دولت سے زندہ و پائندہ تھا۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی یہ مبارک اور دلربا نمک نوید ملی تو جو جذبات و کیفیات آپ کے روح ورواں میں اجاگر ہوئیں اس کا صحیح ادراک ہم نہیں کر سکتے۔ بس اس کا ادراک و وجدان حضرت زکریا علیہ السلام اور محترمہ ایشاع خاتون علیہ السلام کو ہی ہوا ہو گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے سوال و جواب:

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ کریم کی طرف سے بیٹے کی خوشخبری ملی۔ تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:۔

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ ﴿مریم: ۸﴾

"پروردگار! میرے ہاں کس طرح لڑکا ہو گا۔ حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ گیا ہوں"۔

تعجب سے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ میں نہایت بوڑھا اور ناتواں ہو گیا ہوں اور میری بیوی بھی نہایت عمر رسیدہ و سن یاس کو پہنچ گئی ہے۔ ان حالات میں تو اولاد کا ہونا عام طور پر بہت مشکل ہوتا ہے۔ عالم بالا سے صدائے ربانی آپ کے کانوں میں رس گھول گئی:۔

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ ﴿مریم: ۹﴾

"فرمایا۔ اسی طرح ہو گا۔ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے۔ کہ یہ مجھے آسان ہے۔ میں پہلے بھی تمہیں پیدا کر چکا ہوں۔ اور تم کچھ چیز نہ تھے"۔

فرشتوں نے آپ کے گوش گزار کیا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا چاہا ہو کر رہتا ہے۔ مشیت خداوندی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ خدائے باری و مصور پر تصویر بنانا کوئی مشکل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو بنانا چاہتا ہے۔ وہ اس ہی کے امر سے بن جاتی ہے۔ بس اس کی مشیت و اشارہ ہوتا ہے۔ تو ہر چیز تکمیل پا جاتی ہے:۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴿یس: ۸۲﴾

"اس کی شان یہ ہے۔ کہ وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس سے فرما دیتا ہے۔ کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے"۔

اور میاں اللہ کریم کو حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی قبولیت منظور ہے۔ اور قادر و قدیر کی

قدرت کی یہی مشیت ہے۔ کہ حضرت ایشاع خاتون کے ہاں فرزند ارجمند کی تولید ہو۔ اور ان کے لئے دنیا کا جاری طریقہ تبدیل ہو جائے۔ اور اس سے پہلے یہ عام جاری طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہ السلام کے لئے اعزازی طور پر بدل چکا ہے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی قبولیت میں حضرت ایشاع علیہ السلام خاتون کے لئے بھی یہ ایک اعزاز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام و اکرام ہے۔ فرمان باری ہے:۔

"تو ہم نے ان کی پکار سن لی۔ اور انہیں یحییٰ علیہ السلام بخش دیئے۔ اور ان کی بیوی کو ان کے حسن معاشرت کے قابل بنا دیا"۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (الانبیاء)

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین فرماتے ہیں۔ جن میں مشہور مفسر قرآن صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تابعین میں سے حضرت مجاہدؒ قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ کہ اللہ کریم نے حضرت ایشاع علیہ السلام خاتون کو بانجھ ہونے کے باوجود یہ اعزاز بخشا کہ انہیں سن رسیدگی میں بیٹے کی نعمت سے نواز دیا۔

اور یہ رائے بہت مناسب اور اس قصے کے عین مطابق ہے۔ کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ بیوی نہایت کریم الاخلاق محبت کرنے والی اور اولاد کی صحیح تربیت کرنے والی تھیں۔ اور انہی خوبیوں کی بنا پر ایشا خاتون کو اس اکرام و اعزاز سے نوازا گیا۔ اور بشارت الٰہی کے اس سلسلے میں اس رسالت و نبوت کی ذمہ داری کا بھی ذکر کیا گیا جو بعد کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سونپی جانے والی تھی۔ فرمان باری ہے:۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری دیتے ہیں جو خدا کے فیض عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا۔ اور سردار ہوگا۔ اور عورتوں کی رغبت نہ رکھنے والا پیغمبر نیکوکاروں میں ہوگا"۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (آل عمران)

عظیم بشارت:

اللہ اکبر یہ بشارت کتنی عظیم ہے۔ اور آسمان جیسی بلند اور مبارک خوشخبری جس کی عمارت ان چار ستونوں پر قائم ہے:۔

۱۔ یہ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کریں گے۔ جو امر ربی تھے۔ اور حضرت مریم علیہ السلام کو سپرد کیے گئے تھے۔ اور انہیں کلمۃ اللہ اس لئے کہا گیا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لفظ کن سے وجود میں لائے گئے۔ اور بغیر باپ کے ان کی تخلیق ہوئی۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کی نبوت پر ایمان لائے اور ان کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کی تصدیق فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے تھے۔ اولیاء سے پہلے آپ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق فرمائی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے قتل کیے گئے۔

علامہ ابن اثیرؒ اور ابن کثیر دونوں نے اپنی اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد تھے۔ اور ان دونوں کی مائیں ایک ہی زمانے میں امید سے ہوئی تھیں۔ ایک دن حضرت مریم علیہ السلام اپنی بہن کے گھر آئیں تو ان کی بہن نے بتایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں امید سے ہوں۔ حضرت مریم علیہ السلام نے فرمایا۔ میں بھی ہوں۔ تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرمایا۔ ہاں میں دیکھتی ہوں کہ میرے والا بچہ تمہارے والے بچے کو تعظیم کے لئے سجدہ کرتا ہے۔

۲۔ یہ کہ حضرت یحییٰ سید ہونگے۔ مفسرین سید کے معنی حوصلہ مند' مومنوں کے رئیس اور سردار بتاتے ہیں۔ نیز حلم علم' عبادت' پرہیز گاری اور شرافت کے اوصاف سے آپ موصوف تھے۔ نیز بڑے فقیہ اور عالم تھے۔ آپ کبھی غصے میں نہیں آتے تھے۔ سب سے خوبصورت اور مکمل بات اس بارے میں قاضی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے۔ کہ السید وہ پیشوا ہے جس کی سب پیروی کریں۔ اور دین میں وہ سب کے لئے مرجع اور نمونہ ہو۔ لہٰذا سب کمالات علم' حلم' شرافت' پاکدامنی' پرہیز گاری اور تقویٰ اس میں آ جاتے ہیں۔

۳۔ یہ کہ وہ حصور ہونگے۔ ہر عیب سے منزہ' اور مرتبہ نبوت سب کمالات سے بڑھ کر کمال ہے۔ کہ فرمایا گیا:۔

"نیکوکار پیغمبروں سے ہونگے"۔ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

سلف صالحین کی یادگار' اور انبیاء کی اصلاب میں سے تھے' اور فلاح و صلاح میں مشہور تھے۔

اور نیکی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے یہی دعا فرمائی تھی:۔

''مجھے دنیا سے اپنی اطاعت کی حالت میں اٹھائیو۔ اور نیک بندوں میں داخل کیجو''۔ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴿یوسف : ۱۰۱﴾

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں صالحین میں شمولیت کو پیش نظر رکھا۔ اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:۔

''اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائیں''۔ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿النمل : ۱۹﴾

میری بیوی بانجھ ہے:

انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کے ذکر کے اس سلسلے میں ہم تھوڑی دیر کے لئے حضرت ایشاع علیہ السلام خاتون اور ان کے شوہر حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں غور کرتے ہیں۔ کہ اس بشارت الٰہی پر یہ دونوں دل کی گہرائیوں سے ایمان و یقین کے ساتھ اللہ کریم کے اس انعام و عطا کے شکر گزار تھے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی اور اپنی بیوی کی اس کمزوری کا ذکر کیا۔ کہ میں عمر رسیدہ ہوگیا ہوں اور میری بیوی ناقابل اولاد ہوگئی ہے۔ آیئے ہم اب کلام زکریا علیہ السلام بزبان خدائے عزوجل پڑھتے ہیں:۔

''عرض کیا پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا۔ کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے''۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۝ ﴿ال عمران : ۴۰﴾

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی کبرسنی اور بیوی کے بانجھ پن کا ذکر دوسرے مقام پر بھی فرمایا جس کا ذکر سورۃ مریم میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:۔

''عرض کیا میرے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ اور حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے۔ اور میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں''۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ ﴿مریم : ۸﴾

حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ قادر مطلق کی قدرت کاملہ پر ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہیں تھا۔ لیکن جب آپ کی دعا قبول ہوگئی تو آپ قدرتی طور پر حیرت زدہ ہوگئے۔ اور بیٹے کی خوشخبری ملنے پر تعجب کا اظہار کرنے لگے۔ کہ ابتدا جوانی میں اولاد نہیں ہوئی۔ اور عین جوانی میں بھی اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ اور اب اس نہایت کبرسنی میں اور نہایت ناتوانی کی حالت میں اولاد کا پیدا ہونا انتہائی تعجب انگیز ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ حضرت ایشاع خاتون علیہ السلام اس خوشخبری ملنے پر اپنے شوہر سے بھی زیادہ خوش تھیں۔ اور اس سے بڑھ کر اور کیا خوشخبری ہو سکتی تھی۔ کہ ایک ماں کی مامتا کو بیٹے کا تحفہ مرحمت ہو جائے۔ اور ان کا یہ تعجب اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر سے اور تحمید و تسبیح سے بھرپور تھا۔ اور وہ دونوں اس تعجب اور حیرت میں ہی حق شکر گزاری ادا کر رہے تھے۔ اور انہیں اعتراف تھا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ اور نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور اسی لئے وہ دونوں خدائے کریم کی تسبیح و تحمید کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ اور اگرچہ یہ کام اللہ قادر و مختار کے لئے تو آسان اور معمولی بات تھی۔ لیکن عام حالات میں دنیا میں ایسا ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو صرف لفظ کن ہو جا کہنے کی دیر تھی۔ لہٰذا ان کی حیرت اور تعجب کے جواب میں فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ اسی طرح کرے گا۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے"۔ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ ﴿ال عمران: ۴۰﴾

پروردگار کوئی نشانی بتا دو:

جب فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی نوید سنائی۔ تو انہوں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ بیوی کے امید سے ہونے کی کوئی علامت مقرر کر دے۔ اور آپ کی یہ گزارش کوئی بے یقینی کی بنا پر نہیں تھی۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر پورا بھروسہ تھا۔ کہ ایسے پاکیزہ سیرت اور متقی پیغمبر سے ایسی بے یقینی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ سب کچھ محض اطمینان قلب کی خاطر انہوں نے عرض کیا تھا۔ اور اس یقین کی بنا پر وہ خوشی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کر سکیں۔ کیونکہ حمل کا ظہور ایک دم سے نہیں ہوتا۔ اور انہیں اس لئے اظہار کی جلدی تھی۔

لہٰذا دوسری بار اللہ کریم نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور علامت بتانے کے لئے ذیل کا اعلان ظاہر فرمایا:۔

"فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے۔ کہ تم تین دن تک لوگوں سے برابر بات چیت نہیں کرو گے"۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ ﴿مریم : ۱۰﴾

فرمایا اے زکریا علیہ السلام تمہاری بیوی کے امید سے ہونے کی نشانی یہ ہوگی۔ کہ تم تین دن تک کسی سے بات نہیں کر سکو گے۔ حالانکہ دیکھنے میں آپ بالکل تندرست اور صحیح سالم ہو گے۔ اور گونگا ہونے کے باوجود تم کلام نہیں کر سکو گے۔

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سدی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے علمائے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر بغیر کسی بیماری اور وجہ کے حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان بند ہو گئی۔ اور وہ بولنے پر قادر نہ رہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"عرض کیا پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دو۔ فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے۔ کہ تم تین دن تک لوگوں سے صرف اشارے سے بات چیت کر سکو گے۔ اور اپنے پروردگار کو بہت یاد کرتے رہو اور صبح و شام تسبیح کرتے رہیے"۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ ﴿آل عمران : ۴۱﴾

اور اس زبان بند ہونے کے باوجود حضرت زکریا علیہ السلام تسبیح و تحمید اور ذکر الٰہی سے گنگ نہیں ہوئے۔ بلکہ عبادت اور ذکر الٰہی میں مسلسل رطب اللسان رہے۔ اور ذکر اللہ میں آپ کی زبان برابر چلتی رہی۔ اور آپ اشارے سے اپنے آس پاس موجود دوسروں کو بھی اپنے ساتھ ذکر و تسبیح میں شامل ہونے کا کہتے رہے۔ اور تین دن تک آپ کی یہی کیفیت رہی۔ اور اللہ کریم نے حضرت زکریا علیہ السلام کی تین دن کی اس کیفیت کو اس طرح ذکر فرمایا ہے:

"پھر وہ عبادت کے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے۔ تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو"۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ ﴿مریم : ۱۱﴾

کیونکہ ان کے نزدیک حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا مقام بہت بلند تھا۔ اور وہ ان میں بہتر و برتر اور پیشوا مانے جاتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک بہت بڑے عالم اور پیغمبر تھے۔

امر الٰہی کی تکمیل کے سلسلے اور حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے ہاں یحییٰ جیسا بیٹا تولد ہوا۔ ان

حالات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک معجزہ تھا۔ کہ اس کبرسنی اور مایوسی کی حالت میں ان ماں باپ کو اولاد کی نعمت سے نوازا۔ اور ایک پیغمبر کے دل کی درد بھری دعا کے نتیجے میں انہیں بیٹے کی خوش نصیبی فرمائی۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی جناب میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا عالی مرتبہ بھی متعین ہوا۔ اور جب حضرت یحییٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو اللہ کریم نے آپ سے خطاب فرمایا۔

"اے یحییٰ علیہ السلام ہماری کتاب کو زور سے پکڑے رہو"۔ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ

﴿مریم : ۱۲﴾

اور کتاب سے مراد تورات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ جس پر آپ عامل رہے۔ اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے۔ اور قوت سے مراد اس پر سختی سے عمل پیرا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت ایشاع خاتون علیہ السلام کا احترام:

اور حضرت ایشاع علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصی انعام واکرام بخشا کہ وہ پیغمبر کی بیوی ہونے کے اعزاز کے ساتھ ساتھ ایک پیغمبر کی ماں ہونے کے اعزاز سے نوازی گئیں۔ جس پیغمبر کو اللہ کریم نے کئی خصوصیات بخشی تھیں۔ اور رحمت وشفقت نرمی اور دردمندی کی صفات عطا کی تھیں۔ اس بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

"اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے"۔ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا

﴿مریم : ۱۳﴾

اللہ کریم نے آپ کو شفقت اور رحم دلی کی خصوصی صفات مرحمت فرمائی تھیں۔ اور انہیں صفات سے آپ لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔ اور ان صفات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاف دل پاک نفس پاکباز اور متقی بنایا تھا۔ کہ آپ گناہوں سے پرہیز کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچتے اور رضاء الٰہی کے طالب رہتے۔

ماں بیٹا دونوں اطاعت شعار:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو رحمت وشفقت کی خوبی سے نوازا اور بندوں کے لئے دردمندی اور نرمی کی خصلت مرحمت فرمائی۔ تاکہ وہ اس اخلاقی رویے سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و

فرماں برداری کی دعوت دیں۔تو اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ایشاع علیہ السلام اور فرزند ارجمند تینوں ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاری اور رضا جوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔اور خصائل حمیدہ کے اس موڑ میں اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔اور یہی چیز ہے جو انسان کو تقویٰ و پرہیزگاری میں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس مبارک خاندان کی ان خوبیوں کا ذکر خود قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ﴿الانبیاء : ۹۰﴾

"یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ایشا علیہ السلام پر اپنا یہ خاص فضل وانعام فرمایا کہ ان کے فرزند ارجمند کو نہایت ہی نیکوکار اور سعادت مند بنایا۔اور نافرنی سے گریزاں کردار گفتار میں احکام الٰہی پر عمل پیرا ممنوع کاموں سے نفور کر دیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وفرمان برداری کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔اللہ کریم نے ان کے اس وصف کو بھی اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے:۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ ﴿مریم : ۱۴﴾

"اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہیں تھے"۔

اور سب خوبیوں سے بڑھ کر وہ مدح سرائی ہے۔جو ان اوصاف جمیلہ کے بدلے میں تین انعام بطور خاص انہیں مرحمت فرمائے۔اور یہ امن وسلامتی کی نعمت ہے جو انہیں پیدائش کے موقع پر دنیا سے رخصت ہوتے وقت ودیعت ہوئے اور پھر یوم حشر آپ کا نصیب ہوگا۔فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ ﴿مریم : ۱۵﴾

"اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ان پر سلام اور رحمت ہے"۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ تین مقامات ایسے ہیں جو انسان کے لئے وحشت ناک ہیں۔

۱۔ پیدائش کا وقت کہ یہ موقع زچہ و بچہ دونوں کے لئے المناک ہوتا ہے۔

۲۔ موت کا وقت' کہ اس وقت انسان کو وہ کچھ پیش آتا ہے جو پہلے نہیں آیا ہوتا۔

۳۔ قیامت کو اٹھائے جانے کا وقت کہ یہ سب سے زیادہ ہولناک وقت ہوگا۔

اللہ کریم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان تینوں موقعوں پر امن وسلامتی کی نعمت سے نوازا ہے۔

تو یہ ہیں حضرت ایشاع علیہا السلام کے قابل فخر فرزند پاکیزہ نفس تقویٰ شعار اور یہ ہیں ان کی والدہ محترمہ ایشاع خاتون علیہا السلام حضرت زکریا علیہ السلام پیغمبر کی عفت شعار بیوی جن کا ذکر اللہ کریم نے اپنی پاک کتاب میں فرمایا اور ان پر اپنا خاص فضل وانعام فرمایا۔ کہ کبرسنی میں انہیں بیٹے کی نعمت سے عزت بخشی اور ان کی بزرگی اور کرامت کا خاص اظہار ہے۔

اللہ کریم حضرت زکریا علیہ السلام کی اطاعت شعار بیوی اور صالح ماں سے راضی ہوا اور اپنی رحمت کے جوار میں خاص مقام بخشے اور صالحین وصالحات میں انہیں شامل فرمائے آمین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں بیویوں حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا بیان

کریم پیغمبر کی بیوی سارہ:

یہ ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سارہ علیہا السلام کا تذکرہ ہے۔ اس بیوی کی سیرت کے تذکرے بھی کانوں کے لئے لذت کا سامان اور ذہنوں کے لئے جلا ہے۔ ان کا قصہ قرآن کریم میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے۔ اور احادیث نبوی شریف میں بھی ان کا تفصیلی بیان ہے۔ اور تواریخ و تفسیر کی کتب میں بھی آپ کی سیرت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور معلومات کو تاریخ کے اوراق میں سمویا گیا ہے۔

اب ہم اس پاک سیرت بیوی کے ذکر سے اپنے مشام جان کو معطر کرتے ہیں۔ اور اپنے نفوس کو روحانی مسرت سے سرشار کرتے ہیں۔ اور اپنے قلوب کو باری تعالیٰ سے جوڑتے ہیں۔ اور اللہ کریم سے ایسا دائمی تعلق قائم کرتے ہیں جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

اسم گرامی سارہ خاتون علیہا السلام:

تمام مفسرین، مورخین، محدثین اور تذکرہ نویسوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بیوی کا نام نامی حضرت سارہ علیہا السلام بتایا ہے۔

اب ہم حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کے حالات مع ان کے شوہر کے تفصیل سے بیان کریں گے۔ یہ وہ خاتون ہیں جو فرشتوں سے ہم کلام ہوئیں۔ اور فرشتوں نے ان سے باتیں کیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے انہیں بیٹے کی خوشخبری سنائی تو آپ خوشی سے مسکرا رہی تھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس اکرام کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا۔ اور یہ اکرام ان کے لئے بعد کو مبارک و سعید ہو گیا۔

اور پھر اس سے اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کو بھی ٹھنڈک بخشی۔ کہ اس نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے ہمکنار فرمایا۔ اور آپ کو انبیاء علیہم السلام جیسی پاک ذریت بخشی۔ اور انہیں اپنا دلی دوست (خلیل) بنالیا۔ اور قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے مطہر کلام سے ان کی مدح سرائی کی۔ اور آپ اپنے پاک پروردگار پر مکمل بھروسہ کرنے والے اور تابع فرمان تھے۔ اسے اللہ کریم نے آپ کے جلیل القدر انبیاء کا پیشوا قرار دیا۔

"اور حلم جیسی مخصوص ربانی صفت سے موصوف ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ فرمایا"۔

اور قرآن کریم میں ایک پوری سورت "ابراہیم" کے نام سے نازل فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام:

کتب تفاسیر و تواریخ میں آتا ہے۔ کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر بابل میں سکونت فرماتے تھے۔ اور وہیں آپ نے حضرت سارہ خاتون سے نکاح فرمایا۔ آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ اور آپ کی رسالت پر ایمان لاچکی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی وہیں رہتے تھے۔ وہ بھی آپ پر ایمان لاچکے تھے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ خاتون بانجھ تھیں۔ اللہ کریم نے انہیں حسن و جمال کی دولت سے بہت نوازا تھا۔ اور تواریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی ملکیت میں مال مویشی کثیر تعداد میں تھے۔ اور زمین کی بہت بڑی جاگیر بھی تھی۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سپردگی میں دے دیا تھا۔ کہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کریں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب نبوت تفویض ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو دین کی دعوت دینے کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فریضے کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ اور دین حق لوگوں تک پہنچانے میں آپ نے پوری جدوجہد فرمائی۔ لیکن قوم راہ راست پر نہ آئی۔ اور آپ ان کی ہدایت سے مکمل طور پر مایوس ہو گئے۔ کہ قوم نے بڑے بڑے معجزے دیکھ کر بھی ایمان کی طرف رخ نہیں کیا۔ اور بابل کی سرزمین آپ پر تنگ کر دی گئی۔ تو اس موقعہ پر کافروں کی سرزمین بابل سے ہجرت کرنا آپ کے لئے ناگزیر ہو گیا۔

کتب میں لکھا ہے۔ کہ آپ اپنی بیوی حضرت سارہ خاتون علیہا السلام اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی وصیت میں بابل سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور بیت المقدس کا رخ فرمایا۔ اور یہ سب لوگ شام کے نواح میں حران نامی بستی میں آ رہے۔ وہاں کے لوگ بھی بت پرست تھے۔ اور سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ اس زمانے میں پوری روئے زمین پر کافر ہی آباد تھے۔ اور سوائے بت پرستی اور کواکب پرستی کے کسی اور دین سے واقف نہیں تھے۔ اور ان کے دلوں میں بس بت پرستی اور شرک ہی بھرا ہوا تھا۔ اور اس وقت روئے زمین پر سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بیوی سارہ خاتون اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے اور کوئی مومن موجود نہیں تھا۔

اور اس بت پرستی اور عقیدے کے فسادات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی دور کرنا تھا۔ اور آپ نے ہی اس گمراہی کو تہس نہس اور کفر کو نیست و نابود کرنا تھا۔ اور اللہ کریم نے آپ کو یہ شرف بخشا اور اکرام نصیب فرمایا کہ آپ نے یہ کام کر دکھایا۔ اللہ کریم نے آپ کو کمسنی اور آغاز سے ہی رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ اور پھر وقت آنے پر آپ کو منصب رسالت پر فائز فرما کر اپنا خلیل (دلی دوست) بنالیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس منصب جلیل کے اہل بھی تھے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ ﴿الانبیاء: ۵۱﴾

''اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی۔ اور ہم ان کے حال سے واقف تھے''۔

حضرت سارہ خاتون کے کمالات:

معتبر ذریعوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت سارہ علیہا السلام کو اللہ کریم نے حسن و جمال کے وصف سے پوری طرح سرفراز فرمایا تھا۔ اور انسانی کمالات اور خوبیوں میں آپ دنیا کی دوسری عورتوں سے ممتاز تھیں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دمشق میں حضرت انس بن مالک کے حوالے سے ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر کی ہے۔ کہ حضرت سارہ خاتون اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بدرجہ کمال حسن کی دولت عطا فرمائی گئی تھی۔ کہ دنیا کے کل حسن کا نصف حضرت سارہ و حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے دنیا کے حسن کو کل دس حصوں میں تقسیم فرما دیا۔ جس میں سے تین حصے حضرت بی بی حوا علیہا السلام کو تین حصے حضرت سارہ علیہا السلام کو تین حصے حضرت یوسف علیہ السلام کو اور ایک حصہ تمام مخلوق کو عطا فرمایا۔ اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت غیرت مند بھی تھیں۔

حضرت سارہ خاتون کی آزمائش:

تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام مصر میں وارد ہوئی ہیں۔ تو انہیں اپنے حسن و جمال کی وجہ سے بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ پرانی دستاویزات میں یہ بات موجود ہے۔ کہ ارض فلسطین جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ قحط سالی وخشک سالی کا شکار ہوگئی۔ جس کی وجہ سے آپ کو اپنی بیوی حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کی معیت میں مصر کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ جب یہ لوگ مصر پہنچے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا۔ کہ مصر کا ظالم بادشاہ دوسروں کی عورتوں پر نظر رکھتا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی بیوی کی خوبصورتی کے پیش نظر اندیشہ ہوا۔ تو انہوں نے حضرت سارہ سے کہا۔ کہ اگر بادشاہ نے مجھ سے تمہارے تعارف کے بارے میں پوچھا تو میں اس سے کہونگا۔ کہ یہ میری بہن لگتی ہے۔ تو تم میری بات کی تردید نہ کرنا۔ کیونکہ اس ملک میں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مسلمان نہیں ہے۔ اور کتاب اللہ کی رو سے تم میری بہن ہی لگتی ہو۔ کیونکہ سب مسلمان آپس میں بھائی بندے ہوتے ہیں۔ لہذا مسلمان ہونے کے ناطے سے تم میری بہن ہوئیں۔

حضرت سارہ خاتون دربار شاہی میں:

پھر ایسا اتفاق ہوا۔ کہ مصر کے کسی سرکاری افسر نے حضرت سارہ خاتون کی جھلک دیکھ لی۔ اور دوڑتا ہوا اپنے بادشاہ کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ سرکار آج کل مصر میں ایک ایسی حسین و جمیل خاتون وارد ہوئی ہے۔ وہ آپ کے عین شایان شان ہے۔ کہ اس کا حسن و جمال سورج کی روشنی کو شرماتا ہے۔ بادشاہ تو یہ سن کر خوشی سے پھول گیا۔ اور اپنے اس خوشامدی افسر کو حکم دیا کہ اس حسین و جمیل خاتون کو دربار میں فوراً حاضر کیا جائے۔

لہٰذا اس افسر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کے پاس آ کر کہا۔ کہ بادشاہ نے اس خاتون کو بلا بھیجا ہے۔لہٰذا حضرت سارہ علیہا السلام اس افسر کے ساتھ چل پڑیں۔اور محل کے اندر چلی گئیں۔آپ نے محل کی شان و شوکت دیکھی کہ بڑے بڑے ریشمی پردے لٹکے ہوئے ہیں۔اور کئی قسم کے پاٹ دھرے ہیں۔اور مخملی فرش بچھے ہیں۔اور بڑے بڑے قوی ہیکل ستون ایستادہ ہیں۔یہ دیکھ کر آپ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئیں۔اور محل کی شفاف چمکیلی اور منقش دیواروں نے انہیں ذرا بھی مبہوت نہیں کیا۔اور دائیں بائیں پھرتے ہوئے خدمتگاروں سے وہ بالکل مرعوب نہیں ہوئیں۔

کیونکہ ان کا دل اس وقت اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا تھا۔اور وہ نہایت وقار سکون اور اطمینان سے دربار میں کھڑی تھیں۔اور ان کے دل کو پورا یقین تھا۔کہ میں پروردگار عالم کی حفاظت میں ہوں۔اور مالک یوم الدین جو ہر چیز کا مالک و مختار ہے۔میرا رکھوالا ہے۔وہ تو اس وقت خدائے کریم کی تسبیح و ذکر میں مصروف تھیں۔اور ان کا دل وجود الٰہی سے متعلق ہو کر روحانی خوشی حاصل کر رہا تھا۔اور وہ اس موقعہ پر ذکر الٰہی سے ذرا بھر کو بھی غافل نہیں ہوئیں۔

اور وہ اس وقت اس مراقبے اور تصور میں تھیں کہ میں شاہ مصر کے نہیں بلکہ بادشاہوں کے بادشاہ جبار و قہار کے دربار میں کھڑی ہوں۔اور وہ جانتی تھیں کہ میں ایک اولوالعزم پیغمبر کی بیوی ہوں۔ جو خلیل الرحمٰن اور محبوب رب العالمین ہیں۔میں ان کی امانت ہوں۔اللہ کریم ضرور میری حفاظت فرمائے گا۔

لہٰذا آپ دل و جان سے بارگاہ الٰہی میں حاضر تھیں۔اور اللہ کریم کی رحمت کے سایہ میں مسرور کھڑی تھیں۔اور اس خطرناک موقعہ پر آپ کو اپنی حفاظت کا پورا یقین تھا۔

ادھر شاہ مصر آپ کے حسن و جمال سے مبہوت ہو رہا تھا۔اور اس کے قوی جواب دے گئے تھے اور اس پر رعشہ طاری تھا۔اور وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔اور وہ سمجھ نہیں سکا کہ اس خوف و دہشت کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ خوف اس کے دل و دماغ پر کیوں حاوی ہو رہا ہے۔

اسے کیا معلوم تھا یہ رعشہ و تھرتھراہٹ تنبیہ خداوندی ہے۔اور جب اس نے دوبارہ حضرت سارہ علیہا السلام کو کھوٹی نظر سے دیکھا۔تو اس کا رواں رواں خوف و دہشت سے کانپ اٹھا۔اور اس کے حواس معطل ہو کر رہ گئے۔

اس وقت شیطان لعین نے اس کے کان میں پھونکا۔کہ ڈریں نہیں آگے بڑھیں۔اس پر

بادشاہ نے جونہی آگے بڑھ کر حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ تو اس کے تمام اعضاء بے جان ہو کر رہ گئے۔ اور زبان گنگ ہو گئی۔ اور اس پر شدید گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اور اس کا دل پھٹنے لگا۔ اور اس کے دل و دماغ میں زلزلہ آ گیا۔ اور اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں تڑپنے اور پھڑ کنے لگا۔

اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام برابر گرم جوشی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے ساتھ سرگوشی اور راز و نیاز میں مصروف تھیں۔ کہ انہیں ایسے محسوس ہوا۔ کہ ایک نور نے ان کا تمام تن روشن کر دیا ہے۔ اور اطمینان اور سکون ان کے دل کی گہرائیوں تک سرایت کر گیا ہے۔ اور اللہ کریم کی جانب سے برابر تسلی ان پر نازل ہو رہی ہے۔ اور آپ بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہی تھیں:۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِکَ وَ بِرَسُوْلِکَ وَاَحْصَنْتُ فَرْجِیْ اِلاَّ عَلٰی زَوْجِیْ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَیَّ الْکَافِرَ

"اے اللہ کریم! تجھے معلوم ہے۔ کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول علیہ السلام پر ایمان لائی ہوں۔ اور میں نے اپنی عزت کی حفاظت کی ہے۔ اور سوائے اپنے شوہر کے کسی کا منہ نہیں دیکھا۔ تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ کرنا"۔

اس موقعہ پر اس گرفتار عذاب بادشاہ نے حضرت سارہ خاتون علیہا السلام سے گذارش کی کہ اے نیک خاتون! اپنے پروردگار سے دعا کریں۔ کہ وہ مجھے اس عذاب سے بچا لے۔ تو پھر کبھی آپ کی جانب برے ارادے سے نہیں دیکھوں گا۔

اس پر حضرت سارہ علیہا السلام نے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کی کہ اس ظالم و جابر کو معاف کر دے۔ تو ایک دم ایسا ہوا۔ کہ گویا بادشاہ کے بندھن کھل گئے ہیں اور وہ آزاد ہو گیا ہے۔ لیکن شیطان کے بہکانے سے دوبارہ اس ظالم نے برائی کے ارادے سے اپنا ہاتھ خلیل الرحمٰن کی زوجہ محترمہ کی طرف بڑھانا چاہا۔ تو پہلے سے بھی زیادہ مفلوج اور بے جان ہو کر رہ گیا۔ پھر بادشاہ نے حضرت سارہ خاتون علیہا السلام سے سفارش کی کہ اپنے پروردگار سے میری خلاصی کی دعا کریں۔ تو میں پھر ایسے برے کام کا ارادہ نہیں کروں گا۔ حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی۔ اور اس ظالم کی خلاصی ہو گئی۔ تو اس ظالم نے تیسری مرتبہ اس بدنیتی کا مظاہرہ کیا۔ اور اسی خدائی عذاب کی مار پڑی تو اس نے نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع سے اور رحم طلب نگاہوں سے سارہ سے التجا کی کہ اپنے اس الہ العالمین کی بارگاہ میں میرے لئے

سفارش کریں۔ جس کی آپ عبادت کرتی ہیں۔ کہ وہ مجھے عذاب سے خلاصی دے۔ اب میں کبھی بھی اس برائی کے ارادے سے آپ سے پیش نہیں آؤں گا۔

جب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو اس کی بات کا یقین ہو گیا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے عذاب سے رہائی کی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور ظالم کو عذاب سے رہائی نصیب ہوئی۔ اس موقعہ پر وہ ظالم و جابر حضرت سارہ علیہا السلام کے سامنے دہشت زدہ ہو کر ہانپنے لگا۔ جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو کر رہ گئے تھے۔ اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا تھا۔

اس موقعہ پر بادشاہ مصر نے حضرت سارہ علیہا السلام سے پوچھا کہ اتنی جلدی تمہارے رب نے تمہاری دعا کیسے سن لی؟ حضرت سارہ علیہا السلام نے فرمایا۔ کہ تم بھی اپنے پروردگار کی اطاعت کر کے دیکھ لو۔ تو وہ تمہاری بھی اسی طرح سنے گا۔ جیسے اس نے میری دعا سنی۔ یہ سب ایمان اور یقین کا کمال ہے۔

اللہ اکبر! کیسی خوبصورت بات حضرت سارہ علیہا السلام نے ظالم بادشاہ سے کہی۔

کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ گے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارا ہو جائے گا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

اگر تم اس عادل و حاکم کے حکم سے سرتابی نہیں کرو گے۔ تو تمہارے حکم سے بھی کوئی شخص سرتابی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین اور ایمان سے معجزے ہوتے ہیں۔ اور اللہ کریم صاحب یقین مومن کی زبان سے بولتا ہے۔ اور اس کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارشارے سے ہوتا ہے۔

اب اس ظالم نے اپنے اس سرکاری افسر کو طلب کیا۔ اور اسے کہا۔ کہ اس خاتون کو لے جاؤ۔ یہ تم کسی انسان کو نہیں۔ جن زادی کو لے آئے ہو۔ اور رخصت کرتے وقت بادشاہ مصر نے حضرت سارہ خاتون کی خدمت میں ایک کنیز خدمت کے لئے پیش کی۔ جن کا اسم گرامی حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ سارہ خاتون علیہا السلام اور ان کے شوہر اس کے ملک سے چلے جائیں۔

حضرت سارہ خاتون اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اکرام:

جب سے حضرت سارہ علیہ السلام کو دربار مصر کی طرف لے جایا گیا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ

السلام مسلسل نماز و عبادت میں مصروف اپنی بیوی کی رہائی کی دعا کرتے رہے۔ اور یہ کہ اس ظالم و جابر کی طرف سے حضرت سارہ علیہا السلام کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ اور وہ صحیح وسلامت واپس آ جائیں۔ اوزادھر سارہ بھی برابر دعاؤں میں مصروف رہیں۔ کہ اللہ کریم نے انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ وہاں سے رہائی دلائی۔ اوران کے دامن عزت کی حفاظت فرمائی۔ اور اپنے پیارے بندے خلیل الرحمٰن کی عزت کو صاف محفوظ رکھا۔

مفسر کبیر حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کی کرامت اور حفاظت کے اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کہ میں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی اثر میں دیکھا ہے۔ کہ جس وقت حضرت سارہ خاتون علیہ السلام دربارہ بادشاہ میں پیش کی گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تسلی کے لئے حضرت سارہ علیہ السلام اور آپ کے درمیان سے حجاب اٹھا دیا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام سارا وقعہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ اور وہاں جانے سے لے کر واپس آنے تک سب کچھ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ اور یہ کرامت آپ کا دل صاف رکھنے اور مزید مطمئن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی۔ کیونکہ حضرت سارہ علیہا السلام بوجہ دین داری اور تقویٰ کے اور نیز حسن و جمال کی وجہ سے بھی آپ کو بہت محبوب تھیں کہتے ہیں کہ حضرت بی بی حوا کے بعد یہی دنیا کی عورتوں میں سب سے زیادہ صاحب حسن و جمال تھیں۔ **بحوالہ الھدایۃ و النھایۃ**

اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ کہ دنیا میں تین عورتیں مرتبہ نبوت پر سرفراز ہوئی ہیں۔

۱۔ حضرت سارہ خاتون علیہا السلام۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ علیہا محترمہ۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم بی بی علیہا السلام۔

لیکن جمہور علما اسلام کا خیال ہے۔ کہ یہ خواتین گرامی تینوں کی تینوں صدیقہ تھیں۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت سارہ خاتون کا بیان:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہ السلام کا واقعہ جابر بادشاہ کے ساتھ اپنی زبان مبارک سے بیان فرمایا ہے:۔

چنانچہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ تین مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظاہری طور پر خلاف واقعہ بات کی۔ دو بار اللہ کریم کی توحید کے سلسلے میں کہ جب قوم نے آپ سے میلے میں چلنے کو کہا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں بیمار ہوں۔ اور جب قوم نے پوچھا کہ یہ ہمارے معبودوں کو کس نے توڑا پھوڑا ہے۔ تو آپ نے فرمایا:۔

"بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اس سے پوچھ لو"۔ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُ ط

اور ایک بار اس موقعہ پر کہ آپ حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ جا رہے تھے اور جابر بادشاہ کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی کے ساتھ ایک نہایت ہی حسین وجمیل عورت جا رہی ہے۔ تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ آپ کی کون ہوتی ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہیں۔ پھر آپ سارہ کے پاس آئے اور فرمایا۔ کہ اس وقت میرے اور تیرے سوا کوئی مومن دنیا میں موجود نہیں۔ تو ایک طرح سے مومن ہونے کے ناطے سے ہم بہن بھائی ہیں۔ اور میں نے انہیں یہی بتایا ہے۔ اگر تم سے پوچھیں تو تم میری بات کی تردید نہ کرنا۔

اور اس کے بعد ظالم بادشاہ کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر ہوا۔

لہٰذا اس بادشاہ نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اور بطور خادمہ کے ایک کنیز ہاجرہ علیہا السلام کو آپ کے ساتھ کر دیا۔ جب یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت سارہ کو دیکھ کر آپ نے ہاتھ سے اشارہ سے پوچھا" مَهْيَمْ " کہ کیا ہو۔؟ تو حضرت سارہ علیہ السلام نے آپ کو جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے فریب کو ناکام کر دیا۔ اور یہ ہاجرہ بی بی بطور خادمہ کے ساتھ آئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ.

حضرت سارہ وہاجرہ:

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے فلسطین کو لوٹ آئے۔ اور حضرت سارہ علیہ السلام اور ان کے ساتھ حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی ساتھ آئیں۔ جو حضرت سارہ علیہا السلام اور آپ کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت کرتی تھیں۔

اور یہ سب بیت المقدس میں رہ رہے جو ایک بابرکت سرزمین تھی۔ وہیں ان کے ماہ وسال گذرتے گئے۔ اور حضرت سارہ خاتون عمر رسیدہ ہو گئیں۔ اور سر کے بال سفید ہو گئے۔ اور نہایت کمزور اور بوڑھی ہو گئیں۔ اور یہ آپ کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے بھی عمر میں کئی سال بڑے تھے۔

حضرت سارہ علیہا السلام اپنی اور اپنے شوہر کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھتیں۔ اور دل میں کہتیں کاش ہمارا کوئی بیٹا ہوتا جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔

امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ کہ آپ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام بانجھ ہو چکی تھیں۔ جب سارہ علیہا السلام نے دیکھا کہ اب اولاد کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو آپ نے چاہا کہ وہ اپنی کنیز ہاجرہ کو اپنے شوہر کو پیش کر دیں۔ لیکن غیرت نے آپ کو ایسا کرنے سے روکے رکھا۔

لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنی روحانیت کی وجہ سے اور اپنے شوہر کی محبت میں ان کے لئے ایثار فرمایا۔ اور اس تمنا میں کہ ان کے شوہر کے ہاں اولاد ہو جائے۔ اور اولاد کی وہ خود اہل نہیں۔ لہٰذا انہی اخلاص بھرے روحانی لحات میں اپنی مصری خادمہ حضرت ہاجرہ کو جو سارہ کے ساتھ ہی رہتی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر ایمان بھی لا چکی تھیں۔ اور اپنی ذات کو خدائے لاشریک کے سپرد کر دیا تھا۔ اور ہر وقت عبادت و ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اور حضرت سارہ خاتون حضرت ہاجرہ کی یہ عبادت گزاری نیک اعمال ذکر اذکار اور دن رات ان دونوں کی خدمت گاری ملاحظہ فرماتی رہیں۔ رات دن گذرتے رہے۔ اور حضرت ہاجرہ کو نہیں معلوم تھا۔ کہ حضرت سارہ کے دل میں کیا جذبات امڈ رہے ہیں۔ اسی دوران میں حضرت ہاجرہ بھی روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ کر نہایت پاک نفس ہو گئی تھیں۔ کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت اور لذت ذکر اذکار میں مصروف رہتیں۔ اور ایمان کو اپنے دل میں پختہ کرتی رہتیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہتیں۔

لہٰذا خدائے کریم رؤف الرحیم کی مشیت کو یہ منظور ہوا۔ کہ وہ اپنی اس نیک بندی کو ان اعمال صالحہ کی جزا دے اور اس شکر گزار خاتون کو اپنے انعامات سے مزید نوازے اور زمانے بھر کی عورتوں پر ان

کا اکرام و مرتبہ بلند کرے اور حکمت الٰہیہ کو یہ بات پسند ہوئی کہ ان کا معطر ذکر خیر تا قیامت جاری و ساری رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ علیہا السلام خاتون کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ حضرت ہاجرہ خاتون کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کر دیں۔ لہٰذا روحانی صفائی کی بنا پر اللہ کریم نے حضرت سارہ علیہا السلام کا دل اس نیک کام کے لئے کشادہ کر دیا۔ اور آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ یا خلیل الرحمٰن! یہ ہاجرہ بی بی آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ اس سے نکاح فرما لیجئے۔ تا کہ ان سے اللہ پاک آپ کو اولاد کی دولت سے مالا مال کر دیں۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد آیا۔ کہ رب کریم نے ان سے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ وہ انہیں پاک ذریت کا انعام بخشیں گے:۔

"اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے"۔ وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَاتِيًّا ○

لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ خاتون کی یہ پیشکش فوراً قبول فرمالی۔ تا کہ وعدہ الٰہی پورا ہو۔ اور ان کی مراد بر آئے۔

اس طرح حضرت ہاجرہ امید سے ہو گئیں۔ اور آپ کے ہاں ایک نہایت صحت مند خوبصورت بچہ تولد ہوا۔ جس کا نام گرامی حضرت اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔

اس خوبرو لڑکے کی پیدائش پر حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو بھی بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کی محبت ان کے دل میں ڈال دی۔ کہ ان کے محبوب شوہر کا بیٹا اور نور نظر تھا۔ اور ان کی نیک پارسا مومنہ کنیز ہاجرہ علیہا السلام کا لخت جگر تھا۔ حضرت سارہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بچے کی عطا پر شکر گزار ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے لگیں۔ اور بارگاہ رب کریم میں سجدہ شکر بجالائیں۔ اور ان کے دل کو اس سے نہایت سکون و تسلی نصیب ہوئی۔ اور ان کی روح اللہ تعالیٰ کی ذات میں گم ہو کر روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کی احسان مند ہونے لگی۔

اور لڑکے کو دیکھنے کی مشتاق ہو کر دلی شوق سے حضرت ہاجرہ کے کمرے میں گئیں۔ تو آپ نے سنا کہ آپ کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے تھے:۔

"پروردگار میں اس بچے کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں"۔ رَبِّ اِنِّيْٓ اُعِيْذُهٗ بِكَ وَذُرِّيَّتَهٗ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط

حضرت سارہ علیہا السلام نے بچے کو نہایت پیار سے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھایا۔ اور نہایت

شفقت اور نرمی سے اسے اپنے بیٹے سے ملا لیا۔ اور انہیں یاد آیا کہ اسی کے لئے ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے:۔

"رب کریم مجھے نیک بیٹا عطا فرما"۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اللہ کریم نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور آپ کو بڑھاپے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سا حوصلہ مند بیٹا نصیب فرمایا۔

حضرت سارہ خاتون علیہا السلام اور دوسرے پیغمبرؑ:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا کرتے تھے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب شدید سے بچنے کی دعوت دیتے رہتے۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی پوری کوشش ہوتی کہ لوگ ہدایت پر آ جائیں۔ اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ لیکن انہوں نے آپ کی دعوت کا مزاح اڑایا۔ اور ہدایت سے دور بھاگتے رہے۔ اور جتنا آپ ان کو سمجھاتے وہ اتنی ہی ان سے نفرت کرتے۔ اور جب وہ لوگ آپ سے تنگ آ گئے۔ تو آپ کی ہنسی اڑا کر کہنے لگے:۔

"آپ اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آئیں اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں"۔ اِئْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

لیکن حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی ہدایت کی امید لگی ہوئی تھی۔ اور آپ کو امید تھی۔ کہ یہ لوگ ان خرابیوں سے باز آ جائیں گے۔ اور خلاف فطرت کام چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لیں گے۔

لیکن قوم پوری طرح بدکاری کے شکنجے میں کسی ہوئی تھی۔ الٹا انہوں نے سختی سے آپ کے خلاف محاذ بنا لیا اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ:

"لوط اور اس کے ماننے والوں کو اپنی اس بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں"۔ اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝

لہٰذا جب حضرت لوط علیہ السلام ان کی ہدایت سے بالکل مایوس ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے:۔

"اے پروردگار اس فسادی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما"۔ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ○

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم اردن کے قریب سدوم شہر میں رہتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس میں رہائش پذیر تھے۔ اور وہیں اپنی دونوں بیویوں حضرت سارہ علیہا السلام اور ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرتے رہتے تھے۔

اور یہ لوگ نہایت مہمان نواز تھے۔ ہر وقت مہمانوں کے منتظر رہتے۔ کہ کوئی ان کے ہاں مہمان اترے تو یہ اس کی خاطر مدارات کریں۔ اور خوب اس کا احترام و اکرام کریں۔ اس لئے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابو الضیفان (بابائے مہمان نوازی) کہتے تھے۔ اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں پہلے شخص ہیں جنہوں مہمان نوازی کا طریقہ ایجاد کیا۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے روٹی اور گوشت کے شوربے سے ثرید تیار کیا۔ اور لوگوں کو کھلایا۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مونچھیں منڈوائیں۔ زیر ناف کے بال کاٹے۔ ختنہ کیا۔ ناخن کاٹے۔ مسواک کی۔ بالوں میں مانگ نکالی۔ کلی کی ناک میں پانی ڈالا۔ اور پانی کے ساتھ استنجا کیا۔ اور پہلے شخص ہیں جو ایک سو پچاس برس کی عمر میں جوان ہوئے۔ اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابو الضیفان بھی کہا جاتا تھا۔

انوکھے مہمان:

ایک دن سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اور اس کی شعاعیں بیت المقدس کی ہر چیز سے گلے مل رہی تھیں۔ ابھی دن تھوڑا سا گزرا تھا۔ کہ ابو الضیفان حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دور سے کچھ لوگ آتے دکھائی دیئے۔ آپ نے خیمے سے انہیں دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ ان مہمانوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

جب وہ لوگ خیمہ کے پاس پہنچے تو وہ تین آدمی تھے انہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر انہیں سلام کیا۔ حضرت نے انہیں سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے سلام سے ایک گونہ روحانی سکون اور تسلی حاصل ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ یہ مہمان نہایت ہی حسین و جمیل

ہیں۔ خوش چہرہ اور تازہ رو ہیں۔ ان کے چہرے نورانی اور بارونق ہیں۔ اور خیمہ ان کی موجودگی سے مہک گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور خیمے میں انہیں احترام سے بٹھایا۔ اور آپ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ تاکہ ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کریں۔ اور ان کے شایان شان رہنے کا بندوبست کریں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑے کا تازہ بھنا ہوا گوشت ان کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ اور یہ گوشت صحت مند جوان بچھڑے کا تھا۔ جو آپ نے نہایت شوق سے پال رکھا تھا۔ جس سے آپ کو بہت پیار تھا۔ اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ آج آپ نے دل کی محبوب و پسندیدہ بچھڑا ذبح کر کے اور نہایت اہتمام سے بھون کر ان مسافر مہمانوں کے سامنے لا رکھا تھا۔ اور اپنے ہاتھ سے انہیں پیش کیا۔ کہ تناول کریں۔ اور خود بھی ان کے ساتھ کھانے کے لئے تیار ہو گئے۔

عظیم بشارت:

خیمے کے ایک کنارے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بوڑھی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام مہمانوں کی خدمت کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ جیسا کہ مہمان نوازی میں عربوں کا عام دستور ہے۔ لیکن ان مہمانوں میں سے کسی نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اور کسی نے گوشت تو چکھ کر بھی نہ دیکھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیکھا۔ تو آپ کو حیرت ہوئی۔ کہ یہ کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔ اور آپ کو ان سے خطرہ محسوس ہوا۔ کہ کہیں یہ کوئی دشمن ہی نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مہمانوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔ تو آپ نے ان سے فرمایا:۔

"ہمیں آپ سے ڈر لگ رہا ہے"۔ ﴿إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ۝﴾ الحجر: ۵۲

اس دوران میں حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ کہ آپ کا خوف دور ہو۔ اور فرمانے لگیں عجیب بات ہے۔ کہ ہم تو دل و جان کے ساتھ اور اکرام کے ساتھ ان کی مہمانی کر رہے ہیں۔ اور یہ ہیں کہ ہمارے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگا رہے۔

اس موقعہ پر مہمانوں نے حقیقت حال سے پردہ اٹھایا۔ اور اپنی اصلیت کو ظاہر کرتے ہوئے

فرمایا۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ ہم ادھر سے گزر رہے تھے۔ کہ آپ کو ملنے کے لئے چلے آئے پھر انہوں نے آپ کو تسلی دی۔ اور ایک عظیم خوشخبری سنائی:۔

"فرشتے کہنے لگے۔ آپ مت ڈریں۔ اور انہیں ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری دی"۔ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ ﴿الذاریات: ۲۸﴾

اوران کی بانجھ بیوی سارہ کو اسحاق بیٹے کی خوشخبری تھی۔ اور انہوں نے آپ کو بتایا کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم کام انجام دینے کے لئے آئے ہیں۔ اور اس مہم کو ہم نے ابھی جلد ہی سرانجام دینا ہے۔ اور انہیں بتایا کہ وہ ایک مجرم قوم کو سزا دینے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ یعنی قوم لوط علیہ السلام کی طرف جن پر پتھروں کی بارش ہونی ہے۔ کہ ہر پتھر پر ان میں ہر خطا کار ظالم کا نشان ہے۔ اور انہوں نے بتایا۔ کہ اس سلسلے میں حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے نصرت طلب کی ہے۔ کہ وہ اس فسادی قوم سے ان کی جان چھڑائیں۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی مدد کو آئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں حکم ہوتا ہے۔

کیا میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا؟:

جب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام نے معزز فرشتوں سے بیٹے کی یہ خوشخبری سنی تو آپ حیرت زدہ رہ گئیں۔ اور ان کی چیخ نکل گئی۔ اور جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر تعجب سے کہنے لگیں۔ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۔ کیا بوڑھی بانجھ کے ہاں لڑکا ہوگا؟

"میں بوڑھی ہو کر بچہ جنوں گی"؟ ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ۔

ہائے میں امید سے ہونگی بچہ جنوں گی۔ اور اسے دودھ پلاؤں گی۔ اور میری عمر نوے برس کو پہنچ گئی ہے۔ اور میرے ہاں تو جوانی کے زمانے سے بھی کوئی بچہ نہیں ہوا۔ تفسیر ابن کثیر خازن)

آپ بار بار تعجب کا اظہار کر رہی تھیں۔ اور اس عجیب وغریب خوشخبری سے انہیں بہت حیرت ہو رہی تھی۔ کہ وہ تو عرصہ سے بے اولاد چلی آ رہی ہیں۔ اب تو اولاد کی بالکل کوئی امید نہیں رہ گئی تھی۔ اور آپ پھر فرشتوں سے پوچھنے لگیں۔

"کہ میں اس بڑھاپے میں بچہ جنوں گی"۔ يٰوَيْلَتٰٓى ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ ○

اور پھر طرفہ یہ کہ میرے شوہر بھی بہت بوڑھے ہیں۔ یہ تو بہت عجیب بات ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت سارہ علیہا السلام کو لڑکا عطا ہونے کے بارے میں بات کی۔ تو حضرت سارہ علیہا السلام شرما کر دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو گئیں۔ اور ان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ اپنے بارے میں کوئی ایسی تعجب انگیز خبر سن کر حیرت کا اظہار کرتی ہیں۔ اور اس وقت بچہ پیدا ہونے کی دو رکاوٹیں تھیں۔

۱۔ بڑھاپا

۲۔ بانجھ پن

کیونکہ آپ کے ہاں شروع عمر سے اب تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا۔ کہ یہ مہمان دعا دے رہے ہیں کہ آپ کو اللہ بیٹا دے۔

انہوں نے فرمایا ہم آپ کو دعائیں دے رہے۔ بلکہ حقیقتاً بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ اور یہ ہم نہیں کہہ رہے۔ بلکہ:

"تمہارے پروردگار نے ایسا فرمایا ہے"۔ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ

پھر ناممکن ہونے کے شک کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ:

"بلاشبہ وہ حکمت والا جاننے والا ہے"۔ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝

وہ اپنی حکمت سے سب کچھ کرتا ہے۔ اور ہر کام کو کرنا جانتا ہے۔ اس حیرت میں پڑ کر حضرت سارہ علیہ السلام کو یہ یاد نہ رہا کہ خوشخبری مالک و مختار کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس پر فرشتوں نے انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ کہ یہ سب قدرت خداوندی کے کام ہیں۔ جن میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ لہٰذا حضرت سارہ علیہا السلام کی اس حیرت کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا:

"کیا تم اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ وہ قابل تعریف اور بزرگ ہیں"۔ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ ﴿ھود ۷۳﴾

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

کہ فرشتوں نے حضرت سارہ علیہا السلام کے تعجب پر حیرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ اس گھرانے میں رہ رہی تھیں۔ جہاں معجزات و خوارق عادات کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حیرت انگیز واقعات کا مشاہدہ کرتی رہتی تھیں۔ اور انہیں عام عورتوں کی طرح اس خوشخبری پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ نبوت کے گھرانے کی ایک فرد تھیں۔ جن کے لئے ایسی باتیں کوئی انہونی باتیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ حیرت کی بجائے انہیں تو اللہ کا شکر گزار ہو کر اس کی حمد و ثنا کرنی چاہیے تھی۔ اس لئے فرشتوں نے انہیں کہا:۔

"کہ اے نبوت کے گھرانے والو! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں عام ہیں"۔ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ

اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ کہ ایسے اعزاز و اکرام تو تمہارے لئے ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایسے انعامات سے تو اللہ کریم تمہیں مرحمت ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس پر تمہیں تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

اب حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہ معزز مہمان اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کس مہم پر بھیجے گئے ہیں۔ اس موقعہ پر انہیں بیٹے کی خوشخبری پر خوشی ہوئی اور قوم لوط کی نافرمانیوں پر غصہ بھی آیا۔ اور ان کی ہلاکت کی خبریں کر خوش ہوئیں۔ اور فرشتوں نے واضح الفاظ میں بیٹے اسحاق کی خوشخبری دی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

"تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی"۔ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿هود: ٧١﴾

اور یہی نہیں کہ انہیں بیٹے اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی۔ بلکہ اس کے بعد پوتے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری بھی دی گئی۔ کہ وہ اپنی حیات ہی میں پوتے کی خوشی بھی دیکھیں گی۔ تم اس خوشی کی خبر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور سب غم فکر دور کر دو۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ اس بشارت اور بچے کی پیدائش میں ایک برس کا وقفہ تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت سارہ علیہا السلام کے بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور اب ان کے ہاں ننانوے برس کی عمر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو برس تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا لشکر اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔ ابھی گھر سے کچھ ہی ... کے لشکر کوچ

کرنے والے تھے۔اور سدوم کی آبادی پر اتنا بڑا عذاب نازل ہونے والا تھی۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام گھر سے دیکھ رہے تھے۔کہ بستی سدوم زیر و زبر ہونے والا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ پہنچا ہے۔اور گنہگار اپنے کئے کی سزا کو پہنچنے والے ہیں۔اور قوم لوط علیہ السلام کا بھی قوموں عاد و ثمود اور قوم نوح علیہ السلام کی طرح عبرت کا نشان بننے والی ہے۔کیونکہ یہ سب کے سب ظالم اور باغی تھے۔

اور صبح کے وقت حضرت ابراہیم علیہا السلام حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں نے تباہی پھیلانے والے فرشتوں کو آتے دیکھا سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اور نافرمانوں کے کہ ان کو ان فرشتوں کی آمد کی ذرا بھر خبر نہ تھی۔اور پھر ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔اور وہ سب نیست و نابود کر دیئے گئے۔

اس موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین سجدے میں گر پڑے۔اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرنے لگے۔جس نے انہیں اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیا۔اور وہ عذاب الٰہی سے بچ گئے۔

پیغمبر علیہ السلام کی والدہ محترمہ:

یہ اسحاق پیغمبر تھے۔جنہیں اللہ کریم نے نبوت کے لئے منتخب فرما لیا تھا۔اور یہ حضرت سارہ خاتون تھیں جنہیں پیغمبر کی والدہ ہونے کے ناطے سے خاص مقام حاصل ہو گیا تھا۔اور اس بیٹے عظیم پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہو کر رب العالمین کے ذکر میں مصروف رہتیں۔اور اللہ تعالیٰ کے ان کے انعامات کو یاد کر کے خوش ہوتی رہتیں۔

آپ اس وقت کو یاد کرتیں جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے بیٹے کی خوشخبری سن کر اپنا ہاتھ چہرے پر مار کر حیرت کا اظہار کیا تھا۔یاد کر کے وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتیں اور اس پر خوش ہوتیں کہ اللہ کریم نے اپنے سچے وعدے کو پورا کر دکھایا ہے۔اور انہیں اسحاق جیسا جلیل القدر بیٹا عطا فرمایا ہے۔اور جب سے ان کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوئے تھے وہ ہمہ وقت مسرور اور خوش دل رہتی تھیں۔اور اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔کہ ایک بانجھ عمر رسیدہ بڑھیا کے بیٹا پیدا ہو جائے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حضرت سارہ خاتون علیہا السلام پر بارش کی طرح برس رہی تھیں۔اور

حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کا خاندان ان انعامات سے باغ باغ ہو رہا تھا۔ اوراس فرمان باری کا اظہار ہورہا تھا:۔

''اے ابراہیم علیہ السلام کے گھر والو تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں''۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۝

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام و سارہ علیہا السلام پر یہ انعام تھوڑا تھا کہ اس عمر میں اسحاق جیسا جلیل القدر پیغمبر بیٹا اور اس طرح کا قابل عظمت پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا ہوا تھا۔ اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان میں سلسلہ نبوت جاری رکھا تھا۔ اور حکمت و دانائی اس خانوادے کی وراثت قرار پائی تھی۔ اور اس خاندان کو تمام جہانوں کے لئے نور علیٰ نور کردیا تھا۔

اب حضرت سارہ بی بی بہت عمر رسیدہ ہو چکی تھیں۔ اور وہ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے قرب سے مانوس رہتیں۔ اوران کا دل ان کی وجہ سے ہر وقت مسرور رہتا۔ اور وہ ہر لحظہ اللہ کریم کی حمد وثنا میں رطب اللسان رہتیں۔ اوران شعار تھا الحمد للّٰہ رب العلمین ۝

حضرت اسحاق علیہ السلام کے والدین نہایت بوڑھے ہو چکے تھے اور لوگ اس عجوبے پر حیران تھے۔

مشہور مورخین ابن عساکر ابن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے اور بڑے صاحبزادے تھے۔ جب حضرت سارہ خاتون کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو کنعانی لوگ کہنے لگے کہ تمہیں ان بوڑھے اور بڑھیا سے حیرت نہیں ہوتی ہے۔ جو کہیں گرا پڑا بچہ اٹھا لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ان کا بیٹا ہے۔ بھلا کیا ایسی بڑھیا بچہ پیدا کر سکتی ہے۔؟

تو اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی شکل وصورت ہو بہو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی بنادی۔ کہ جو بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کو دیکھتا کہتا۔ واقعی یہ اس بزرگ کا ہی بیٹا ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی جوانی:

جب حضرت اسحاق علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچے تو ذات الٰہی کے بڑے عارف اور دین الٰہی کے بڑے عالم ہوئے۔ اور وَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ عَظِیْمٍ اور وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ کے مصداق ہوئے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کی بزرگی اور عظمت:

تو یہ خاتون صدیقہ صادقہ خدائے مالک ومختار کے دربار میں صاحب مرتبہ وصاحب عظمت و شان عورت تھیں۔ اور رب العلمین نے ان کے لئے جنت میں ایک اعلیٰ وارفع مقام خاص کر دیا تھا۔ اور جنت میں مسلمان بچوں کی کفالت اور سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں خاوند بیوی کے سپرد فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں:۔

''مسلمانوں کے بچے جنت میں ایک پہاڑ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ خاتون کی کفالت میں ہیں۔ قیامت کے دن وہ انہیں ان کے والدین کے سپرد کر دیں گے''۔

اَوْلَادُ الْمُسْلِمِیْنَ فِی جَبَلٍ فِی الْجَنَّۃِ یَکْفِلُھُمْ اِبْرَاھِیْمُ وَسَارَۃُ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ دَفَعُوْھُمْ اِلٰی اٰبَائِھِمْ ○

اور یہ بھی حضرت سارہ خاتون کی بزرگی اور شرافت نفسی کی دلیل ہے۔ کہ انہوں نے اپنی کنیز کو اپنے پر ترجیح دے کر انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجگی میں دے دیا۔

اور اپنے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔ کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام ایک صحت مند اور صاحب عزت ومرتبہ خاتون ہیں۔ امید ہے اللہ کریم آپ کو ان سے بیٹا مرحمت فرمائیں گے۔ کیونکہ حضرت سارہ بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہ گئی تھیں۔ اور ابھی تک ان کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ مایوس ہو چکی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں دعا کر چکے تھے۔ کہ:

''اے پروردگار مجھے نیک بیٹا عطا فرما''۔

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○

﴿الصافات: ۱۰۰﴾

اور دعا کی قبولیت میں تاخیر ہوگئی اور حضرت ابراہیم بھی بوڑھے ہو گئے۔ اور حضرت سارہ تو بالکل اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ بی بی سے نکاح فرمایا۔ تو اللہ کریم نے انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام سا بیٹا عطا فرمایا۔

جب حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہا السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ علیہا السلام اس بات پر غمگین ہو گئیں۔ کہ وہ بیٹے کی نعمت سے محروم رہ گئیں۔ لیکن پھر انہوں نے اس

معاملے کو مشیت باری کے سپرد کر دیا۔ اور اس راضی برضا رہنے کے صدقے میں اللہ کریم نے انہیں نہایت بڑھاپے کی حالت میں بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ اور اس بیٹے کو یہ اکرام بخشا کہ انہیں غلام حلیم کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ اور انہیں ان معزز ہستیوں (پیغمبروں) میں شامل فرما دیا۔ جنہیں اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اور انہیں خوشخبری دی کہ وہ نبی ہونگے۔ اور نبی کے باپ ہونگے۔ اور یہ ان دونوں کے زمانہ نبوت کو دیکھنے کے لئے زندہ رہیں۔ کہ آپ حضرت اسحاق علیہ اسلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا زمانہ نبوت بھی ملاحظہ فرمایا۔

بی بی میرے جنت میں چلی جانا:

ایک دن حضرت سارہ خاتون علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل شدہ ایک پاک ربانی ''صحیفہ'' بڑے ذوق وشوق سے تلاوت فرما رہی تھیں۔ اور آواز فرشتوں کی طرح نہایت پیاری اور دلآویز تھی جیسی آواز انہیں فرشتوں کی طرف سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کے موقع پر آئی تھی۔

اور آپ کی تلاوت کی یہ روحانی صدارات کے سناٹے میں تیرتی ہوئی جا رہی تھی۔ اور دلوں کی گہرائیوں سے گزرتی ہوئی اس بارگاہ الٰہی تک پرواز کر رہی تھی۔ جس نے ہر چیز کو حسن بخشا ہے۔ اسی دوران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام کے حق تعالٰی سے یہ راز و نیاز سن رہے تھے۔ اور ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام بھی بڑے دھیان سے یہ ملکوتی ترتیل اپنے کانوں میں اتار رہے تھے۔ کہ اسی دوران میں آپ جذبہ سے اٹھے اور اپنی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاتھوں کو چومنے لگے۔ اور پھر اٹھ کر ان کے سر کا بھی بوسہ لیا۔

حضرت سارہ علیہا السلام صبح وشام اپنے پروردگار سے ہمراز ہوتیں۔ اور گوشہ نشین ہو کر ہمیشہ اللہ تعالٰی کی یاد کرتیں۔ کیونکہ انہوں نے حق تعالٰی کے وعدہ کو سچا پایا تھا۔ اور وعدہ الٰہی کے مطابق اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ ہر وقت حمد وثناء الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔ اور یاد الٰہی سے اپنے دل و جان کو مسرور رکھتیں۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کی یاد سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں:۔

''اور اللہ تعالٰی کے ذکر سے ہی روحوں میں تازگی آتی ہے''۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○

حضرت سارہ علیہا السلام خاتون کی وفات:

عبادات واذکار کی انہی مصروفیتوں میں ان کی یہ پاکیزہ زندگی گزر رہی تھی۔ کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں یاد فرمالیا۔ اور اسی ذکر و تسبیح کے دوران میں انہیں موت کا پیغام آ گیا۔ اور خلیل اللہ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور عظیم پیغمبر کی والدہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی دادی نے وفات پائی۔ اور ان کی روح پاک راضیہ مرضیہ ہو کر اپنے رب کریم سے جا ملی۔ اور افق اعلیٰ کی رفعتوں سے صدا آئی:۔

''جا میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا۔ اور جنت میں چلی جا''۔ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ○

آخری منظر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں باپ بیٹا حضرت سارہ علیہا السلام کے جسم اطہر کو دیکھ رہے ہیں۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی ہیں۔ اور دونوں کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:۔

''ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں''۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○

اور پھر کہتے ہیں:۔

''اور ہم تمہاری جدائی پر مغموم ہیں''۔ وَإِنَّا عَلَى فِرَاقِكِ لَمَحْزُونُونَ ○

اور آپ کا وصال اسی سرزمین پر ہوا۔ جس میں برکت دی گئی تھی۔ اور جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے زندگی کے دن گزارے تھے۔ اور یہیں ارض خلیل (فلسطین) میں اس جلیل القدر سیدہ طاہرہ حضرت سارہ خاتون کا جسد اطہر سپرد خاک ہوا۔

حضرت سارہ علیہا السلام خاتون کا چشمہ (عین سارۃ):

شیخ عبدالغنی نابلسی اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں ارض الخلیل میں ایک چشمہ ہے۔ جو (عین سارہ) یعنی سارہ خاتون کے چشمہ کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا پانی ٹھنڈا میٹھا کثرت سے جاری ہے۔ نیز آپ اپنے اشعار میں اس متبرک مقام کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:۔

بَدَتْ لِلْعَيْنِ اَنْوَارُ الْخَلِيْلِ وَعَمَّتْ رَحْمَةُ الرَّبِّ الْجَلِيْلِ
وَاِنَّ بِعَيْنِ حَلْحُوْلَ عُيُوْنًا لَنَا قَرَّتْ لَدَى ذَاكَ السَّبِيْلِ
وَجِئْنَا عَيْنَ سَارَةَ فَاسْتَقَيْنَا جَمِيْعًا مِّنْ زُلَالٍ سَلْسَبِيْلِ

اس چشمہ پر حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے انوار و تجلیات نمایاں ہیں۔ اور یہاں رب جلیل کی رحمت عام برس رہی ہے۔ ان چشموں کے پاس اور بھی کئی چشمے ہیں۔ لیکن آنکھیں اسی چشمے پر آ کر ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ ہم سب نے عین سارہ پر آ کر اپنی پیاس بجھائی۔ اس کا پانی شفاف اور شیریں ہے:۔

ایک اور شاعر نے اس مبارک چشمے کا ذکر اپنے اشعار میں اس طرح کیا ہے:۔

يَا حَبَّذَا اجَبَلٌ مِّنَ الْخَلِيْلِ وَيَا مَا اَطْيَبَ الْعَيْشُ فِيْهِ تَحْتَ زَيْتُوْنِ
وَعَيْنُ سَارَةَ لَا اَنْسَى مَوَارِدَهَا وَعَيْنُ حَلْحُوْلِ اَعْنِيْ ذَاتَ النُّوْنِ

کیا مبارک پہاڑ ہے جو الخلیل کے پاس ہے۔ اور کیا ہی مبارک اور خوشگوار زندگی ہے۔ حلحول یعنی حضرت یونس علیہ السلام کے چشمہ کے پاس زیتون کے درختوں کے سائے کے نیچے۔

حضرت سارہ خاتون علیہا السلام نمونہ سیرت:

قرآن کریم میں حضرت سارہ خاتون علیہا السلام کا ذکر بہت اکرام سے ہوا ہے۔ اور عورتوں کے لئے ان کی زندگی کو قابل نمونہ قرار دیا ہے۔ اور نیک صفات و کردار میں ازدواجی زندگی کے لئے قابل اتباع اسوۂ زندگی ہے۔ اور دائمی سعادت حاصل کرنے کے لئے اور اطاعت خداوندی کا سبق حاصل کرنے کے لئے کافی وشافی ہے۔

تو یہ ہیں حضرت سارہ خاتون جو ابوالانبیاء کی زوجہ محترمہ ہیں ہمارے لئے قابل نمونہ کیوں نہیں ہونگی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ حضرت سارہ علیہا السلام سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہیں۔

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ سَارَةَ وَاَرْضَاهُ"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ
حضرت ہاجرہ خاتون علیہا السلام

ام العرب:

شریف و سردار خاتون' نبی حلیم کی والدہ محترمہ اور جامع الصفات پیغمبر کی زوجہ محترمہ' سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن کے لئے باعث برکت خاتون' یہ محترمہ مامون مبارک تھیں۔ جس دن سے شاہ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔

اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت کے قیام اور اجزاء نسل نبوت کے لئے بیٹے کے خواہش مند تھے۔ اور اس کے لئے آپ بارگاہ رب العزہ میں ظاہر اور پوشیدہ طور پر دعا کرتے رہتے تھے۔ کہ اللہ کریم انہیں صالح اولاد عطا فرمائے۔

انہی روحانی لمحات میں ایک لمحہ وہ بھی آ گیا۔ کہ عنایت الٰہی سے خوشی کا پیغام سات آسمانوں کے اوپر سے رحمت ربانی بن کر نازل ہوا۔ کہ آپ حضرت سارہ علیہ السلام کی کنیز حضرت ہاجرہ علیہ السلام سے عقد فرمالیں۔ اور حضرت سارہ علیہا السلام کے دل میں الہام ربانی القاء ہوا کہ آپ اپنی کنیز ہاجرہ علیہا السلام کو اپنے پیارے شوہر خلیل الرحمٰن کی خدمت میں ہدیہ کر دیں۔

اور یہ امر منشاء خداوندی سے طے ہو چکا تھا۔ کہ نیک خاندان کی یہ مہمان خاتون حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر کی والدہ قرار پائے۔ اور پورے عرب خاندانوں کے لئے اسے ماں کا درجہ حاصل ہو۔ اور پھر وہ اس امت کی ماں بن کر عالم میں نمایاں مقام حاصل کرے جس امت کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ منصب عطا ہوا ہے۔ کہ وہ "خیر امۃ" کے لقب سے نوازی جائے۔ جس کا پودا تمام شہروں کی ماں مکہ مکرمہ میں بویا گیا۔ جس شہر کو اور اس کے آس پاس کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت بنا کر ساری دنیا میں خاص امتیاز کا حامل قرار دیا۔ اور تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیا۔ تو یہ ہاجرہ علیہا السلام شریف و معزز خاتون ام العرب کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئیں۔ اور ایک بزرگ پیغمبر اور خلیل الرحمٰن کی زوجہ محترمہ اور ایک جلیل القدر پیغمبر اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کی والدہ محترمہ ہونے کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔

آئیں اب ہم کچھ لمحات مبارکہ اس خاتون محترم کے لئے وقف کرتے ہیں۔ جس کو اللہ کریم نے مصر کے کافروں کے ہاں سے نکال کر اپنے فضل و کرم سے احسن مقام عطا فرمایا۔ اور ان کی باتوں کو اطراف عالم میں گھر گھر پہنچا دیا۔ اور دنیا کی تمام عورتوں کے لئے ان کی ذات گرامی میں نمونہ عمل رکھ دیا۔ اور انہیں ہر فضیلت و مرتبہ سے نوازا۔ جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو سکے۔ اور خاوند بیوی رحمت خداوندی کے سائے میں رضاء خداوندی کی سعادت حاصل کریں۔ جس سے بنیادی طور پر دین کی سلامتی کے مواقع حاصل ہوں۔ اور ان کی آخری صدا یہ ہو۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور نورانی راستہ:

مصر کی تمام یادیں حضرت ہاجرہ کے ذہن سے محو ہو گئیں اور ان کے دماغ کے ہر گوشے میں اپنے آقا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدہ سارہ خاتون کے لئے خلوص و محبت کے جذبات ہی مرتسم ہو گئے۔ سلام ہو اس مبارک و پاک خاندان پر جو ایمان کے پاکیزہ دھارے میں بہہ رہا تھا۔ اور پاک و مطہر زندگی گزار رہا تھا۔ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے آقاؤں کی خدمت بطریق احسن ادا کر رہی تھیں۔ کہ انہیں ان کی حیات طیبہ میں ایک کامل نمونہ دکھائی دیتا تھا۔

حضرت سارہ علیہا السلام خوبرو اور شریف الطبع خاتون تھیں۔ اور ان کا دل نیک جذبات سے بھرپور تھا۔ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی کچھ کم نہ تھیں۔ وہ بھی نہایت حسین و جمیل صاحب حسب و نسب اور نہایت شستہ و فصیح و بلیغ عربی زبان بولتی تھیں۔

ہاجرہ و سارہ علیہا السلام یک جان و دو قالب تھیں۔ اور دونوں میں بہت پیار تھا۔ انہیں ایک دوسرے میں خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی تھیں۔ عبادت کے وقت حضرت سارہ خاتون علیہا السلام بارگاہ الٰہی میں عبادت میں مصروف ہوتیں۔ اور عاجزی انکساری سے دست بدعا ہوتیں۔ اور ہر وقت خوف خداوندی سے گریاں رہتیں۔

تو اس وقت حضرت ہاجرہ علیہا السلام وہاں آ کر انہیں عبادت کرتے دیکھتیں۔ سارہ علیہا السلام نماز پڑھتی ہوتیں۔ اور تلاوت کلام الٰہی سے رطب اللسان ہوتیں۔ تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نہایت ذوق و شوق سے کان لگا کر سنتیں۔ وہ بوجہ عبرانی ہونے کے اس کا مفہوم تو نہ سمجھ پاتیں۔ لیکن کلام ربانی کی نورانی اور روحانی شعاعیں ضرور ان کے قلب و روح کو روشن کر جاتیں۔ اور ان کی جان و روح کو ایک قسم کی طمانیت محسوس ہوتی۔

ایک دفعہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان عبادت گزار بزرگ خاتون سے پوچھا۔ میری آقا! میں قربان آپ کس معبود کی عبادت کرتی ہیں۔؟ حضرت سارہ علیہا السلام خاتون نہایت ذہین روشن ضمیر اور حیادار تھیں۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ ہاجرہ بی بی علیہا السلام حقیقت معلوم کرنا چاہتی ہیں۔ اور نور الٰہی اور توحید باری تعالیٰ کے بارے میں کریدکرنا چاہتی ہیں۔

لہٰذا آپ نے نور یقین اور ایمان کی طاقت سے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔ اے پاکیزہ لڑکی سنو! ہم اس اللہ کریم کی عبادت کرتے ہیں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ جو آسمانوں اور زمین کا خالق اور ہر چیز کا پروردگار، ہر چیز کا پیدا کرنے اولاً، ہر چیز کی زندگی اور موت کا مختار اور سب کچھ کرنے والا ہے۔

یہ کہہ کر حضرت سارہ علیہا السلام تھوڑی دیر کو خاموش رہیں۔ اور حضرت ہاجرہ بی بی علیہا السلام پر اس کا ردعمل معلوم کرنے لگیں۔ آپ نے دیکھا کہ ہاجرہ خاتون ان کی ہر بات بخوبی سمجھ رہی ہیں۔ اور اسے گوش گزار کر رہی ہیں پھر اس کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام فرمانے لگیں۔

یہ معبود جس کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔ اس طرح حضرت بی بی سارہ علیہا السلام ہاجرہ علیہا السلام خاتون کے دل میں ایمان کے بیج بوتی رہیں۔ اور یقین کے پودے اگاتی رہیں۔ اور ان کا دل بھی ان ایمانی اشارات کو قبول کرتا رہا۔ اور نور ایمان ہاجرہ علیہا السلام کے دل کو مسلسل منور کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت سارہ علیہا السلام توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہا السلام کی نبوت و رسالت کے بارے میں انہیں سمجھانے میں کامیاب ہو گئیں۔ اور انہیں بالکل یقین ہو گیا۔ کہ آپ رسول رب العالمین ہیں۔

اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے کچھ بندوں کو اپنا پیغام عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ جو لوگوں کو نیک کاموں پر جنت کی بشارت دیتے اور برے کاموں پر دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ اور لوگوں کو احکام خداوندی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بہانہ اور عذر کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ اور حضرت سارہ علیہ السلام نے انہیں یہ بھی بتا دیا۔ کہ بارگاہ الٰہی میں اپنے آپ کو کس طرح جھکاتے اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

حضرت سارہ علیہا السلام نے دیکھ لیا کہ حضرت بی بی ہاجرہ علیہا السلام ان کی ہر بات بخوبی سمجھ رہی ہیں اوران کی یہ باتیں ان کے رگ وریشے میں اتر رہی ہیں۔اب ہاجرہ علیہا السلام کو اچھی طرح سے معلوم ہو چکا تھا۔کہ نورانی کرنیں ان کے قلب وروح تک سرایت کرتی جارہی ہیں۔اور وہ نیکی اور نور ہدایت کے سرچشمے کے قریب پہنچ گئی ہیں۔اوران کی روح روحانی روشنی سے جگمگا اٹھی ہے۔

اس طرح انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دینی دعوت کو فوراً قبول کر لیا۔اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات کو غور سے سن کر اس پر ایمان لانے لگیں۔اور ایمان کے راستے پر چل کر دوسری تمام رسوم و عادات سے بیزار ہو گئیں۔اور پوری طرح نبوت کے گھرانے کی فرد بن گئیں اور مومنہ باللہ ہو کر روحانی ضیا پاشیوں سے نور علی نور ہو گئیں۔

اب حضرت ہاجرہ علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش تھیں۔کہ اللہ کریم نے بھی ان کے لئے رشد و ہدایت کو پسند کر لیا تھا۔اور انہیں اپنی عبادت کی توفیق بخش دی تھی۔اور انہیں سیدھے راستے پر گامزن کر دیا تھا۔جو قلب ابراہیمی علیہ السلام اور دین حنیف کی صورت میں دنیا میں آیا تھا۔

اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی اس توفیق الٰہی پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزار رہتی تھین۔اور اس نعمت کی قدردانی میں عبادت الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔اب ان کے قلب و ذہن میں نئے پاکیزہ خیالات پیدا ہو گئے تھے۔اور اللہ تعالیٰ نے پورے مصر کو بت پرستی کی نجاستوں سے نکال کر خالص توحید کی طرف گامزن کر دیا تھا۔اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گزرا تھا۔کہ وہ ایمان و یقین کے حوالے سے دنیا بھر کی عورتوں کے لیئے قائد و پیشوا بن جائیں گی۔اور دنیا کی ان مشہور خواتین میں شمار ہونگی جو تاریخ میں نام پاتی ہیں۔اور دین و دنیا میں ایمان والوں کی قافلہ سالار ہوتی ہیں۔اور نہ انہیں یہ معلوم تھا۔کہ وہ ایک مبارک خاتون بننے والی ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص منصب کے لئے تیار کیا ہے۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن وہ جلیل القدر نبی کی بیوی اور طور ایک عظیم الشان پیغمبر کی ماں ہونے کا شرف حاصل کرنے والی ہیں۔یہ سب تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔جو ہر چیز سے باخبر ہے۔

یہ تو ظاہر ہے۔کہ حضرت سارہ علیہا السلام اور بی بی ہاجرہ علیہا السلام ایک دوسرے سے بہت محبت کرتی تھیں۔اور حضرت سارہ خاتون علیہا السلام عبادت الٰہی کے راستے پر چل رہی تھیں۔اور شرف کرامت میں آپ کے قدم آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔اور وہ سمجھتی تھیں کہ حکمت الٰہی کا فیضان روشنی

کی صورت میں ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر رہا ہے۔ اور نور الٰہی کے چشمے ان کے قلب و نظر سے پھوٹ رہے ہیں۔

کیا خوش نصیب لمحے ہوتے ہیں جب انسان ایمان، عبادت اور مناجات کے سایہ میں نیکوں کے بلند مراتب پر جا پہنچتا ہے۔

اے پروردگار مجھے صالح اولاد نصیب فرما:

ایک دن جب صبح مسکرا رہی تھی۔ اور ہدایت الٰہی کی نورانی کرنیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں روشنیاں پھیلا رہی تھیں۔ اور آپ بارگاہ الٰہی میں کھڑے دعا کر رہے تھے۔ اور گڑگڑا کر بارگاہ رب العزۃ میں عرض کر رہے تھے:۔

"پروردگار مجھے نیک اولاد عطا فرما"۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

یعنی آپ اللہ کریم سے پاکیزہ نسل جاری رہنے کے لئے ایک نیک بیٹا مانگ رہے تھے۔

ادھر سارہ بی بی بھی نہایت خشوع و خضوع سے پروردگار سے سرگوشی اور راز و نیاز میں معروف تھیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا و مناجات سن رہی تھیں۔ اور ان کا بارگاہ خداوندی میں گڑگڑانا ملاحظہ فرما رہی تھیں۔ کہ آپ کے دل میں غم واندوہ کا ایک کانٹا سا چبھ گیا۔ اور وہ سوچنے لگیں۔ کہ میں تو اب بہت بوڑھی اور بانجھ ہو چکی ہوں۔ اور میرے شوہر بھی نہایت سن رسیدہ ہو چکے ہیں۔ اب بیٹا پیدا ہونے کی گنجائش کہاں رہ گئی ہے۔ اور یہ سوچ سوچ کر غمناک ہو رہی تھیں۔ کہ میرے پیارے شوہر کو بیٹے کی انتہائی تمنا ہے۔ تا کہ ان کی یہ پاک نسل جاری رہ سکے۔ لہٰذا بی بی سارہ نے نہایت عاجزی کے ساتھ امید بھری نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے شوہر کی مراد بر آنے کی امید میں رحمت خداوندی سے امید لگائے ہوئے تھیں۔ کہ ان کے شوہر کو اللہ کریم کی طرف سے وارث عطا ہو۔ جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

دن پہ دن گزرتے جا رہے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دن رات بیٹے کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کر رہے تھے کہ ایک دن آپ کو بشارت ربانی پہنچ گئی۔ جس سے آپ کی امید کے گلشن میں بہار آ گئی۔

ایک دن سارہ علیہا السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے گھر میں داخل ہوئیں تو انہوں نے

ایک عجیب منظر دیکھا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام بارگاہ خداوندی میں آہ وزاری کر رہی ہیں۔ اور دعا و مناجات میں معروف ہیں۔ اور آپ کے چہرے پر نور ایمان ہے۔

حضرت سارہ علیہا السلام وہاں کھڑی ہو کر اس مصری خاتون کو دیکھنے لگیں جسے تقدیر الٰہی نے بیت المقدس میں لا ڈالا تھا۔ حضرت سارہ علیہا السلام خاموش کھڑی انہیں دیکھتی رہیں۔ اور کوئی حرکت نہیں کی جس سے ان کی موجودگی کا حضرت ہاجرہ کو علم ہو سکے۔ تاکہ ان مناجات و دعا میں کوئی خلل نہ پڑے۔

اس نازک موقع پر حضرت سارہ علیہا السلام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ اور خیال کبھی کبھی الہام اور وحی کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ کہ کیوں نہ یہ کنیز جسے مصر کے جابر بادشاہ نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ اسے اپنے محبوب شوہر کی خدمت پیش کر دے۔ چونکہ یہ خاتون نوجوان صحت مند ہے۔ اس سے اللہ کریم میرے شوہر کی دیرینہ تمنا پوری کر دے اور اس سے اللہ کریم ہمیں نیک و صالح بیٹا ارزاں فرما دے۔

بس یہ خیال حضرت سارہ علیہا السلام کے دل میں جاگزین ہو گیا۔ جیسا کہ کوئی اکلوتا بچہ اپنی ماں کے سینے سے چمٹ جاتا ہے۔ اور یہ سوچتے ہوئے حضرت سارہ علیہا السلام شفقت اور محبت سے ہاجرہ علیہا السلام کو دیکھتی رہیں۔ اور ان کے دل میں یہ جذبہ ایسا پختہ ہوا۔ کہ انہوں نے قصد کر لیا۔ کہ جتنی جلدی ہو سکے اس خیال کو عملی جامہ پہنا دے۔ اور حضرت ہاجرہ کو اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے کا یہ خیال و ارادہ الہام ربانی تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں القاء ہوا تھا۔ اور ان کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز آ رہی تھی۔ کہ سارہ اسی میں خیر ہے۔ شاید اس لڑکی کے ذریعے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی نعمت نصیب ہو۔ اور تمہارا یہ عمل تمہارے لئے اخروی سعادت کا ذریعہ بن جائے۔

اس خیال سے حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنے قلب میں ایک خاص راحت اور ٹھنڈک محسوس کی۔ اور سرور کی ایک لہر ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی۔ اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اس پر حضرت ہاجرہ ہر خیر و عزت کی حق دار ہے۔

اور یہ جذبات و احساسات حضرت سارہ علیہا السلام میں اس وقت بھی پیدا ہوتے تھے۔ جب وہ صبح نور کے تڑکے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہوتیں۔ اور ان کا شعور بیدار ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نور میں

ڈوبی ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات ان پر روشنیاں بکھیر رہے ہوتے۔ اور وتصرفات الٰہی سے صدق و وفا کا پیکر بنی ہوتیں۔

اب اللہ کریم نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ اپنا یہ تمام فضل و کرم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ آپ نماز پڑھتیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مگن رہتیں۔ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں لگی رہتیں۔ گویا انہوں نے حلاوۃ ایمان کا مزا چکھ لیا تھا۔ اور اپنی ذات کو اللہ رب العزۃ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اب انہیں ایمان و یقین کے راستے پر چلنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ ان کی آنکھیں روشن ہو گئی تھیں۔ اور دل نور بصیرت سے منور ہو چکا تھا۔ اب وہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس کے ساتھ لو لگائے ہوئے تھیں۔ اور ان کا ناطہ اللہ تعالیٰ سے جڑ گیا تھا۔ اور وہ ذات الٰہی میں فنا ہو چکی تھیں۔ اور وہ تمام ناز و نعم ان کے شعور سے محو ہو چکے تھے۔ جن کی لذت وہ شاہی محل میں حاصل کر چکی تھیں۔

روحانی ناز و نعم:

اب وہ عشق الٰہی کی حقیقی لذت سے آشنا ہو چکی تھیں۔ وہ لازوال نعمتیں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ اور جس سے ابرار و متقین بلند مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ اب وہ روحانی طور پر آسمانی رفعتوں پر پرواز کر رہی تھیں۔ اور بصیرت کی آنکھوں سے عالم بالا کی بزرگیاں ملاحظہ فرما رہی تھیں۔ اور یہ تمام کمالات انہیں ملت ابراہیمی علیہ السلام پر عمل پیرا ہونے سے اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کے صدقہ میں حاصل ہوئے تھے۔

"اور اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص انعام تھا"۔ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْعَظِيمُ ○

اور اس سے پہلے آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ بچشم خود دیکھ چکی تھیں۔ کہ ان کی آنکھوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتے ہوئے بڑے الاؤ میں پھینکا گیا۔ اور آگ کا یہ طوفان آپ کے لئے گل و گلزار اور باغ و بہار بن گیا۔ یعنی فوراً آگ کو حکم ہوا:۔

"کہ اے آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک بن جا"۔ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○

اور اللہ کریم نے کمال شفقت سے فرمایا:۔

"کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے رب العالمین کی جانب سے سلام ہے"۔ سَلَامٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ○

کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کو اور اپنی خواہشات کو خدائے کریم کی منشا کے تابع کرلیا تھا۔

لِانَّهُ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی۔ جانب سے ڈالی گئی ہر ذمہ داری پوری کی۔ اور ذات باری کی معرفت میں کمال حاصل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا تن من دھن قربان کردیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ہم تیرے بعد تیری ذریت کو اس زمین کا وارث بنائیں گے۔ اور نبوت و رسالت کی وراثت بھی تمہاری اولاد کے لئے جاری ساری رکھیں گے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس کا اقرار کیا۔ اور فرمایا:۔

"کہ یہ میرے پروردگار کی رحمت اور فضل ہے"۔ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۝ وَهٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۝

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذریت پر اس انعام کی خوشخبری اپنی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کو سنائی تو ان کا چہرہ جوش مسرت سے کھلکھلا اٹھا۔ اور ان کی روح خوشی سے ہواؤں میں اڑنے لگی اور رحمت الٰہی کے نورانی فواروں نے ان کے قلب و نظر کو معطر و پرانوار کردیا۔ اور رحمت ربانی نے انہیں خاص گویائی بخشی جس نے دنیا کی ہر مخلوق کو بولنے پر قادر کردیا۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگیں۔ کہ اس نیک خاتون ہاجرہ کو اپنی زوجیت میں لے لیں پھر اللہ کریم سے امید ہے۔ کہ ان سے آپ کو صالح بیٹا عطا فرمادے۔

سبحان اللہ! حضرت سارہ نے کیا ہی اچھی اور سچی کی بات کہی۔ اور یہ ایسی قربانی اور جذبہ ہے۔ جو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ کہ کوئی عورت حق زوجیت اپنے خاوند کے لئے کسی دوسری عورت کو سپرد کردے۔ اور خاوند بھی وہ جسے وہ دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہو۔

واقعی یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ اور یہ فخر حضرت سارہ علیہا السلام کو ہی حاصل ہوا۔ کتنی بلند مرتبہ ہے۔ یہ خاتون! اور وہ یہ قربانی دینے کی اہل بھی تھیں۔ کیونکہ انہیں معرفت الٰہی حاصل تھی۔ اور اپنے اللہ کریم پر پورا بھروسہ تھا۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ وہ اپنے مولائے کریم کی عبادت خوش ہوکر کرتیں۔۔ اور ہر بات میں اللہ تعالیٰ کے امر کو مقدم جانتیں۔ کیونکہ ہر مقام پر حکم تو رب کریم کا چلتا ہے۔ اور وہی جو چاہے کرتا ہے۔ اور پھر اللہ کریم کا وعدہ اپنے پیاروں کے لئے پورا ہونا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوکر رہتا ہے۔

جب حضرت سارہ علیہا السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ اور دونوں کے ملاپ سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام امید سے ہو گئیں۔ اور مشیت الٰہی کو یہی منظور تھا۔ کہ وہ شکر گزار بندوں کو خیر سے نوازے۔ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو قدر و منزلت حاصل ہو۔ اور زمانے بھر کی عورتوں پر ان کا مرتبہ فائق ہو۔ اور ان سے اس نسل پاک کا ظہور ہو۔ جو مشرق و مغرب کی وارث ہو۔

جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام امید سے تھیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آیا۔ اس نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے کہا۔ جو بچہ تمہارے ہاں جنم لینے والا ہے۔ زمانے بھر کے لئے خیر و برکت کا باعث بننے والا ہے۔ اور انہیں یہ خوشخبری دی کہ وہ بیٹا ہو گا تم اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ وہ سب پر بھاری ہو گا۔ اور سب کی اسے تائید حاصل ہو گی۔

اور اپنے تمام برادروں کے ملک کا مختار ہو گا۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ بی بی علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (قصص الانبیا ابن کثیر)

اور یہ بشارت آپ کی نسل میں پیدا ہونے والے افضل الرسل، خاتم الانبیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی صادق آتی ہے۔ جنہیں اللہ کریم نے پورے عرب کی سیادت بخشی نہ بلکہ تمام مشرق و مغرب کا آپ کو مالک و مختار بنا دیا۔ اور اولین و آخرین سے بڑھ کر آپ کو علم کی دولت سے نوازا۔ اور علم نافع کے ساتھ عمل صالح بھی آپ کو عطا فرمایا۔ جو اس سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ آپ کی نوبت سب نبیوں سے بڑھ کر اور آپ کی رسالت تمام رسولوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور آپ کی دعوت و نبوت تمام کائنات کے لئے ہے۔ اور تا قیامت جاری و ساری رہے گی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش:

اب وہ روز سعید بھی آ گیا کہ نور ربانی نے اس دنیا کو روشن کر دیا۔ اور مولود مسعود کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ایک صحت مند خوبصورت بچے کو جنم دیا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی برس تھی۔ جیسا کہ تواریخ و سیر کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اور آپ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اگر چہ کمزور ہو چکے تھے۔ لیکن بزرگانہ شان و شوکت اور رعب بہت تھا۔ اور یہ بڑھاپا آپ کے لئے عزت و وقار کا باعث تھا۔ آپ کی آنکھوں میں ایک دلکش چمک تھی۔ جو دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی تھی۔ اور لوگ آپ کی جلالت قدر سے متاثر ہو جاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؓ و ہاجرہؑ سجدے میں گر گئے:

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام سب سجدے میں گر گئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے۔ ہم سب اس رب قدیر کے شکر گزار ہیں۔ جس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ہمیں اس نعمت سے نوازا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرنے لگے۔

"اے اللہ کریم میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں"۔ رَبِّ اِنِّیْ اُعِیْذُہٗ وَذُرِّیَّتَہٗ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

اور حضرت ہاجرہ بی بی علیہا السلام بھی اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری میں مصروف رہتیں۔ اور اس نعمت کبریٰ کا شکر یہ ادا کرتیں۔ اور یہ اللہ کریم نے ان پر یہ خاص احسان فرمایا۔ اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت کے لئے چن کر اور ان کی ذریت کو پھیلانے کا ذریعہ بنایا۔

اللہ کریم نے انہیں دنیا میں یہ بھلائی بخشی کہ انہیں ایک حلیم نبی کی ماں ہونے کا شرف بخشا۔ اور جلیل القدر نبی مکرم کی زوجہ ہونے کے شرف سے بھی نوازا۔ بعد ان سے یہ وعدہ بھی پورا کر دیا۔ کہ انہیں مشرق و مغرب کی سرداری عطا کر کے خاصا شرف بخشا۔

اور آخرت میں بھی انہیں خاص اعزاز بخشیں گے۔ کہ وہ ان صابرین میں شامل ہونگی۔ جن سے اللہ کریم نے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔ اور جنت میں گدیلوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہونگے۔ اور جہاں سردی گرمی کا احساس بالکل نہ ہوگا۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام ام القریٰ (مکہ معظمہ) میں:

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بچپن کے ابتدائی دن حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے بچے کی ولادت کے بعد ابتدائی بڑے ناز و نعم اور آرام سے گزارے۔ کہ بچے کو دیکھ دیکھ آنکھیں ٹھنڈی کرتیں۔ اور باغ باغ ہوتیں۔ اور وہ بھی بچے پر ماں کی مامتا کا پورا پیار اور شفقت نچھاور کرتیں۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دیکھ لیا کہ اس بچے کے بارے میں ان کی دعا قبول ہوئی۔ اور انہوں نے یقین کر لیا۔ کہ اس میں اللہ کریم کی طرف سے دو بشارتیں ہیں۔

پہلی خوشخبری ولادت سے پہلے یہ ہوئی کہ بشارت غلام کیا فرمایا گیا۔ کہ وہ ذہین و ہوش مند بچہ لڑکا ہوگا۔ جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل باغ باغ ہو گیا۔

دوسری ولادت کے بعد یہ خوشخبری کے وہ مرد کامل عمر دراز ہوگا۔ کہ ذہانت ہوش مندی حلم و حوصلہ مردوں کی صفات ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حلم انبیاء علیہم السلام کی صفات کمالیہ میں ایک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صفت حلم ہر فلاح و خیر کا منبع اور سر چشمہ ہے۔ اور تمام فضائل اور کمالات علم و تقویٰ کی اصل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حلم سے بڑھ کر انسانوں کو شرف بخشنے والی کوئی نہیں سنی۔

حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام:

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ فطری طور پر حضرت سارہ کے دل میں غیرت و رشک کی کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ اور اپنی سوت کے ساتھ زندگی گزارنی ان کو کٹھن لگنے لگی۔ اور یہ جذبہ دن بدن بڑھتا گیا۔

حضرت سارہ علیہا السلام صدیقہ کا دل حضرت ہاجرہ اور ان کے لڑکے کے لئے نہایت پاکیزہ جذبات و احساسات کا حامل تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ پروان چڑھی تھیں۔ اور وہ یہ سمجھتی تھیں کہ یہ دنیا اور اس کی زیب و زینت چند روز ہے۔ اور جو کچھ اللہ پاک کے ہاں میسر ہے وہ نیکو کاروں کے لئے بہتر ہے۔ مگر یہ سب حکمت الٰہی اور امر ربانی تھا۔ کہ وہ رشک رقابت میں مبتلا ہو گئیں۔ اور اللہ کریم کی حکمتوں کو خود خدائے علیم و خبیر ہی سمجھتا ہے۔

حضرت نے یہ مطالبہ کر دیا۔ کہ حضرت ہاجرہ کو یہاں سے کہیں لے جائیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کا واسطہ دیا۔ کہ انہیں کہیں اور بھیج دیں۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت خلیل الرحمٰن کی زوجہ محترمہ سارہ خاتون حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے کی وجہ سے رشک و غیرت میں مبتلا ہو گئیں۔ چونکہ حضرت ہاجرہ نوجوان خاتون تھیں۔ اور بیٹا جننے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظروں میں محبوب ہو گئی تھیں۔ اور جب آپ علیہ السلام بیٹے سے پیار کرنے اور اس پر زیادہ توجہ دینے لگے۔ تو قدرتی طور پر حضرت سارہ علیہا السلام جذبہ رقابت میں مبتلا ہو گئیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی امر فرمایا

کہ حضرت ہاجرہ کو کہیں دور لے جائیں۔ اور حکم ہوا کہ حضرت ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو ارض مکہ میں چھوڑ آئیں۔ تاکہ حضرت سارہ بی بی کے دل کو سکون ملے اور ان کی رقابت کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے۔ اور یہ اللہ کریم کی طرف سے بطور شفقت اور محبت کے تھا۔

اور حضرت سارہ خاتون کا بھی یہی مطالبہ تھا۔ کہ حضرت ہاجرہ مجھ سے الگ رہیں۔ اور حضرت ہاجرہ بی بی کو بھی معلوم ہو چکا تھا۔ کہ حضرت سارہ بی بی کیا چاہتی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ذات کو ذات باری کی رضا و خوشی کے مطابق ڈھال لیا۔ کمال عبادت و ذکر الٰہی سے ان کا ایمان کافی مضبوط ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے اپنی بصیرت کی آنکھ سے نمایاں طور پر دیکھ لیا تھا۔ کہ اللہ کریم انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ کریم نے انہیں اپنے خلیل علیہ السلام کی زوجیت کے لئے چنا ہے۔ جو ایک خاص اعزاز ہے۔ کیونکہ وہ اپنی نور بصیرت بہت کچھ دیکھ رہی تھیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ لَهَا عُیُوْنٌ ۔۔۔ تَرٰی مَالَا یَرَاهُ النَّاظِرُوْنَ

کہ عارفین حق کو اللہ تعالٰی نے ایسی نظر عطا کی ہوتی ہے۔ کہ وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو عام لوگ نہیں دیکھ سکتے۔

بے آب و گیاہ وادی کی طرف روانگی:

اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ بی بی ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو ہمراہ لو اور ایک مبارک زمین کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اور یہ علاقہ جس کو اللہ کریم اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازنا چاہتے تھے۔ ام القریٰ (مکہ معظمہ) کی سرزمین تھی۔

حضرت امام صاوی تفسیر جلالین کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا۔ کہ وہ ماں بیٹے کو مکہ کی طرف لے جائیں۔ اور اللہ تعالٰی کی جانب سے ایک خاص سواری "براق" ان کے لئے مہیا کی گئی جس پر آپ حضرت ہاجرہ و حضرت اسماعیل علیہما السلام کو لے کر سوار ہوئے۔ اور وادی بے آب و گیاہ کی طرف چل پڑے۔

بے آب و گیاہ وادی:

لہٰذا حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اس ویران و سنسان وادی میں جس میں سبزہ و پانی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ آ کر اترے۔ جہاں نہ درخت کا سایہ اور

نہ زندگی کی اور کوئی علامت موجود تھی۔ گویا کہ اس وادی میں اکیلے رب العزۃ کی ذات کے سوا کوئی سہارا نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اسی ویرانے میں گلزار ظاہر کرنا منظور تھا۔ اور نور کامل کا یہیں ظہور ہونا تھا۔ اور مشیت الٰہی کو یہیں ثابت ہونا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بچے کو شفقت بھری نظروں سے دیکھا۔ کہ انہیں ان کو یہیں اکیلے چھوڑ کر واپس جانا ہے۔ اور یہ اللہ کا حکم ہے۔ جسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔

اللہ کریم ہمیں ضائع نہیں کرے گا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اس کے دودھ پیتے بچے کو کعبۃ اللہ کے پاس اتارا۔ اور ایک تھیلا جس میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا۔ ان کے پاس رکھا۔ اور انہیں اللہ رب العالمین کے سپرد کر کے واپس بیت المقدس کو چل دیئے۔ تو حضرت ہاجرہ نے کہا۔ یا ابراہیم علیہ السلام ہمیں اس ویران وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ جہاں کوئی انسان اور نہ کوئی دوسری چیز ہے۔ تو آپ نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کون ٹال سکتا ہے۔ حضرت ہاجرہ بی بی تھوڑی دور تک دوڑتی ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے گئیں۔ اور کہنے لگیں ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو۔

حکم ربی کی وجہ سے پلٹ کر نہیں دیکھا:

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اور اپنے خالق و مالک کی طرف بڑھتے چلے گئے کہ یہی منشاء خداوندی تھی۔

"پیارے ابراہیم علیہ السلام ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہو"؟ اَیْنَ تَتْرُکُنَا یَا اِبْرَاہِیْمُ ○

حضرت بی بی ہاجرہ نے کئی بار پکار کر کہا۔ ابراہیم علیہ السلام ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منشاء الٰہی کی تعمیل میں ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور برابر آگے بڑھتے گئے۔

ذرا تصور کرو۔ کہ ایک کمزور عورت اپنے دودھ پیتے بچے کے ساتھ اس چٹیل اور ویران میدان اور لق دق صحرا میں یک و تنہا ہے۔ اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں ۔ اور اللہ کریم کے سوائے اس کا کوئی سہارا نہیں۔ اور ایسے ویرانے میں جہاں نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پینے کو اور کوئی مونس و غم گسار نہیں ہے۔ اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔

اب کیا کرے۔ کدھر جائے۔ گزران کی کیا صورت ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کب آئیں گے۔ اور وہ کیوں ہمیں ماں بیٹے کو یک و تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہیں بہت سے سوالات تھے جو بار بار حضرت ہاجرہ کے دل میں اٹھ رہے تھے۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ امر ربی ہو کر رہتا ہے۔ اور حکمت الٰہی یہی ہے۔ اسی لئے تو انہوں نے حضرت ہاجرہ بی بی کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ کیونکہ نور ربانی سے آپ کا دل روشن تھا۔ اور ان کا دھیان اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف تھا۔ اور انہیں یقین کامل تھا۔ اللہ کریم کے ہر کام میں حکمت ہے۔ اور وہ بہتر کرے گا۔

پیارے ابراہیم علیہ السلام کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟

آخر میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پوچھا پیارے ابراہیم علیہ السلام! کیا اللہ کریم نے یہ حکم آپ کو دیا ہے؟ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ ہاں! یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو سکون ہو گیا۔ اور نورانی اطمینان ان کے جسم و جان میں سرایت کر گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے۔ کہ ویران وادی میں مجھے بچے کو چھوڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر اور میرے بچے پر کوئی خاص انعام ہی کرنا چاہتا ہے۔ اس دردناک موقع پر مطمئن ہو کر اور پر یقین اعتقاد کے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا۔ اب ہمیں اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ اور یہ بات انہوں نے پورے ایمانی اعتماد اور عارفانہ یقین سے کہی۔ اللہ اکبر کیا پر عظمت ایمان ہے۔ جو بندوں کی روحوں میں شامل ہو انہیں نور کامل اور مبارک راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔

اب حضرت ہاجرہ کی گھبراہٹ جاتی رہی۔ اور سب وحشت و پریشانی دور ہو گئی۔ اور ان کا دل امن و سلامتی کا منبع بن گیا۔ اور آپ بیت اللہ شریف کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔ اور انہوں نے یقین کر لیا۔ کہ ان کے شوہر اور بیٹا اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے منظور نظر ہیں۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کا منظور نظر

ہو جائے۔ اسے کوئی غم و فکر نہیں ہوتا۔ اور پُر سکون ہو گئیں۔ اور انہوں نے دوبارہ اپنے دل سے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ لہٰذا آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکار کر کہا۔ پیارے ابراہیم علیہ السلام اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ تو جائیے ہمارا اللہ مالک ہے۔

اللہ اکبر کیا توکل ہے۔ اور یہ ایک مثالی بیوی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اپنے شوہر کی خدمت گزاری میں صدق ایمان عظمت یقین توکل علی اللہ کا بھرپور مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اور ان کے یہ کلمات یقین کامل کے مظہر ہیں۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم ہے؟ اور ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا بھی حکم ہے۔ تو پیارے ابراہیم علیہ السلام آپ جائیں ہمارا اللہ مالک ہے۔ وہ ہمیں در بدر نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے پلٹتے ہوئے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچے جہاں حضرت ہاجرہ اور بیٹا ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ تو آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھائے اور دعا مانگی۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۝

﴿سورہ ابراھیم: ۳۷﴾

"اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں، تیری عزت و ادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ پروردگار تاکہ یہ نمازیں پڑھیں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف جھکے رہیں اور انہیں میوں سے روزی دے تاکہ وہ تیرا شکر کریں"۔

حضرت ہاجرہ بی بی کی کرامت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور بیٹے کو اس خالی صحرا میں چھوڑا۔ اور خود واپس وطن کو چل دیئے تاکہ تکمیل کار نبوت و رسالت میں مصروف ہو جائیں۔ اور احکام خداوندی کے لوگوں تک پہنچانے کے لئے جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی۔ اس کی تکمیل کریں۔ حضرت ہاجرہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دودھ پلا رہی تھیں۔ اور ساتھ ساتھ آس پاس کے ماحول اور آسمان کو دیکھے جا رہی تھیں۔ اور انہیں ہر طرف صحرا اور پہاڑ اور صحرا میں ریت کا موجیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا۔ اور ہر طرف ویرانی ہی ویرانی

دکھائی دے رہی تھی۔اور ہر طرف خاموشی طاری تھی۔حتیٰ کہ ان کی سوچیں بھی ایک مقام پر ٹھہر گئی تھیں۔ اور انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

اب حضرت ہاجرہ تھیلے سے کھجوریں نکال کر کھاتی اور مشکیزے سے پانی پیتیں آخر کار پانی بھی ختم ہو گیا تھا۔اب انہیں پیاس نے ستایا اور بیٹا بھی پیاس سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔اوپر سے دھوپ کی شدت پیاس میں اور اضافہ کر رہی تھی۔

جب حضرت ہاجرہ نے بچے کو بھوک پیاس سے یوں لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے دیکھا۔تو ان کے اندر تو جیسے ایک آگ سی لگ گئی۔اور ان کے حواس باختہ ہو گئے اور وہ اپنے پیارے اکلوتے لخت جگر کو یوں لوٹ پوٹ ہوتے نہ دیکھ سکیں۔کہ وہ کلی کی طرح کملایا جا رہا ہے۔اور بھوک پیاس کی شدت سے روئے جا رہا ہے۔یہ دیکھ کر بی بی ہاجرہ کا دل پھٹنے لگا۔یہ بہت کٹھن اور مشکل گھڑی تھی۔لیکن چونکہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہو جاتی ہے۔

حضرت اسماعیل مسلسل روئے جا رہے تھے تو اپنے بچے کو ایک پتھر کی اوٹ میں لٹا کر حضرت ہاجرہ ادھر ادھر پانی کی تلاش میں سرگردان تھیں۔تو آپ پانی کی تلاش میں ایک ٹیلے پر آئیں جس کا نام صفا تھا۔اور یہ وہاں سے قریبی پہاڑ تھا۔تو آپ جلدی سے دوڑتی ہوئی وہاں تک گئیں اور صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں اور اوپر جا کر ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ شاید کوئی انسان نظر آ جائے۔لیکن وہاں کون تھا۔جو نظر آتا۔ویراں اور بے آباد صحرا اور پہاڑیوں کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔پھر آپ تھکے ہوئے اور ماندہ شخص کی طرح چلتی ہوئی نیچے وادی میں آئیں۔اور وہاں چلتی ہوئی دوسری پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں اور اوپر کھڑی ہو کر آس پاس نظر دوڑائی لیکن کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔

اس طرح حضرت ہاجرہ ان دو پہاڑیوں (صفا و مروہ) کے درمیان اسی پریشانی کی حالت میں سات بار ادھر ادھر دوڑیں۔اور کسی سہارے کی تلاش میں رہیں کہ بچے کو پیاس کی سختی سے نجات دلا سکیں۔اس دردناک اور مشکل گھڑی میں حضرت ہاجرہ کے دل میں اور کچھ نہ سوجھا۔تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنے لگیں۔اللہ کریم نے ان کی قدردانی کے لئے ان کی اس پریشانی اور صفا و مروہ کے درمیان سراسیمگی کی حالت میں دوڑنے کو یہ امتیاز بخشا کہ دنیا کے کروڑوں اربوں مومنوں کو ہمیشہ کے لئے صفا و مروہ کے دوڑنے کا پابند کر دیا۔اور صفا و مروہ کے درمیان سعی (دوڑنے) کو قبولیت حج کی شرط قرار دیا۔اب ہر مسلمان حاجی بادشاہ ہو فقیر آزاد ہو غلام عربی ہو یا عجمی سب صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے

کے پابند ہیں۔ وہی حضرت ہاجرہ کی سعی کی برکت کو قائم و یادگار رہنے کے لئے قیامت تک اس طرح لوگ وہاں دوڑتے رہیں گے۔

چشمہ زمزم:

آخری بار جب حضرت ہاجرہ "مفا مروہ" پر چڑھیں تو آپ نے ایک آواز سنی۔ تو آپ خود سے کہنے لگیں "صبہ" خاموش! پھر آواز پر کان لگائے تو پھر آپ کو ہی آواز سنائی دی۔ تو آپ نے آواز طرف رخ کر کے فرمایا۔ کیا تم میری کوئی مدد کر سکتے ہو۔ جب آپ اپنے بیٹے کی طرف گئیں تو موجودہ زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ کھڑا تھا۔ اور جہاں بچے نے ایڑیاں رگڑی تھیں وہاں پر ایک چشمہ جاری تھا۔

یہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ خوشی سے ہوا میں اڑنے لگیں۔ اور مسرت سے پانی میں جا کر اسے اپنے مشکیزے میں پانی بھرنے لگیں۔ پانی تھا کہ برابر ابلتا آ رہا تھا۔

اس منظر کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت شفقت سے ذکر فرمایا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"اللہ کریم ام اسماعیل حضرت ہاجرہ پر رحم فرمائے۔ اگر وہ زمزم کو یوں ہی چھوڑ دیتیں اور اس پر بندھ نہ باندھتیں تو یہ چشمہ ہمیشہ کے لئے بہتا رہتا"۔

يَرْحَمُ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمٰعِيْلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ اَوْقَالَ لَوْلَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِيْنًا

کسی شاعر نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

وَجَعَلَتْ تَبْنِيْ صَفَائِحًا لَوْ تَرَكْتُهُ كَانَ مَاءً سَائِحًا

"اگر حضرت ہاجرہ اس چشمے پر پتھروں کی باڑ نہ لگاتیں تو وہ چشمے کی طرح بہتا رہتا"۔

حضرت ہاجرہ نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر بچے کو دودھ دیا۔ اس وقت فرشتے نے زمزم کے پاس سے پکارا تم اب اپنے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔ یہ بیت اللہ شریف جائے امن ہے جسے یہ بچہ اور اس کے والد دوبارہ تعمیر کریں گے۔ اور اللہ کریم اپنوں کو دربدر نہیں کرتا۔

حضرت ہاجرہ یہ خوشخبری سن کر ہشاش بشاش ہو گئیں۔ کہ اللہ کریم نے انہیں اپنے گھر کے سایہ میں لا بٹھایا ہے۔ اللہ کا یہ قدیم گھر جسے اللہ پاک نے بابرکت بنایا ہے۔ اور جسے اس کے شوہر خلیل

الرحمن اور لخت جگر حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نئے سرے سے تعمیر کریں گے۔

حضرت ہاجرہ خاتون کے لئے یہ بڑی خوشگوار خبر تھی۔ کہ وہ اس پاک اور مبارک سرزمین میں زندگی گزاریں گی۔ جس پاکیزہ خطے کو اللہ پاک نے جائے امن اور ذریعہ ثواب بنایا ہے۔ جو ساری دنیا کے لئے باعث برکت ہے۔ واقعی یہ ان پر اللہ کریم کا بڑا فضل و انعام تھا۔

حضرت ہاجرہ اور آب زمزم:

بیت اللہ شریف کے اس مبارک قطعہ سرزمین پر اسی چھوٹے سے خاندان کو بسانا اللہ کریم کی مشیت میں تھا۔ جو حضرت ہاجرہ اور ان کے پیارے لخت جگر پر مشتمل تھا۔ اب وہی زمزم لوگوں کے اجتماع کا مرکز بن گیا۔ اور لوگ کھچے ہوئے اس طرف آنے لگے۔ حضرت ہاجرہ کا وہاں کیا آنا تھا۔ کہ پوری وادی زندگی کے آثار سے معمور ہوگئی۔ اور چٹیل صحرا میں زندگی کی بہار آ گئی۔

یہ کنواں خاص حضرت ہاجرہ کی ملکیت تھا۔ کسی دوسرے کا اس میں اجارہ نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے اعلان کر دیا کہ سب کے لئے اس کنوئیں کا فیض عام ہے۔ ہر کوئی اس چشمے سے مستفید ہوسکتا ہے۔ کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔

قبیلہ بنی جرھم کی آمد:

ہوایوں کے ادھر سے ایک قبیلہ بنی جرھم کے لوگوں کا گزر ہوا۔ انہوں نے دور سے دیکھا۔ کہ فضا میں پرندے گھوم رہے ہیں تو انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ کہ برسوں سے ہمارا ادھر سے گزر ہوتا ہے۔ کبھی ہم نے یہاں پانی کی بوند نہیں دیکھی۔ انہوں نے اس طرف اپنا ایک آدمی بھیج کر معلوم کیا۔ کہ کیا معاملہ ہے۔ تفتیش کرنے والے نے وادی کی طرف آ کر دیکھا تو ایک ٹیلے کی اوٹ میں چشمہ زمزم موجود پایا۔ اور دیکھا کہ حضرت ہاجرہ چشمے کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔ بنو جرھم کے قاصد نے ان سے عرض کیا۔ کہ آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم لوگ اپنے بال بچوں سمیت اس چشمے کے پاس رہ پڑیں۔ تو آپ نے خوش آمدید کہتے ہوئے انہیں وہاں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ تم اس چشمے سے فیض یاب ہوسکتے ہو۔ لیکن اس کی ملکیت میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور قبیلہ جرھم کے یہ لوگ اپنے بال بچوں بھیڑ بکریوں اونٹوں سمیت آ کر وہاں رہ پڑے۔ اور چشمہ زمزم

کے آس پاس انہوں نے ڈیرے ڈال لئے۔ اور ہر طرف مردوں عورتوں اور بچوں کی رونق اور آبادی ہوگئی۔ اور ہر طرف زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اور وہ وادی جس میں زندگی کوئی امن تک نہیں تھی۔ اور سبزہ اور پانی کا نام ونشان نہیں تھا۔ اور وہاں کوئی مونس غمگسار نہیں تھا۔ اب وہاں زندگی بھی زندگی تھی۔ اور وہاں آسمان اور زمین سے برکات کے سوتے پھوٹنے لگے۔

اب ہاجرہ دل و جان سے رب کریم کی شکر گزار تھیں۔ اور اپنے اور بچے کے اس اکرام ربانی پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں رطب اللسان تھیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ہاجرہ کا قصہ بیان فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکہ کی جانب لے جانے کا حکم دیا اور آپ انہیں بے آب وگیاہ وادی میں یکہ وتنہا چھوڑ آئے۔ تو واپسی پر آپ نے ایک پہاڑی کی اوٹ میں کھڑے ہوکر عاجزی سے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی:۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کے سلسلے میں صرف اس قدر ذکر ہے کہ آپ نے دعا فرمائی:۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ○

﴿سورہ ابراھیم : آیت ۳۷﴾

"اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت وادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ پروردگار! تاکہ یہ نمازیں پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ وہ اس کی طرف جھکے رہیں۔ اور انہیں میووں سے روزی دے۔ تاکہ وہ تیرا شکر کریں"۔

قرآن کریم میں اس واقعہ کے بارے میں اسی قدر تذکرہ ہے۔ لیکن حدیث نبوی شریف میں اس اجمال کی پوری تفصیل موجود ہے۔ لہٰذا صحیح بخاری شریف میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:۔

کہ سب سے پہلے عورتوں میں کمر بند کا استعمال حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا۔ تاکہ حضرت سارہ علیہا السلام کے لئے خدمت گاری کا اظہار ہو۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور دودھ پیتے بچے کو لے کر بیت اللہ کے پاس آ گئے۔ اور ایک درخت کے نیچے چشمہ زمزم کے مقام کے عین اوپر بٹھا دیا۔ جبکہ ان دنوں مکہ میں کچھ بھی نہ تھا۔ نہ پانی نہ کچھ اور اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ اور انہیں وہاں یکہ تنہا اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے واپس لوٹ آئے۔ جس پر حضرت ہاجرہ نے کہا پیارے ابراہیم علیہ السلام کہاں جا رہے ہو۔ اور ہمیں اس ویرانے میں کیوں چھوڑے جا رہے ہو اس مرتبہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پکار کر پوچھا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور پلٹ کر دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہی تھا۔

پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے آپ سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ کہ ہاں! یہ حکم ربی ہے۔ اس پر حضرت ہاجرہ نے کہا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں چلتے ہوئے ایک گھاٹی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور وہاں سے انہیں بیوی اور بچہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ تو آپ نے رو بقبلہ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی جو اوپر ذکر کی۔ آپ نے یہ دعا کی اور واپس روانہ ہو گئے۔

اب بی بی ہاجرہ بچے کو دودھ پلاتیں۔ اور خود مشکیزے سے پانی پیتیں۔ حتیٰ کہ پانی ختم ہو گیا۔ اور پیاس سے جان پر بن گئی۔ اور بیٹا بھی پیاس سے بے حال ہو گیا۔ اور آپ بچے کو لوٹ پوٹ ہوتا دیکھ رہی ہیں لہٰذا آپ پانی کی تلاش میں قریبی پہاڑ صفا پر چڑھ گئیں۔ اور ادھر ادھر وادی کی طرف دیکھنے لگیں۔ کہ کچھ سہارا نظر آئے۔ لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ آپ صفا پہاڑی پر حیران و پریشان کھڑی تھیں۔ اور پھر آپ نے دوسری طرف نظر دوڑائی۔ اور دور وادی کو دیکھنے لگیں۔ اور پھر ایک مجبور و بے بس شخص کی طرح دوڑتی ہوئی نیچے وادی میں اتر آئیں۔ اور دوسرے پہاڑ مروہ پر چڑھ گئیں۔ اور وہاں کھڑے ہو کر آس پاس کو دیکھنے لگیں۔ کہ کچھ دکھائی دے۔ لیکن وہاں کیا رکھا۔ جو نظر آتا۔ تو اس طرح پریشان ہو کر آپ نے ان دونوں پہاڑیوں (صفا و مروہ) کے درمیان سات چکر لگائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

گرامی ہے۔ کہ (حج وعمرہ کے موقعہ پر) ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان لوگوں کا دوڑنا اسی واقعہ کی یادگار ہے۔

جب آپ آخری بار مروہ پر آئیں تو آپ کو ایک آواز سنائی دی۔ جس پر حضرت ہاجرہ اپنے آپ سے کہنے لگیں خاموش! پھر آپ نے غور سے دوبارہ سنا اور کہا اگر تمہارے پاس کوئی مدد ہے تو بتاؤ۔ تو آپ نے دیکھا زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ کھڑا ہے جس نے اپنی ایڑی سے یا آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے پیروں سے کریدا تو وہاں سے پانی بہہ پڑا۔ جسے حضرت ہاجرہ بی بی نے حوض کی شکل دے دی اور پانی لے کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں۔ اور پانی تھا نکلتا ہی چلا آ رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہا السلام پر رحم فرمائے۔ اگر حضرت ہاجرہ بی بی زمزم کو یوں ہی چھوڑ دیتیں اور اس پر بندھ نہ لگاتیں تو زمزم ہمیشہ کے لئے جاری چشمے کی صورت اختیار کر لیتا۔

آپ نے چشمہ سے پانی پیا۔ اور بچے کو دودھ پلایا۔ تو فرشتے نے ان سے کہا کہ اب تم دربدر ہونے کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ جسے یہ لڑکا اور اس کے والد نئے سرے سے تعمیر کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دربدر نہیں ہونے دیتا۔

بیت اللہ شریف زمین سے ذرا اونچا تھا۔ سیلاب کا پانی آتا تو اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتا اور قبیلہ جرہم کا قافلہ اکثر ادھر سے گزرا کرتا تھا۔ معمول کے مطابق ایک دفعہ بنو جرہم کداء کے راستے سے گزرتے ہوئے مکہ کے قریب پڑاؤ کیا۔ تو انہوں نے دور سے فضا میں پرندے اڑتے ہوئے دیکھے تو انہوں نے سوچا ہو نہ ہو یہ پرندے پانی کے اوپر اڑ رہے ہیں۔ لیکن ہم نے پہلے تو کبھی ادھر پانی کا نام و نشان نہیں پایا۔ تو انہوں نے اپنے چند لوگوں کو تفتیش حال کے لئے بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں پانی کا چشمہ موجود ہے۔ اور ایک عورت ایک بچے کے ساتھ چشمے پر موجود ہے۔ تو انہوں نے اس خاتون سے اجازت مانگی کہ وہ لوگ اپنے اہل بچوں کے ساتھ یہاں ٹھہر سکتے ہیں؟

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا کہ ہاں لیکن چشمہ کی ملکیت پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ ویسے تم اس کے پانی سے فیض یاب ہو سکتے ہو۔ تو انہوں نے منظور کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت ہاجرہ کو بھی ان کی مرضی کے مطابق بہتر لوگ مل گئے۔ انہیں بھی مونس و مددگار

ساتھیوں کی ضرورت تھی۔لہٰذا وہ لوگ اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہیں رہ پڑے۔(بخاری شریف)

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے ملنے آتے ہیں:

پھر جب حکم الٰہی ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اپنے بیوی بچے کو چٹیل اور ویران وادی میں چھوڑ گئے تھے۔اور دل پر پتھر رکھ کر بظاہر انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چل دیے تھے۔کیونکہ امر ربی کا یہی تقاضا تھا۔اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا والی وارث بن گیا تھا۔اور صالح اور نیکوکاروں کا وہی محافظ اور ذمہ دار ہے۔جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ بیت اللہ شریف کے پاس ایک چشمہ موجود ہے اور بڑی تعداد میں لوگ وہاں سے پانی پی رہے ہیں اور ہر طرف زندگی کی بہار ہے۔تو آپ کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔اور آپ مطمئن ہو گئے کیونکہ وہ اپنے پروردگار کی رحمتوں اور برکتوں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے۔کہ کس طرح ان کے اہل بیت کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہیں۔وہی بے بس و مجبور ہاجرہ اب مومنہ و شاکرہ بن کر اللہ کریم کی رحمت کے سایہ اور بیت اللہ شریف کے جوار میں اپنے بچے سمیت زندگی گزار رہی تھیں۔جس بیت اللہ کو ان کے شوہر اور بیٹا تعمیر کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے مکان کے قریب آئے۔اور اس وقت رات کافی گزر چکی تھی۔اور پورے مکہ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔اور کائنات پر سکوت طاری تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔اور حضرت ہاجرہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔اور وہ اس وقت رقت بھرے لہجے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی صحیفہ تلاوت فرما رہی تھیں۔اور اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تعلیم دے رہی تھیں۔یہ دیکھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل باغ باغ ہو گیا۔اور رضا الٰہی کا نور ان کے قلب و روح میں رچ بس گیا۔کہ ان کی ذریت طاہرہ برکات سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔اللہ کریم اپنے شکر گزار بندوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

بیت اللہ شریف کے سائے میں اپنے اہل وعیال سے یہ ملاقات ان کے لئے بہت مسرور کن تھی۔اور وہ اپنے بیوی بچے کو دیکھ کر باغ باغ ہو رہے تھے۔جو اللہ تعالیٰ کے سہارے پروان چڑھ رہے تھے۔اور ان کے بیٹے کے چہرے پر علم و حلم کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔اور ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بیٹے کی جدائی میں بہت آزمائشوں سے گزر رہے تھے۔اور ان کا دل برابر اپنے پیارے بیٹے کے لئے تڑپتا رہتا تھا۔اب اسی بیٹے سے ملنے آ رہے تھے۔

اللہ کریم کو یہی منظور تھا۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کے سایہ میں جوان ہوں۔ اور یہی امر الٰہی تھا اور اسی میں حکمت خداوندی پنہاں تھی۔ اور حضرت ہاجرہ کو اللہ تعالیٰ نے ام اسماعیل بنانے کے لئے چن لیا تھا۔ اور یہی صابرہ و شاکرہ خاتون لقاء الٰہی کی امیدوار تھیں۔ اور اللہ کریم کے ہر حکم کو تسلیم کرنے کو تیار لہٰذا وہ رضا الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

ذبیح اللہ کی والدہ محترمہ:

اب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے تھے۔ اور اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر کہ ان کا پیارا بیٹا کاروبار زندگی میں بھرپور حصہ لے رہا ہے۔ نہایت ہی مسرور ہو رہے تھے۔ اور انہیں اس ہونہار بیٹے پر پیار آ رہا تھا۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام تیرہ چودہ برس کے ہو چکے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب:

ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام سو رہے تھے۔ کہ انہوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ وہ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ اور حضور نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

"کہ نبیوں کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے"۔ رُؤْيَا الْاَنْبِيَآءِ وَحْيٌ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب دیکھ کر سمجھ لیا کہ اللہ کریم نے مجھے بیٹے کی قربانی کا حکم فرمایا ہے۔ اور انہیں اس معاملہ میں ذرا بھر شک و تردد نہیں ہوا۔ اور آپ اس کام کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ کیونکہ دل میں سوائے تسلیم و رضا اور ایمان و یقین کے اور کچھ نہ تھا۔

لہٰذا آپ نے اللہ کریم سے یہ نہیں پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ اور کوئی وہم و خیال آپ کے دل میں اس کے خلاف پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل و کرم سے تمام وسوسوں پر غلبہ پا لیا۔ اور اپنے اس خواب کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گوش گزار کر دیا۔ اور فرمایا:۔

"اے بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں۔ کہ گویا تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے"۔ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴿الصافات: ۱۰۲﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیش کر دیا۔ تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری اور طلب ثواب کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور وہ بھی تسلیم و رضا کی لذت سے آشنا ہو جائیں۔

اس مقام پر علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک لطیف کلام فرمایا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ کریم کا یہ فیصلہ حتمی ہے۔ پھر اپنے بیٹے سے مشورہ کرنے میں کیا حکمت تھی؟

اس کا جواب امام خازن یہ دیتے ہیں۔ کہ یہ مشورہ ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اس لئے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اور وہ امر ربی کی تعمیل کر کے صبر و ہمت کا ثبوت دیں۔ اور اطاعت خداوندی پر قوی ہو جائیں۔ اور اپنے آپ کو اس آزمائش سے گزرنے کے لئے پوری طرح تیار کر لیں۔ اور پوری طرح ثواب اور صلہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے پائیں (تفسیر خازن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امر ربانی کی تعمیل میں ذرہ بھر ڈھیل نہیں کی۔ اور انہیں اس میں کوئی تامل و تذبذب نہ ہوا۔ بلکہ ایک فرمانبردار بندے کی طرح اطمینان اور وثوق سے جواب دیا۔

"ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے۔ وہی کیجئے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے"۔

يَٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝

﴿الصافات: ۱۰۲﴾

اور پھر اپنے والد سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا۔ جس پر ان کے رب کریم نے ذکر حکیم (قرآن مجید) میں مدح سرائی فرمائی۔

"اور کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کرو وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے"۔

وَٱذْكُرْ فِى ٱلْكِتَٰبِ إِسْمَٰعِيلَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ ٱلْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا

﴿سورہ مریم آیت: ۵۴﴾

اب دونوں باپ اور بیٹا امر ربانی کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے۔ اور اپنے آپ کو رضاء الٰہی کے سپرد کر دیا۔ اور اس کی مشیت کی تکمیل کے لئے تابع و فرمانبردار ہو گئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو چت لٹا دیا۔ اور ابتلاء خداوندی اور قربانی کے امتحان میں سرخرو ہونے کے لئے

بالکل مستعد ہو گئے۔بس اب گلے پر چھری چلانا باقی تھا۔

اس نازک موقع پر اس آزمائش پر پورا اترنے کا مرحلہ آ گیا۔اور یہ دونوں جلیل القدر پیغمبر اس آزمائش سے سرخرو ہو کر گزر گئے۔اور اللہ کریم کے فضل سے کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔اور عالم بالا سے ندا آئی۔قرآن مجید میں اس منظر کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

وَنَادَيْنَٰهُ أَن يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَآ ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَٰٓؤُا الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝

﴿الصافات: ۱۰۴ تا ۱۰۷﴾

"اور ہم نے ان کو پکارا۔کہ اے ابراہیم علیہ السلام! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا"۔

ادھر جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے ادھر ابلیس لعین حضرت ہاجرہ کے دل میں وسوسہ ڈال رہا تھا۔یعنی ام اسماعیل کو بیٹے کے سلسلے میں بہکا رہا تھا۔اور ان کے دل میں شک کے بیج بو رہا تھا۔روایات میں آتا ہے۔کہ......

ابلیس لعین انسانی شکل میں حضرت ہاجرہ کو آ کر کہنے لگا۔کہ کیا آپ کو معلوم ہے۔کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے بیٹے کو لے کر کہاں گئے ہیں۔آپ نے جواب دیا کہ وہ ادھر کھائی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔تو شیطان نے کہا نہیں وہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں۔

حضرت ہاجرہ نے جواب دیا۔وہ تو بہت رحم دل ہیں۔اور اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں۔شیطان نے کہا۔ان کا خیال ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا ہے۔اس پر حضرت ہاجرہ نے بڑے اطمینان اور اعتماد کے ساتھ کہا۔کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا حکم دیا ہے۔تو پھر تو انہیں اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

اسی طرح شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لئے آیا۔لیکن ان کی طرف سے منہ کی کھا کر کرختا ہوا واپس لوٹا۔اور خائب و خاسر ہو کر دھتکارا گیا۔اور اس کا کوئی داؤ ان پاک ہستیوں پر نہیں چلا۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے وہ سب اس کے دھوکہ سے صاف بچ گئے۔

ذبیح کون ہے؟:

بعض لوگوں نے ذبیح اللہ کے بارے شک ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کہ کیا ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام صحیح اور راجح اور تحقیقی بات یہ ہے۔ کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور اس پر دلائل کثرت سے موجود ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ذبح کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ مکہ میں رہتے تھے۔ جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ شام میں رہتے تھے۔

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے عمر بن علاء سے ذبیح کے بارے میں پوچھا۔ کہ کیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام۔

تو انہوں نے جواب دیا۔ اصمعی! تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔ کہ مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام رہتے تھے۔ یا اسحاق علیہ السلام اور تعمیر کعبہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ شریک تھے یا اسحاق علیہ السلام اور قربان گاہ مکہ میں تھی یا شام میں (تفسیر قرطبی)

دوسرے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کی یہ دلیل بھی قرآن مجید میں ہے۔ کہ اللہ کریم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صبر کے وصف سے موصوف فرمایا ہے۔ نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو!

وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴿الانبیاء: ۸۵﴾

"اور حضرت اسماعیل علیہ السلام وادریس و ذوالکفل کو بھی یاد کرو۔ یہ سب صبر کرنے والے تھے"۔

اور ان کے صبر کا اظہار و ثبوت اس ذبح کے موقع پر ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے والد محترم سے صبر کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ جسے انہوں نے پورا کر دکھایا۔

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ﴿مریم: ۵۴﴾

اور نیز اللہ کریم نے فرمایا:۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا ○ ﴿الصافات : ۱۱۲﴾

اور جب اللہ کریم نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو نبوت کے درجہ پر سرفراز فرمایا تھا۔ تو پھر انہیں ذبح کرنے کا حکم کیوں دیتے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"تو ہم نے اس کو اسحاق علیہ السلام کی اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی"۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ ○ ﴿هود : ۷۱﴾

تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت سے پہلے حضرت کو ذبح کرنے کا حکم اللہ کریم کیسے دے سکتے تھے۔

حضرت امام ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر عجیب و غریب کلام فرمایا ہے۔ جس سے طے ہو جاتا ہے۔ کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں یہ بات رکھی ہے۔ کہ پہلوٹی اولاد والدین کو زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بہ نسبت بعد والی اولاد کے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کریم سے بیٹے کا سوال کیا اور اللہ کریم نے ان کی خواہش کو پورا فرمایا۔ اور انہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا۔ تو بیٹے کی محبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں گھر کر گئی۔ اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خاص دلی دوست قرار دیا تھا۔ اور خلیل الرحمٰن کے منصب کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس کے دل میں صرف ایک ہی محبوب کی محبت ہو کسی دوسرے کی محبت کی اس میں شرکت نہ ہو۔ جب اکلوتے و پہلوٹے بیٹے کی محبت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں جگہ بنا لی۔ تو اللہ تعالیٰ کی خلت (دلی دوست) غیرت میں آئی تو اللہ رب العزۃ نے چاہا کہ غیر کی دلی دوستی کو اپنے خلیل کے دل سے نکالیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دوسرے محبوب کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔

تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب بیٹے کو جس کی محبت ان کے دل میں گھر کر گئی تھی ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو اس بات کا ثبوت ہو گیا کہ واقعی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ اپنے پیارے بیٹے سے بھی بڑھ کر ہے۔ تو قربانی کا عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیل الرحمٰن (دلی دوست) ہونے کا واضح ثبوت ہو گیا۔ اور قربانی کے عمل سے اسی کا اظہار مقصود تھا۔ اور جب ان کا عزم اور خلوص ظاہر ہو گیا۔ تو اب قربانی کی ضرورت نہ رہی۔

لہٰذا اللہ رب العزۃ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض میں اپنی طرف سے ذبح کے لئے ایک دنبہ بھیج دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب سچ ہو گیا۔ اور رضا الٰہی کا حصول مکمل ہو گیا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ آزمائش کا یہ عمل پہلوٹے بیٹے کے لئے ظاہر ہوا۔ اور یہ مقصد آزمائش دوسرے بیٹے کے ذریعے سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک یہودی عالم سچے دل سے مسلمان ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟ تو ان عالم نے جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اور یہود بھی اس بات کو بخوبی جانتے ہیں۔ لیکن اہل عرب سے حسد کی بنا پر اس سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اہل عرب کے جد اعلیٰ ہیں۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ثابت ہونے سے اہل عرب کی بزرگی ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس امر میں صبر کا مظاہرہ کرنے پر شرف حاصل ہے۔ لہٰذا یہود اس شرف کا انکار کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح اللہ تھے۔ نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ اس لئے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام یہود کے جد امجد ہیں۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ جو آپ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں تحریر فرمایا ہے کہ:

حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔ اور علماء صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ اور آپ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح اللہ نہ ہونے پر بیس دلائل بیان فرمائے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے استاد محترم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے:۔

کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کا عقیدہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی کتاب سے بھی یہ عقیدہ باطل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ تورات میں ہے۔ کہ..... اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے پہلوٹے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کرو۔ اور ایک مقام پر اکلوتے بیٹے کا لفظ بھی آیا ہے۔ اور اہل کتاب اور مسلمان دونوں اس بات کے قائل ہیں۔ کہ پہلوٹے حضرت

اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ لیکن آج کل کی تورات میں لکھ دیا ہے۔ کہ..... اپنے بیٹے اسحاق کو ذبح کرو۔

جو سراسر تحریف اور کذب ہے۔ کیونکہ یہ جملہ اس جملہ کے خلاف ہے۔ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے اور پہلوٹے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہود اہل عرب کے اس شرف سے بوجہ حسد انکار کرتے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طریقے سے یہ شرف انہیں حاصل ہو جائے۔ اس طرح اہل عرب سے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہ شرف چھین کر خود اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن کریم نے تو یہ شرف حقیقت میں اہل عرب کو بخش دیا ہے۔ اور اللہ کریم اپنی طرف سے جسے چاہتا ہے۔ شرف اور بزرگی عطا کر دیتا ہے۔

اور میں اس موضوع کو علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے روایت کردہ ان اشعار پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔

کہ حضرت ابوسعید ضریر رحمۃ اللہ علیہ سے ذبیح اللہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

إِنَّ الذَّبِيحَ هُدِيتَ إِسْمَاعِيلُ نَطَقَ الْكِتَابُ بِذَاكَ وَالتَّنْزِيلُ
شَرَفٌ بِهِ خَصَّ الْإِلٰهُ نَبِيَّنَا وَأَتَى بِهِ التَّفْسِيرُ وَالتَّأْوِيلُ
إِنْ كُنْتَ أُمَّتَهُ فَلَا تُنْكِرْ لَهُ شَرَفًا بِهِ قَدْ خَصَّهُ التَّفْضِيلُ

ذبیح اللہ کے بارے میں یہی روایت ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب قرآن مجید یہی بتاتی ہے۔ یہ وہ شرف ہے جو اللہ کریم نے ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور خاص بخشا ہے۔ اور تمام قرآنی تفاسیر و تشریحات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر تم اس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہو۔ تو اس شرف سے انکار کرنے کی جرات نہ کرو۔ کیونکہ یہ ایسا شرف ہے۔ جو اللہ کریم نے آپ کو انفرادی طور پر بخشا ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر تعمیر بیت اللہ کرتے ہیں:

حضرت ہاجرہ خاتون حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں اور اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ جو آپ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جو اپنے والد محترم کے پرتو اور نمونہ تھے۔ ان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام مسرت کا اظہار فرما رہے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔ کہ جس کی طرف لوگ دور دراز مقامات سے حج کرنے کے لئے آئیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی تعمیر کی جگہ بھی متعین کر کے بتا دی۔ اور ایک دن حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے پوچھا۔ کہ اسماعیل کہاں ہے۔ حضرت ہاجرہ بی بی نے پوچھا کیوں ان سے کیا کام ہے۔؟

آپ نے فرمایا ہاجرہ خوش ہو جاؤ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے۔ کہ اسماعیل علیہ السلام اس میں آپ کا ہاتھ بٹائیں۔

یہ سنتے ہی حضرت ہاجرہ بی بی شکر گزاری کے لئے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوگئیں۔ کہ اللہ کریم نے ان کے بیٹے کو اس شرف کے لئے چن لیا ہے۔ اور اپنے اس گھر کی تعمیر میں حصہ لینے کو پسند فرمالیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لئے جائے امن اور ذریعہ ثواب بنایا ہے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے گھر کا نقشہ تیار کرنے لگے۔ اور جب بھی حضرت ہاجرہ بی بی کو موقع ملتا تعمیر کے کام میں اپنے شوہر اور بیٹے کا ہاتھ بٹاتیں۔ اور وہ مسلسل کام میں جٹے رہتے۔ کیا مبارک ساعتیں تھیں جب دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کا پاک گھر بنانے میں مصروف تھے۔

اور اس خیال سے انہیں بہت روحانی مسرت حاصل ہوتی۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کا گھر بنانے میں مصروف ہیں۔ اور سب دنیا والوں کو چھوڑ کر اللہ پاک نے انہیں یہ سعادت بخشی ہے۔ اللہ کریم نے بڑے احترام اور عزت سے اس کارنامے کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

﴿البقرہ: ۱۲۷ تا ۱۲۹﴾

"اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔ تو دعا کئے جاتے تھے کہ اے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رہو۔ اور پروردگار ہمیں عبادت کے طریقے بتا۔ اور ہمارے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے"۔

تعمیر کعبہ کی تکمیل:

بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام مل کر اس کی صفائی و تطہیر میں مصروف ہیں۔ اور طواف کرنے والوں اور اس میں نماز ادا کرنے والوں، رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے اسے آب زمزم سے دھو کر اسے چمکا رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت جاری ہوئی ہے۔ کہ

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۝
﴿الحج: ۲۷ تا ۲۸﴾

''اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کر دو۔ کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز راستوں سے چلے آتے ہوں۔ سوار ہو کر چلے آئیں۔ تا کہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں۔ اور قربانی کے ایام معلوم میں چار پایوں کے ذبح کے وقت جو خدا نے ان کو دیئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں''۔

اب حاجیوں کے قافلے کے قافلے بیت اللہ کو آ کر مناسک حج ادا کر رہے ہیں۔ اور حضرت ہاجرہ کو سب باتیں یاد آ رہی ہیں۔ اور ہر چیز ان کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ اور ان کا ذہن کہاں کا کہاں پہنچ گیا ہے۔ اور انہیں اس بات کی کامل معرفت حاصل ہو گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری طرح سے اپنی رحمتوں کے حصار میں لے رکھا ہے۔ اور انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی سے مالا مال کر دیا ہے۔ اور سیدھا راستہ دکھایا ہے۔

اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا پیغمبر اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا ہونہار فرزند مرحمت فرمایا۔ جنہیں اللہ کریم نے زمزم کی برکت و انعام سے نوازا۔ اور جنہیں بیت اللہ شریف کی تعمیر میں شرکت کا شرف نصیب ہوا۔ اور اس شرف و اکرام کا کبھی تصور بھی ان کے دماغ میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ کہ ان کے صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا تمام لوگوں کے لئے سنت ابراہیمی قرار دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت ہاجرہ بی بی علیہا السلام کی یادگار سعی بین الصفا والمروہ:

جب حضرت ہاجرہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش سے پوری طرح سرخرو ہو کر گزر گئیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس مومنہ طاہرہ کی دوڑنے کی اس ادا کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ گویا کہ حضرت ہاجرہ خاتون کو اللہ کریم نے ان کی اطاعت گزاریوں سے خوش ہو کر ان کو جزاء خیر کا انعام عطا فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کا قدر دان ہے۔ آپ لوگوں کی بھیڑ کو حج کرتے اور مناسک حج ادا کرتے دیکھتیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے ہوئے۔ یہ دیکھ کر آپ کا دل قابو میں نہ رہتا۔ اور آپ اللہ کریم کی اس عزت افزائی پر آنسو بھر لاتیں اور شکر الٰہی ادا کرنے کے لئے سجدے میں گر جاتیں۔ اور اللہ کریم کی دل و جان سے حمد و ثنا کرتیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے لئے حج بیت اللہ شریف کا اعلان فرمایا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ بی بی دنیا کی پہلی شخصیت تھیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس آواز پر لبیک کہا۔ اور تمام عالم کے لوگوں پر شرف حج بیت اللہ کرنے میں سبقت حاصل ہوئی۔

حضرت ہاجرہ بی بی کے آخری ایام:

حضرت ہاجرہ بی بی حرم کعبہ کے سامنے بیٹھی ہوتیں۔ اور آپ کی نظریں بیت اللہ شریف کے آس پاس گھوم رہی ہوتیں۔ تو ان کا ذہن کسی اور دنیا میں پہنچا ہوتا۔ اور کئی پرانی یادیں ان کے دماغ میں تازہ ہو رہی ہوتیں۔ اور پھر سوچتیں۔ تو انہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم دکھائی دیتا۔ اور انہیں وہ دن یاد آتا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں دودھ پیتے بچے کے ساتھ لق و دق صحرا میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ تو انہوں نے یقین کے ساتھ کہا تھا:۔

"اللہ تعالیٰ ہمیں یوں دربدر نہیں کرے گا"۔ إِذًا لَّا يُضَيِّعُنَا اللّٰهُ

"ہاں اب وہ ام القریٰ (مکہ معظمہ) کی گود میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہ رہے تھے"۔

حضرت ہاجرہ بی بی کی عبادت گزاری:

اور اب حضرت ہاجرہ بی بی بیت اللہ کے سایہ میں عبادت و نماز میں مصروف رہتیں۔ اور خوب

فرائض ونوافل سے سرفراز ہوتیں۔ آپ کے وجود گرامی سے مکہ میں ہر طرف زندگی کی بہار تھی۔ وہیں آپ کے اردگرد قبیلہ جرہم کے بچے بڑے ہو جاتے اور آپ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے یاد کراتیں۔ اور انہیں لکھنا سکھاتیں۔

روایات میں وارد ہوا ہے۔ کہ حضرت ہاجرہ دنیا میں پہلی خاتون ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے عربی کتابت کا آغاز فرمایا۔

لہٰذا عرصہ تک حضرت ہاجرہ تعلیم و تعلم کی یہ خدمت انجام دیتی رہیں۔ اور انہوں نے اس سلسلے میں یادگار نقوش چھوڑے۔

آپ لوگوں میں بہت قابل احترام سمجھی جاتی تھیں۔ اور لوگوں کے دلوں پر آپ کا بہت رعب بھی تھا۔ اور آس پاس کے لوگ دل و جان سے آپ کو چاہتے تھے۔ اور ان کے بچے تو آپ کے پاس دوڑے چلے آتے تھے۔ اور آپ کی شیریں باتوں پر کان لگاتے جو ان کے دلوں میں اتر جاتیں۔ تو اس طرح آپ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیتیں۔ ان کی باتوں سے ان کے دلوں میں ایمان کی تازگی آ جاتی۔ اور ان کی تاثیر ان کے دلوں میں اتر جاتی۔

انہی حالات میں زندگی گزارتے آپ نوے سال کی عمر کو پہنچ گئیں۔ ایک دن حضرت ہاجرہ کو محسوس ہوا۔ کہ اب ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہونے والی ہے۔ یہ سوچ کر آپ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اور ان کی یہ خواہش ہوگئی۔ کہ اب وہ بیت اللہ شریف کو نظر بھر کر دیکھتی رہیں۔ اور اس میں ان کی زندگی تمام ہو جائے۔

آپ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھتیں۔ اور ان کی وجہ سے حاصل شدہ برکتوں کا حساب لگاتیں۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اور ان کی ذریت کے لئے رحمتوں اور برکتوں کی تکمیل کی ہے۔ اس وقت ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھتا اور ہر طرف لوگوں کو عبادت گزاری میں مصروف دیکھتیں۔ اور لوگوں کو طواف کرتے ملاحظہ کرتیں۔ اور ہر طرف نیکوکاروں کے لئے دعائیں کرتے دیکھتیں۔ اس وقت ان کی پاکیزہ روح اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہوئی ہوتی۔

یہ ہیں حضرت ہاجرہ بی بی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کی قابل احترام والدہ، جنہیں اللہ تعالیٰ نے جوار بیت اللہ شریف میں رہنے کا شرف بخشا۔ اور وہیں دن رات گزارنے کے مواقع ملے۔ اور پھر اسی بیت اللہ شریف میں وہ

مدفون ہوئیں۔ جہاں دن رات ہزاروں لوگ طواف کرتے ہیں اور یہ طواف کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

اللہ کریم کو بھی منظور تھا کہ حضرت ہاجرہ حرم شریف میں حجر کے مقام پر مدفون ہوں جہاں ہر وقت نیک اور پاک لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

وہ مقام جہاں کبھی لغو اور گناہ کی بات نہیں ہوتی۔ وہ مقام جو طواف کرنے والوں' عبادت گزاروں' رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت کے لئے آپ کے شوہر اور بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی سے تعمیر فرمایا۔

زمانہ گزر گیا صدیاں بیت گئیں۔ لیکن اب بھی لوگ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور ان کے صبر اور وفا شعاریوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ہاجرہ پر اپنا فضل کرم فرمائے۔ جو زمانہ بھر کی عورتوں کے لئے ایک بہترین نمونہ عمل ہیں۔ کیا خواتین اس مہک خاتون کی پیروی کریں گی۔ اور ان کی معطر زندگی سے فیض یاب ہونگی۔

انشاء اللہ ضرور رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا وَجَعَلَهَا فِيْ عِلِّيِّيْنَ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

ام المومنین حضرت
خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہماری آج کی دنیا جو شور وشر بے حیائی و بے باکی کی ظلمت و تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور مادہ پرستی کے جنون نے اس کی صورت مسخ کر دی ہے' اس بات کی کتنی شدید ضرورت ہے کہ ان پاک طینت' پاکیزہ سیرت اور خدا پرست خاتونان جنت کے نمونے ہمارے سامنے آئیں اور ہمارے دل کی اجڑی ہوئی بستی میں ایمان و یقین' تقویٰ و طہارت اور اپنے خالق کے نام پر اپنی من پسند چیزوں اور خواہشات نفسانی کو قربان کر دینے کا حوصلہ پیدا کریں اور ہم بھی ان مثالی خواتین کے نقش قدم پر چل کر وہ مثالی کردار ادا کریں جس کی آج اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنا پیاسے کو پانی اور بھوکے کو کھانے کی۔ کہ انسان کھانا پانی نہ پا کر صرف مر جائے گا مگر ایمان و عقیدہ اور اخلاق کریمہ کی موت' وہ موت ہے جو آخرت کے دردناک عذاب میں پہنچاوے گی۔

ذیل کی سطروں میں ہم ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسوہ پیش کرتے ہیں جو ایک مثالی خاتون کا اعلیٰ نمونہ ہے اور ہر مسلمان عورت کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

قبل از اسلام:

اسلام سے پہلے عربوں کے جو حالات بیان کیے جاتے ہیں ان میں یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے اور تصویر کا ایک ہی رخ سامنے لایا جاتا ہے کہ بے حیائی و فحش کاری' شراب خوری اور اس کے برے نتائج عام تھے' عصمت و عفت نام کی کوئی چیز اس وقت کے معاشرہ میں نہیں پائی جاتی تھی' نہ عورت کو عزت کا کوئی مقام حاصل تھا۔ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ عربوں میں بہت سے معزز خاندان تھے جن میں شرافت' عفت و پاک دامنی جود و سخا اور کرامت نفس جیسی صفات پائی جاتی تھیں گو ان صفات کی کوئی واضح تعلیمات نہ تھیں تاہم انبیاء کرام علیہم السلام کے بچے کھچے ورثہ میں سے انسانیت کی بہت سی قدریں زندہ تھیں' نہ صرف زندہ تھیں بلکہ ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا یہی وجہ تھی جس کے سبب اللہ کے رسول اپنی سچائی اور امانت داری کی بنا پر صادق و امین کے لقب سے یاد فرمائے گئے اور ان صفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ حضرت ابو بکر جب لوگوں کے ستانے پر اپنی بستی چھوڑ کر نکلے تو ابن دغنہ یہ کہہ کر

واپس لایا کہ آپ جیسے آدمی کو نہیں نکالا جا سکتا آپ تو محتاجوں کے کام آتے ہیں' مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں' راہ حق کی تکلیفوں اور آفتوں میں مدد کرتے ہیں۔ ابن دغنہ کی باتیں یہ پتہ دیتی ہیں کہ اس بگڑے ہوئے ماحول میں بھی ان صفات کی قدر تھی اور ایسے لوگ پائے جاتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ایسے ہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جس میں عصمت و عفت' طہارت اخلاق اور نیک اطوار و عادت پائے جاتے تھے۔ دنیاوی اعتبار سے بھی آپ کا گھرانہ کھاتے پیتے گھرانوں میں سے تھا اور شرافت وسیادت کے اعتبار سے سیدہ نسا قریش (قریش کی عورتوں کی سردار) کہلاتی تھیں۔ اسی کے لازمی نتیجہ کے طور پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی خوش خو' پاک باز' عفت مآب تھیں۔ اسی وجہ سے آپ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپ کا نسب ماں باپ دونوں کی طرف سے اوپر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ازواج مطہرات میں نسب کے اعتبار سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھیں۔

آپ مکہ کے معزز اور بڑے تاجر خویلد بن اسد کی بیٹی تھیں۔ گھر میں آرام و آسائش کا سامان مہیا تھا آپ کے والد کو لوگ عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی مالداری کے ساتھ ساتھ حسن و جمال خاندانی عزت و شرف اور پاکیزہ اخلاق اور اچھی طبیعت کی مالک تھیں۔

اپ کے والد خویلد جیسا کہ ذکر ہوا بڑے تاجر تھے مگر کوئی اولا د نرینہ نہ تھی للہذا ان کے بوڑھے اور ضعیف ہو جانے کے سبب سارا کاروبار تجارت خود حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیکھتی تھیں والد کے انتقال کے بعد آپ اس زبردست سرمایہ کی مالک ہو گئیں۔ اور مکہ کے بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگیں۔ مال وثروت کی کثرت اور تجارتی کاروبار کی نگرانی نے آپ کے تجربہ اور فہم وفراست کو مزید جلا بخش دی تھی طبیعت میں وقار و تمکنت اور سنجیدگی ومتانت پائی جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کرنے سے قبل آپ دوبارہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ آپ کی دونوں شادیاں قریش کے دو معزز سرداروں سے ہوئی تھیں۔ پہلی شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی تھی۔ ان سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ شادی کے چند ہی سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر دوسری شادی ھند بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام ھند تھا۔ تھوڑے دنوں بعد دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا۔ دو مرتبہ بیوگی کا داغ جھیلنا سوہان روح تھا اب طبیعت ایسی بجھی کہ شادی کا خیال ترک کر دیا۔ اپنے دو یتیم بچے اور خادموں

کے ساتھ زندگی کے دن کاٹ رہی تھیں اور تجارت کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ تجارتی سامان جو مختلف شہروں کو جاتا اور وہاں سے آتا تھا اس کی دیکھ بھال کے لئے معتمد آدمی نہیں ملتا تھا ان سب باتوں نے ماحول و معاشرہ سے بہت بددل کر رکھا تھا۔ اکثر بیت اللہ شریف جاتیں اور اس وقت کے مروجہ طریقہ کے مطابق یاد خدا میں وقت گزارتیں۔ آپ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے جس کے سبب نبی آخر کی آمد اور ان کی علامات سے واقف تھے بڑے عالم شمار ہوتے تھے اس کے نتیجہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی نبی آخر الزماں کے سلسلہ میں معلومات تھیں اور ذہن اس کے لئے تیار تھا بلکہ اس گھڑی کا منتظر تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجارتی مہم پر بھیجنا:

اوپر ذکر ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی تاجر تھیں مختلف لوگوں کو مختلف شہروں کو سامان تجارت لے کر بھیجتی تھیں مگر لوگ اکثر صحیح معاملہ نہ کرتے' آپ کو ایک امانت دار شخص کی ضرورت تھی ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت وصداقت کا چرچا ہو چکا تھا اور خاندانی روابط کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کی غربت اور کثرت عیال سے واقف تھیں لہٰذا خیال آیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامان تجارت لے کر شام بھیجیں جس سے ان کو ایک امانت دار کا تعاون حاصل ہو اور ابو طالب کا بار بھی ہلکا ہو چنانچہ حضرت ابو طالب کو ان کی اس خواہش کا علم ہو گیا اور ایک دن ان کے پاس گئے اور کہا کہ میرے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامان تجارت لے کر بھیجو۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل کی آواز تھی بڑی مسرور ہوئیں اور ابو طالب کی اس پیش کش کو فوراً قبول کر لیا۔

سفر شام:

اور اپنے غلام میسرہ کے ساتھ سامان تجارت لے کر شام بھیجا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی آخر الزماں کے بارے میں سن رکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات حمیدہ اور خصال کریمہ کا چرچہ سن رکھا تھا [illegible] میسرہ کو ہدایت تھی کہ ان کا خیال رکھنا اور جو کچھ دیکھنا ہے کم و کاست مجھے آ کر بیان کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا کی نیک دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ سفر کیا اور تھوڑے وقت میں بہت زیادہ نفع کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ غیر معمولی نفع [illegible] صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے حالات سفر سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت خیال فرمانے لگیں اور دل وں میں یہ خیال چٹکی لینے لگا کہ شاید نبی آخرالزماں یہی ہوں۔ لہٰذا کچھ اس طرح سوچنے لگیں کہ مجھے ان کی زوجیت کا شرف حاصل ہو جائے تو کیا کہنا۔

حالانکہ آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی دو مرتبہ بیوگی کا غم جھیل چکی تھیں اب شادی کی خواہش مر چکی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سن کر اپنے دل کو آپ کی طرف مائل اور زوجیت میں جانے کا شائق پایا۔ یہ شوق وجذبہ یقیناً حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس پاک طینتی کے نتیجہ میں تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نور نبوت کو دیکھ لیا تھا۔ چالیس سال کی بیوہ جس کی عمر ڈھل چکی ہے مال و دولت کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔ سرداران قریش کے پیغامات نکاح کو رد کر چکی ہے وہ جب ایک پچیس سالہ ہاشمی نوجوان سے شادی کرنا چاہے جس کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے تو اس کی تاویل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے کو کسی بڑی قربانی کے لیے پیش کر رہی ہیں یا ایک مثالی نوجوان کی زوجیت کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن فکر یہ تھی کہ اپنے دل کی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے کہیں بالآخر اس ذمہ داری کو ان کی ایک سہیلی نفیسہ نے انجام دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس رشتہ کے قبول کرنے کی درخواست کی' پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صراحتاً شادی کا پیغام دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں چچا ابو طالب اور حضرت حمزہ سے مشورہ کیا اور ان دونوں حضرات کے اتفاق سے نکاح ہو گیا آپ کے چچا ابو طالب نے اس وقت کے شرفا کے رواج کے مطابق خطبہ پڑھا اور چھ اوقیہ سونا مہر پر نکاح ہو گیا۔

شادی کے بعد:

اگرچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک صاحب ثروت خاتون تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ خالی تھا بہت ممکن تھا کہ عمر اور مثالی تفاوت کے نتیجہ میں زندگی زیادہ دنوں تک خوشگوار نہ رہ پاتی مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مثالی خاتون کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا کیا زندگی کے لیل و نہار مہینہ اور سال بلکہ سالوں میں تبدیل ہوتے رہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شوہر کی اطاعت شعار خدمت گزار شوہر کی محبت میں سرشار شوہر کے آرام وراحت کے لیے اپنے آرام وراحت کو قربان کرنے والی بیوی کی طرح آپ کے حقوق پوری طرح ادا کرتی رہیں۔

اولاد:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہ اور چار لڑکیاں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا' رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ یہ شرف تمام ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہوا دیگر ازواج سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

نور نبوت:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے دیگر نوجوانوں کی طرح جوا' شراب' ناچ گانا اور کھیل تماشوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ آپ سکون و فراغت کے وقت نظام کائنات پر غور فرماتے اور خلوت و تنہائی میں وقت گزارنا پسند کرتے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں پورا تعاون فرماتیں اور آپ کو یکسو رکھتیں۔ اخیر میں جب آپ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر غار حرا میں وقت گزارنے لگے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف یہ کہ کھانے پینے کا سامان تیار کر بھیجتیں بلکہ کسی کو آپ کی حفاظت کے لیے مقرر فرما دیتیں کہ مبادا آپ کو کوئی نقصان و تکلیف پہنچ جائے اور جب آپ غار حرا سے واپس تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و راحت رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتیں۔ خلوت پسندی کی اسی حالت میں جب عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے تو آپ منصب نبوت سے سرفراز ہوئے اور غار حرا میں پہلی وحی اقراء نازل ہوئی اور آپ گھبرائے ہوئے گھر واپس آئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا مجھے اڑھا دو مجھے اڑھا دو آپ اوڑھ کر لیٹ گئے جب کچھ سکون ہوا اور وہ کیفیت جاتی رہی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب تفصیل سنائی اور خوف و اندیشہ ظاہر کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑی تسلی دی اور فرمایا ہرگز اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ رشتوں کا پاس کرتے ہیں مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ راہ حق کی مشکلات و مصائب میں لوگوں کے کام آتے ہیں' لوگوں کا بار ہلکا کرتے ہیں' آپ کو یہ تسلی دی اور لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا کہ میرے بھائی تم اپنے بھتیجے کی بات سنو! جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب تفصیل سنائی تو ورقہ بن نوفل نے کہا یہ تو وہ شریعت ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اتری' کاش میں اس وقت جوان ہوگا کاش میں اس وقت زندہ رہتا جب تمہاری قوم تم کو

نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مجھ کو نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اسے لے کر جو بھی آیا وہ ستایا گیا اگر میں اس وقت زندہ رہا تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ تھوڑے ہی دن زندہ رہے اور وحی رک گئی۔

کار نبوت کی ابتدا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قربانی:

نزول وحی کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکر مند رہنے لگے کہ یہ زبردست ذمہ داری کیونکر ادا ہو سکے گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس نازک گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور ہمت وڈھارس بندھائی کہ آپ پریشان نہ ہوں آپ اپنی ذمہ داری ادا کریں گے' مجھے اس پر فخر ہے میں ہر قربانی کے لیے تیار ہوں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو کہا کر دکھایا۔ اپنا سارا سرمایہ پیش کر دیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال تک خفیہ طور پر دعوت کا کام کرتے رہے اس کے بعد علی الاعلان کام کرنے کا حکم ہوا جس کے نتیجہ میں اپنے پرائے سب خفا ہو گئے۔ نہ صرف خفا ہو گئے بلکہ درپے آزار ہو گئے آپ پر جملے کسنے لگے دوست احباب نے بھی ساتھ چھوڑ دیا' آپ نے سب کچھ جھیلا اور برداشت کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر طرح سے آپ کو سہارا دیتی اس پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہائی کاٹ کیا گیا اور آپ کو مع اصحاب کے شعب ابی طالب میں قید کر دیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنا گھر بار مال واسباب اور سامان راحت سب کچھ چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ شعب ابی طالب میں تکلیفیں وفاقہ کشی کی زندگی گزاری' ناز ونعم میں پلی ہوئی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شعب ابی طالب کی مشقتوں نے نڈھال کر دیا۔ بھوک پیاس ظلم و جور سب جھیلا مگر اپنے شوہر کی مدد سے پیچھے نہ ہٹیں' ایک وفادار مخلص وغم خوار اور شوہر پر جان نچھاور کرنے والی خاتون کی طرح آپ کو سہارا دیتی رہیں۔

جب شعب ابی طالب کا دور المناک ختم ہوا تو گھر واپس آئیں کیا اپنے شوہر کے ساتھ ساتھ ہر طرح دین اسلام کی خدمت کے لیے تیار رہیں' تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قوت وغلبہ حاصل ہو۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بحیثیت ایک ماں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بچے

تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت عمر چالیس سال ہو چکی تھی اب اس کی توقع کم ہی رہ گئی تھی کہ آپ کے اولاد ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا چار لڑکیاں اور دو لڑکے عطا کیے۔ دونوں لڑکوں کا انتقال شیر خواری ہی میں ہو گیا۔ زبیر بن عوام بن خویلد راوی ہیں کہ بعثت کے بعد حضرت قاسم کا شیر خواری میں انتقال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں پوچھنے پر عرض کیا دودھ اترا یا ہے قاسم زندہ ہوتے تو دودھ پلاتی حتیٰ کہ مدت رضاعت گزر جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قاسم کے لیے جنت میں ایک دایا ہے جو مدت رضاعت پوری کرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا تو دل کو تسلی ہو جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم چاہو تو جنت میں ان کی آواز تم کو سنا دوں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اس کی ضرورت نہیں، میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر یقین کرتی ہوں۔

چاروں بچیوں کی دیکھ بھال اور تربیت اس انداز سے کی جو ایک نبی کے شایان شان تھی۔ ایسی بچیوں کے ساتھ کھیلنے سے روکتی تھیں جن کے اخلاق قابل اطمینان نہیں ہوتے تھے یا ان کی عادات اچھی نہ ہوتیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاق کریمہ:

حضرت خدیجہ محتاجوں مسکینوں، غلاموں اور فقیروں پر مہربان ہونے اور ان پر خرچ کرنے میں مشہور تھیں۔ مصیبت زدوں، مریضوں اور بے بسوں اور عمر درازوں کا سب سے پہلے خیال فرماتیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن زید بن حارثہ کے پاس سے گزرے دیکھا کہ ان کے مالک ان کو بیچ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا رحم آیا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور واقعہ بیان کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا ان کی قیمت کتنی ہے آپ نے فرمایا سات سو درہم۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً سات سو درہم دیے کہ آپ زید بن حارثہ کو خرید لیجیے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کو لے کر گھر پہنچے تو فرمایا اگر یہ غلام میرا ہوتا تو میں اس کو آزاد کر دیتا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ آپ ہی کا غلام ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت حضرت زید کو آزاد کر کے متبنی بنا لیا۔ شعب ابی طالب میں قید کے زمانہ میں جب مسلمان بھوک کی بھٹی میں جل رہے تھے۔ درخت کے پتے کھانے پر مجبور تھے تو حضرت خدیجہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا اپنے تجربہ اور وجاہت کے سبب اپنے بھائی حکیم بن حذام کے ذریعہ خفیہ طور پر گیہوں منگواتیں اور اپنے گھر والوں سے پہلے دیگر مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتیں اکثر ایسا ہوتا کہ خود کو بھول جاتیں اور ان کے لیے کچھ نہ بچتا۔ آپ نے اسلام لانے کے بعد اور اسلام سے پہلے بھی غریب گھرانوں کے لیے رقمیں مقرر کر رکھی تھیں جو اتنے خفیہ طور پر بھجوا دیتی تھیں کہ گھر میں بچوں تک کو خبر نہ ہوتی تھی۔

وفات:

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش حال گھرانے کی ناز پروردہ تھیں، زندگی بڑے آرام و راحت حشم و خدم میں گزاری تھی، جس کے نتیجہ میں طبیعت نازک تھی اس لیے شعب ابی طالب کی مشقتوں نے آپ کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ جب اس قید سے رہائی ہوئی اور گھر واپس ہوئیں تو بیمار پڑیں کہ پھر جانبر نہ ہو سکیں۔

آپ کی فضیلت:

آپ کے انتقال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید صدمہ ہوا اور بڑی تنہائی محسوس کی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وجود آپ کے لیے غیر معمولی تقویت کا باعث تھا۔ پھر ان کی وفا شعاری، ہر حال میں خدمت گزاری اور نازک حزین گھڑیوں میں تسکین و تسلی دینا آپ کے لیے بڑا سہارا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت ساتھ دیا جب کہ ساری دنیا حتیٰ کہ اعزا و اقارب آپ کا ساتھ چھوڑ رہے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت ایمان لائیں جب سارے لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو بہت یاد فرماتے اور ان کے مناقب بیان فرماتے، ان کے پاس آنے جانے والی عورتوں کا پاس و خیال فرماتے تھے۔ بعض وقت یہ پاس و خیال اور رمیں بار بار حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ دیگر ازواج مطہرات کو کھلتا تھا، خصوصاً حضرت عائشہ چونکہ کم عمر تھیں اور ذہین زیرک بھی اس لیے ان کو اور خیال ہوتا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے ایک عمر رسیدہ بیوی کو آپ اتنا کیوں یاد فرماتے ہیں، کیوں بار بار تذکرہ کرتے ہیں۔ آخر کار ایک دن بول اٹھیں ''آپ ایک بوڑھی عورت کا کیوں اتنا تذکرہ کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا کی ہے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں ملی، خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب تمام لوگوں نے انکار کیا،

یہ تصدیق اس وقت کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا' اپنے مال سے میری مدد کی جب لوگوں نے مجھے محروم کیا انہی سے مجھے اللہ تعالیٰ نے اولاد دی جبکہ دوسری بیویوں سے اولاد سے محروم رہا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دن سے میں نے طے کر لیا اب کبھی بھی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ایسی بات نہ کہوں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار ہو' اسی وجہ سے آپ کے انتقال سے اتنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا غیر معمولی صدمہ پہنچا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو عام الحزن (غم کا سال) کہا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدا اور رسول کے نزدیک وہ مرتبہ حاصل تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سات آسمانوں کے اوپر سے ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچاتے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے رب کا سلام پہنچا دیجئے۔ اللہ رب العزت کا سلام سن کر خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔ اللہ السلام' منہ السلام وعلیٰ جبریل السلام۔

اللہ رب العالمین نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو جنت میں ایسے مکان کی خوشخبری دی جو موتی کا ہوگا۔ نہ اس میں کوئی شور و غوغا ہوگا نہ کسی طرح کی زحمت و پریشانی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی سب سے بہتر عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ راوی نے یہ کہتے ہوئے زمین و آسمان کے درمیان اشارہ کیا (یعنی زمین و آسمان کے درمیاں جنتی عورتیں ہیں ان میں یہ دونوں سب سے بہتر ہیں۔)

وہ زندگی میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب رہیں اور وفات کے بعد بھی حتیٰ کہ آپ ان کی سہیلیوں کی عزت فرماتے تھے' عورتوں مردوں میں ان سب کا اکرام فرماتے تھے جن کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعلق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون تشریف لائیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اکرام فرمایا اور عزت و توقیر کی' ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور اس پر انھیں بٹھایا جب وہ واپس تشریف لے گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کون تھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا جایا کرتی تھیں۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو فرماتے۔ اسے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دو ایک دن میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بہت خیال فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن سے محبت کرتی تھیں میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں۔

ام المومنین حضرت
سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال فرما جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکران بن عمرو الانصاری کی بیوہ سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت سودہ ان مہاجرہ عورتوں میں سے تھیں جنھوں نے ایمان وعقیدہ کی خاطر اپنے گھر والوں اور اعزہ اقربا کو چھوڑ دیا تھا اور دین اسلام کی راہ میں طرح طرح کے مصائب ومشکلات جھیلی تھیں۔ آپ نے پہلی ہجرت اپنے شوہر کی معیت میں حبشہ کی طرف فرمائی۔ اس ہجرت سے انھوں نے اپنے اہل خاندان کو جو ذی وجاہت وطاقت ور لوگ تھے ناراض کیا اور ان کی ناراضگی کی کوئی پروا نہیں کی۔

پھر جب ہجرت حبشہ سے واپس ہوئی تو ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار صحابہ میں تھے۔ اپنے دین وعقیدہ میں پختہ اور اسلام کے فدائی تھے اپنے دین وعقیدہ کی حفاظت کی غرض سے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی' جب آپ کی وفات ہو گئی تو اپنے پیچھے نیک بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ کو بے سہارا چھوڑ گئے نہ کوئی کفالت کرنے والا نہ معین ومددگار' مکہ مکرمہ میں ان کو تنہا چھوڑ دیا شوہر کی وفات کے بعد اگر وہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاتیں تو اہل خاندان ان کو مارتے ستاتے' دین اسلام سے ہٹا دینے کی کوشش کرتے' یہ بھی ممکن تھا کہ قتل کر دیتے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا حال زار معلوم ہوا اور یہ پتہ چلا کہ وہ اپنے اسلام پر ثابت قدم ہیں تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان کے خاندان کے لوگ ان پر سختی کریں گے ماریں گے' ستائیں گے اس لیے کہ وہ بڑے سخت دل اور خدا اور رسول کے دشمن ہیں تو اس نازک گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کفالت فرمائی اور کیوں نہ ہو کہ آپ ہمت حوصلہ مندی اور نصرت وتعاون کا اعلیٰ نمونہ تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں لینے کا پیغام بھیجا کہ اس طرح ان کو اسلام کا اور شوہر کے جدائی کے غم کا صلہ دیں اور وہ جس مشکل وتنگی میں مبتلا ہیں اس سے نجات دلائیں اور اس نکاح کے ذریعہ ان کی قوم بنو عبد شمس سے بھی رشتہ جوڑ لیں جو بنو ہاشم اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھتے ہیں۔

ان سے شادی کر لینا' ان کے جہاد' اخلاص اور شوہر کی جدائی کے غم کا بہترین بدلہ تھا' چنانچہ ایسا ہی ہوا' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا پورا ہوا حضرت سودہ کے ساتھ اس حسن سلوک اور

لطف وعنایت پر لوگوں نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور تعریف کی اور ان کی قوم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت وعداوت کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ کم ہوگئی۔ اور آپ کی موت و ہلاکت کا جو خدشہ واندیشہ لگا رہتا تھا وہ ختم ہوگیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نفسانی خواہش کی بنا پر شادی کی ہوتی تو اس بیوہ اور بوڑھی عورت کے بجائے جس کی عمر پچپن سال تھی قریش کی ان مومنہ و نوجوان لڑکیوں سے شادی کرتے جو باکرہ و پاک تھیں لیکن خدا کے مہربان وکریم النفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بہت بلند وبرتر تھے۔ آپ کی ساری کوشش دین کی کامیابی وترقی پر مرکوز تھی' کہ دین تمام لوگوں کے دلوں میں اتر اور بیٹھ جائے چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قوم کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور دعوت کو پسند اور اس پر یقین کر کے صاحب دعوت کے اخلاق کریمانہ' بلند کرداری اور وفا شعاری کے شیدائی ہو کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ مضمون دراصل "سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تلخیص ہے کہیں کہیں توسین میں بعض چیزوں کا اضافہ اور کچھ مزید مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے خصوصاً السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین محب الدین احمد الطبری (م ۶۹۴ھ) اور علامہ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء وغیرہ سے۔ اردو میں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "سیرۃ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" سے بہتر کتاب موجود نہیں اس لیے نیا مضمون لکھنے کے بجائے اسی کی تلخیص مناسب و مفید معلوم ہوئی کہ سید صاحب نے سیرت نگاری اور ژرف نگاہی کا حق ادا کر دیا ہے اس تلخیص سے یہ بھی امید ہے کہ اس سے اصل کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ بھی ہو سکے گا' اہل علم کے لیے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ ابواب خاص طور پر مفید ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم و اجتہاد اور ان کی تفسیری' حدیثی اور فقہی خدمات سے متعلق ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت و عبقریت کے بہت سے پہلو ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا (خاتون جنت) کے بعد اسلام میں انہی کا مقام و مرتبہ ہے' کسی انسان کی عظمت و مقبولیت کی یہ معراج ہے کہ اس کے حق میں وحی الٰہی نازل ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہو' جبریل امین اسے سلام کریں اور وہ روح القدس کی زیارت کرے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و فضیلت اور علوئے مرتبت کے لیے یہ شرف بہت کافی ہے کہ دین و شریعت کا ایک بڑا حصہ ان کی روایت و درایت کے ذریعے قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گیا ہے اور تا قیام قیامت اس سے مستفید ہونے والوں کے ساتھ انہیں بھی اجر و ثواب کا حصہ وافر ملتا رہے گا۔ یہ ان کی برگزیدہ شخصیت کی جامعیت و کاملیت ہی کا نتیجہ ہے کہ علوم اسلامیہ کی بیشتر شاخوں میں ان کے علمی افادات و ثمرات نظر آتے ہیں جن سے کوئی بھی اہل علم بے نیاز نہیں رہ سکتا بلکہ ہر خاص و عام مسلمان اپنے عقیدہ و عمل اور فکر و نظر اور ذوق و مزاج کی صحیح تشکیل کے لیے ان کی روایات و تحقیقات کا محتاج ہے اور بحیثیت مسلمان ان سے صرف نظر نہیں کر سکتا ہے۔

استاد سعید الافغانی کی تحقیق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۱۳۷ صحابہ و تابعین نیز ۱۸ خواتین نے روایت کی ہے (سیر اعلام النبلاء جز عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۱۷ ادمشق ۱۹۴۵ء

(سید صاحب نے تعداد ۳۶ لکھی ہے) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

"امت محمدیہ بلکہ خواتین عالم میں ان سے بڑی عالمہ خاتون میں علم میں نہیں"۔

ولا اعلم من امة محمد صلی اللّٰه علیه وآله وسلم ولا فی النساء مطلقاً امراة اعلم منها (ایضاً ص:۱۸)

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کا تعلق ہے وہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"مردوں میں تو بہت سے کامل ہوئے مگر عورتوں میں صرف مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہوئیں اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید تمام کھانوں میں فائق ہے"۔

کمل من الرجال کثیر و لم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران و آسیه امراة فرعون فضل عائشة علی النسا کفضل الثرید علی سائر الطعام (شیخین' ابوحاتم' ابن ماجہ اور ترمذی)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام عورتوں میں افضل ہیں کیونکہ ان کے علمی و عملی کمالات کی جامعیت کی مثال ثرید سے دی گئی جو عرب کا بہترین کھانا اور بے مثال غذا ہے (حاشیہ صحیح بخاری ۱/۵۳۲)

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ "اگر کثرت علم مراد ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لامحالہ افضل ہیں اور اگر شرافت نسب ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افضل ہیں" اور کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی افضلیت پر تو اجماع ہے' اختلاف حضرت خدیجہ و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہے" (ایضاً نیز فتح الباری)

قسطلانی نے ابوامامہ بن النقاش کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تقدم اور اول اسلام میں ان کی تاثیر و تائید اور جان و مال سے اسلام کی نصرت میں ان کا کوئی شریک نہیں اسی طرح آخر اسلام میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اثرات دینی امانت کو امت تک پہنچانے اور احادیث کے فہم میں ان کا کوئی شریک نہیں اور وہ سب سے ممتاز ہیں" (المواہب اللدینہ بالمنح المحدیثہ)

علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب "ملل و نحل" میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام صحابہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں افضل قرار دیا ہے مگر یہ ان کا تفرد ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضہ اللہ تعالیٰ عنہا و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل تقریباً یکساں ہیں اور ابن تیمیہ کا رجحان اس مسئلے میں توقف کا ہے۔ ابن حبان نے فضل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ وہ ازواج میں افضل ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت اپنی ہے (فتح الباری) علما کا کہنا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آسیہ علیہا السلام کی فضیلت اپنے زمانے یا امم سابقہ کے لحاظ سے اور امت محمدیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث کے بموجب خواتین جنت یا خواتین عالم کی سردار ہیں اور اسلام کی بنیادی و ابتدائی خدمات کے لحاظ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور تبلیغ دین و رسالت کے اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افضلیت رکھتی ہیں۔ اختلاف روایات کو دیکھتے ہوئے علماء نے اس مسئلے میں خاموشی کو بھی ترجیح دی ہے مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں بھی اس مسئلے میں توقف بہتر ہے کہ یہ احادیث ظنی اور متعارض ہیں جو عقائد کے لیے کافی نہیں جو دلیل یقینی و قطعی پر مبنی ہوتے ہیں۔ (حاشیہ صحیح بخاری ۱/۵۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ سے تعلق خاطر بھی ہے چنانچہ انہی سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موت میرے لیے اس طرح آسان ہوگی کہ مجھے تمہیں جنت میں میری زوجہ کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے"۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم یا عائشہ لیھون علی الموت انی اریتك زوجة فی الجنة

اس حدیث کی تخریج حافظ ابوالحسن خلعی اور حافظ دمشقی نے کی ہے اس مفہوم کی حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں بھی لکھی ہے۔ (السمط الثمین للطبری م ۶۹۴ھ ص ۴۰ حلب مکتبۃ التراث الاسلامی)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے نزدیک سب سے عزیز کون ہے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انھوں نے پوچھا کہ مردوں میں؟ فرمایا اس کے والد! انھوں نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ حدیث شیخین امام احمد اور ترمذی سے روایت ہے (ایضا ص ۴۲)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ "یہ حدیث روافض کے عقائد کے خلاف پڑتی ہے جس کے بموجب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے افضل ترین انسان اور افضل ترین خاتون کو محبوب رکھا تو جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبوں سے بغض رکھے گا وہ خود اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناپسندیدہ ٹھہرے گا۔ (سیر اعلام النبلاء جز عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۲۱ دمشق ۱۹۴۵)

بہ حیثیت مجموعی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات طیبہ مسلمان خواتین کے لیے مثالی زندگی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں ان کے لیے عبرت و بصیرت کا بڑا ذخیرہ ہے ان کا تقویٰ و طہارت اتباع سنت و حسن سیرت' حقوق نسواں کی حفاظت' عبادات کی پابندی و مداومت' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال کا بہ نظر غائر مشاہدہ اور سیرت نبوی کی روح اور منشا نبوت تک پہنچنے اور دوسروں کو پہنچانے کی خواہش و کوشش حدیث وقرآن میں تدبر و تعمق' مسلمانوں کے اتحاد اور اجتماعیت کی حفاظت اور اس کے لیے سرفروشانہ جدوجہد اور اصلاح امت کا قوی جذبہ و داعیہ' اختلاف رائے اور عناد و مخالفت میں فرق و امتیاز اور قبول حق کے لیے ہم وقتی آمادگی' ان کی پاکیزہ اور مثالی سیرت کے ایسے پہلو ہیں جن میں مسلمان خواتین کی رہنمائی اور کردار سازی کا پورا سامان موجود ہے۔

سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اہمیت:

مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

آج مسلمانوں کے اس دور انحطاط میں ان کے انحطاط کا بحصہ رسدی آدھا سبب عورت ہے' وہم پرستی' قبر پرستی' جاہلانہ مراسم غم و شادی کے موقعوں پر مسرفانہ مصارف اور جاہلیت کے دوسرے آثار صرف اس لیے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان بی بیوں کے قالب میں تعلیمات اسلامی کی روح مردہ ہوگئی ہے شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے مسلمان عورت کی زندگی کا کوئی مکمل نمونہ نہیں۔

آج ہم ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں جو نبوت عظمیٰ کی نوسالہ مشارکت زندگی کی بنا پر خواتین خیر القرون کے حرم میں کم و بیش ۴۰ برس تک شمع ہدایت رہی۔

ایک مسلمان عورت کے لیے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اس کی زندگی کے تمام

تغیرات' انقلابات اور مصائب' شادی' رخصتی' سسرال' شوہر' سوکن' لاولدی' بیوگی' غربت خانہ داری' رشک وحسد غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لیے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں پھر علمی' عملی' اخلاقی ہر قسم کے گوہر گرانمایہ سے یہ پاک زندگی مالا مال ہے اس لیے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لیے آئینہ خانہ ہے' جس میں صاف طور سے یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے۔

ایک خاص نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت مبارکہ نہ صرف اس لیے قابل مطالعہ ہے کہ وہ ایک حجلہ نشین حرم نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے کہ یہ دنیا کے بزرگ ترین انسان کی زندگی کا وہ نصف حصہ ہے جو "مراۃ کاملہ" (کامل عورت) کا بہترین مرقع ہے۔

نام ونسب' خاندان:

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدیقہ لقب' ام المومنین خطاب' ام عبداللہ کنیت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت سے رکھی گئی جو حضرت اسما (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی بہن کے لڑکے تھے) والد ماجد یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے قریشیہ تیمیہ اور ماں ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے کنانیہ ہیں شوال ۹ھ قبل ہجرت یا ۵ھ نبوی (جولائی ۶۱۴ء) میں ولادت ہوئی۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں۔ اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر وشرک کی آواز نہیں سنی خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا (بخاری ۲/۵۵۲ مصحح مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

بچپن:

غیر معمولی اشخاص اپنے بچپن ہی سے اپنے حرکات وسکنات اور نشوونما میں ممتاز ہوتے ہیں ان کے ایک ایک خط وخال میں کشش ہوتی ہے ان کے ناصیہ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک

کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھیں' بچپن ہی میں ان کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے تاہم بچہ بچہ ہی ہے وہ صرف کھیلتا ہے اور کھیلنا ہی اس کی عمر کا تقاضا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی لڑکپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں محلہ کی لڑکیاں ان کے پاس جمع رہتیں اور وہ اکثر ان کے ساتھ کھیلا کرتیں لیکن اسی لڑکپن اور کھیل کود میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ہر وقت ملحوظ رہتا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھیلتی ہوتیں اردگرد سہیلیوں کا ہجوم ہوتا کہ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ جاتے اور وہ جلدی سے گڑیوں کو چھپا لیتیں' سہیلیاں آپ کو دیکھ کر ادھر ادھر چھپ جاتیں لیکن چونکہ آپ بچوں سے خاص محبت رکھتے تھے اور ان کے کھیل کود کو برا نہیں سمجھتے تھے اس لیے لڑکیوں کو پھر بلا بلا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کھیلنے کو کہتے تھے (ابن ماجہ باب مدارات النساء صحیح مسلم فضل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام کھیلوں میں ان کو دو کھیل زیادہ مرغوب تھے' گڑیاں کھیلنا اور جھولا جھولنا (ابوداود کتاب الادب)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ گئے گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے آپ نے استفسار فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ گھوڑا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے؟ انھوں نے برجستہ کہا' کیوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بے ساختہ جواب پر مسکرا دیے (مشکوۃ باب عشرۃ النساء) اس واقعہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فطری حاضر جوابی' مذہبی واقفیت' ذکاوت ذہن اور سرعت فہم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انھیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں ان کی روایت کرتی تھیں' ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں۔ لڑکپن کے جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں لڑکپن کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ جاتی تو اس کو بھی یاد رکھتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ میں جب یہ آیت بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی۔ ہجرت کے وقت ان کا سن آٹھ

برس کا تھا لیکن اس کم سنی اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں ان کو یاد تھیں ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کا تمام ومسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے۔ (صحیح بخاری باب الہجرۃ)

شادی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رمضان ۱۰ نبوت میں ہجرت سے تین برس پہلے انتقال ہوا۔ ایسی رفیق وغم گسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ملول رہا کرتے تھے بلکہ اس تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہوگئی تھی (ابن سعد) جاں نثاروں کو اس کی بڑی فکر ہوئی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں ان کی بیوی خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ دوسرا نکاح کر لیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس سے؟ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں جس کو آپ پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔ فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور کنواری ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ارشاد ہوا بہتر ہے تم ان کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پا کر پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں اور ان سے تذکرہ کیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خولہ! عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھتیجی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا نکاح کیوں کر ہوسکتا ہے؟ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے (صحیح بخاری باب تزویج الصغار من الکبار) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے قبول کر لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم سن بچی تھیں۔ کبھی کبھی بچپن کے تقاضے سے ماں کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر بیٹھتیں تھیں تو ماں سزا دیتی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں

دیکھتے تو رنج ہوتا۔ اس بنا پر حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تاکید فرمادی تھی کہ میری خاطر ان کو ستانا نہیں (یا ام رومان استوصی بعائشة خیرا واحفظنی فیہا)

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کواڑ سے لگ کر رو رہی ہیں (اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی آبدیدہ ہو گئے) اور ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ تم نے میری بات کا لحاظ نہیں کیا' انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ باپ سے میری بات جا کر لگا آتی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ بھی کرے لیکن اس کو ستاؤ نہیں (مستدرک حاکم نیز نساء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از دکتورہ عائشہ بنت الشاطی ص ٦٣)

حدیثوں میں آیا ہے کہ نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا یہ آپ کی بیوی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں (صحیح بخاری مناقب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو وہ اس وقت چھ برس کی تھیں۔ اس کم سنی کی شادی کا اصل منشا نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی۔ ایک تو خود عرب کی گرم آب وہوا میں عورتوں کے غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت ہے۔ دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے اسی طرح قد و قامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے۔ بہر حال اس کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن ہی سے ان میں نشوونما کا ذکاوت' جودت ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔

ہجرت اور رخصتی:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک میکہ ہی میں رہیں دو برس تین مہینے مکہ اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ صبح یا شام کو حضرت ابو بکرؓ کے گھر بلا ناغہ آیا کرتے تھے' ایک دن

خلاف معمول چہرۂ مبارک چادر سے لپیٹے دوپہر کو تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء عنہا دونوں صاحبزادیاں بیٹھی تھیں آپ نے پکار کر آواز دی کہ ابوبکر ذرا لوگوں کو ہٹا دو میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں' عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں کوئی غیر نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے اہل خانہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء عنہا نے مل جل کر سامان سفر درست کیا دونوں صاحبوں نے مدینہ کی راہ لی اور تمام اہل وعیال کو یہیں دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ گئے۔ جس دن یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاتوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارہویں تاریک تھی۔ (مدینہ آنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار پڑ گئیں۔) اس شدت کی علالت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر کے تمام بال گر گئے صحت ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوا لیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے روپے نہیں' گذارش کی' میری دولت قبول ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی سو روپے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرض لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھجوا دیے (طبقات ابن سعد ۴۳) اس واقعہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو مہر کو دنیا کا وہ قرض سمجھتے ہیں جو ادائیگی کی منت سے بے نیاز ہے' مہر عورت کا حق ہے اور اس کو ملنا چاہیے۔

مدینہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سسرال تھی انصار کی عورتیں دلہن کو لینے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں' حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹی کو آواز دی' وہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں' آواز سنتے ہی ماں کے پاس ہانپتی دوڑی آئیں' ماں بیٹی کا ہاتھ پکڑے دروازہ تک لائی' وہاں منہ دھلا کر بال سنوار دیے پھر ان کو اس کمرے میں لے گئیں جہاں انصار کی عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ دلہن جب اندر داخل ہوئی تو مہمانوں نے علی الخیر والبرکة وعلی خیر طائر یعنی تمہارا آنا خیر وبابرکت اور فال نیک ہو کہہ کر استقبال کیا' دلہن کو سنوارا تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے۔ (صحیح بخاری ۲/۵۵۱)

تعلیم وتربیت:

نوشت وخواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے۔ حقیقی تعلیم وتربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند

ہے' انسانیت کی تکمیل' اخلاق کا تزکیہ' ضروریات دین سے واقفیت' اسرار شریعت کی آگاہی' کلام الٰہی کی معرفت' احکام نبوی کا علم بھی اعلیٰ تعلیم ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس تعلیم سے کامل طور پر بہرہ اندوز تھیں' علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ ادب اور طب میں بھی ان کو ید طولا حاصل تھا (مستدرک حاکم ذکر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

علوم دینیہ کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا معلم شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود گھر میں تھے اور شب و روز ان کی صحبت میسر تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ارشاد کی مجلسیں روزانہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں جو حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بالکل ملحق تھی' اس بنا پر آپ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو درس دیتے تھے وہ اس میں سریک رہتی تھیں اگر کبھی بعد کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زنان خانہ میں تشریف لاتے دوبارہ پوچھ کر تشفی کر لیتیں۔ (مسند احمد ۶/۱۷۵) کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں (ایضا ۶/۲۰۶) اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم و تلقین کے لیے متعین فرما دیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سینکڑوں مسائل میں اور آیات قرآنی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر مشکل بات کی وضاحت چاہتی تھیں' خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی ذہنی و عملی تربیت کا خیال رکھتے تھے اور بروقت تنبیہ اور فہمائش بھی فرماتے تھے' اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بدولت قیامت تک کے لیے امت کے سامنے سنت نبوی اور تعلیمات قرآنی کے بہت سے پہلو نکھر کر سامنے آ گئے۔
فجزاها الله عنها خیر الجزاء سید صاحب نے اس باب میں بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں' یہاں چند پیش کی جاتی ہیں جن سے اندازہ ہو گا کہ انھیں کیسی عقل رسا فہم و ذکا اور کیسی دقیقہ رس طبیعت ملی تھی۔

ایک دن یہ پوچھا تھا کہ کفار و مشرکین نے اگر عمل صالح کیا ہے تو اس کا ثواب ان کو ملے گا یا نہیں؟ عبداللہ بن جدعان مکہ کا ایک نیک مزاج اور رحمدل مشرک تھا' اسلام سے پہلے قریش کی باہمی خونریزی کے انسداد کے لیے اس نے تمام روسائے قریش کو جمع کر کے ایک صلح کی مجلس قائم کی تھی جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں لوگوں سے بہ مہربانی پیش آتا تھا'

غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا یہ عمل اس کو کچھ فائدہ دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا نہیں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ خدایا قیامت میں میری خطا معاف کرنا (مسند احمد ۶/۹۳)۔

جہاد اسلام کا ایک فرض ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال تھا کہ جس طرح دیگر فرائض میں زن و مرد کی تمیز نہیں یہ فرض عورتوں پر بھی واجب ہوگا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا' ارشاد ہوا "عورتوں کے لیے حج ہی جہاد ہے" (بخاری: حج النساء)

عام طور سے لوگ اور خصوصاً عورتیں معمولی گناہوں کی پروا نہیں کرتیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا' یا عائشة ایاك و محقرات الذنوب "(عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو) (مسند احمد ۶/۱۷۰)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی عورت کا حال بیان کر رہی تھیں اثنائے گفتگو میں بولیں کہ وہ پست قد ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ٹوکا کہ عائشہؓ یہ بھی غیبت ہے (ایضاً ۶/۲۰۶) حضرت صفیہ کسی قدر پست تھیں' ایک دن انھوں نے کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس کیجیے صفیہ تو اتنی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر کے پانی میں بھی ملاؤ تو ملا سکتی ہو یعنی یہ غیبت ایسی تلخ بات ہے کہ سمندر کے پانی میں ملا دی جائے تو کل پانی بدمزہ ہو جائے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے تو ایک شخص کی نسبت واقعہ بیان کیا' فرمایا کہ اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی یہ بیان نہ کروں (ایضاً ۶/۱۷۰)

ایک دن کسی سائل نے سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اشارہ کیا تو لونڈی ذرا سی چیز لے کر دینے چلی' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گن گن کر نہ دیا کرو ورنہ خدا تم کو بھی گن گن کر دے گا۔ (ابوداؤد: کتاب الادب)

خانہ داری:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں وہ کوئی بلند اور عالی شان عمارت نہ تھی' بنی نجار کے محلہ میں مسجد نبوی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے' انہی میں ایک حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسکن تھا' یہ حجرہ مسجد کی مشرقی جانب واقع تھا (خلاصۃ الوفا

للمهودی باب نمبر ۴ فصل ۴)۔اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رخ اس طرح واقع تھا کہ گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی دروازے سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے جب مسجد میں معتکف ہوتے تو سر مبارک حجرے کے اندر کر دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالوں میں کنگھا کر دیتیں۔(مسند احمد ۶/۲۳۱)

کبھی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے (صحیح بخاری: کتاب الحیض) حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں سے مسقف تھا اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا' دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا لیکن وہ عمر بھر کبھی بند نہ ہوا پردہ کے طور پر ایک کمبل (السمہودی باب ۴ فصل ۴) پڑا رہتا تھا' حجرہ سے متعلق ایک بالا خانہ تھا جس کو مشربہ کہتے تھے' ایلاء کے ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بالا خانہ پر ایک مہینہ بسر فرمایا تھا (ابوداؤد صلاۃ الامام قاعدا) گھر کی کل کائنات ایک چارپائی ایک چٹائی' ایک بستر' ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی' آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے' پانی کے ایک برتن اور پانی پینے کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی' مسکن مبارک گو منبع انوار تھا لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحب مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔ (صحیح بخاری التطوع خلف المراۃ)

کہتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا (مسند طیالسی ص ۲۰۷) گھر کے کاروبار کے لیے بہت زیادہ اہتمام اور انتظام کی ضرورت نہ تھی' کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی' خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن مستقل ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو (بخاری معیشۃ النبیؐ و سند ۲۵۵) فرماتی تھیں گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی (مسند احمد ۶/ ۲۱۷) چھوہارے اور پانی پر گزارہ تھا (بخاری باب کیف کان عیش النبیؐ) فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف کے لیے وظائف مقرر کر دیتے تھے ۸۰ اسی وسق (بارشتر) چھوہارا اور ۲۰ وسق (جو ابوداؤد حکم ارض خیبر) لیکن ایثار اور فیاضی کی بدولت سال بھر کے لیے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔

معاشرت ازدواجی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیوی کے لیے تم سب سے اچھا ہوں''۔ خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی

اس کی عملی تصدیق اس سے ہوگی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ازدواجی زندگی نو برس تک قائم رہی لیکن اس طویل مدت میں واقعہ ایلا کے سوا کوئی واقعہ باہمی غیر معمولی کشیدگی کا پیش نہیں آیا' ہمیشہ لطف ومحبت اور باہمی ہمدردی وخلوص کی معاشرت قائم رہی خصوصاً جب یہ تصور کیا جائے کہ خاندان نبوت کی دنیاوی زندگی کس عسرت اور فقر وفاقہ سے گزرتی تھی تو اس لطف ومحبت کی قدر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہ کو معلوم تھا چنانچہ لوگ قصداً اسی روز ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی تھی (بخاری ۱/۵۳۲)۔اور ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا تھا لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آمادہ کیا' وہ پیام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' لخت جگر! جس کو میں چاہوں تم نہیں چاہو گی؟ سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اتنا ہی کافی تھا وہ واپس چلی آئیں' ازواج نے پھر بھیجنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں (ایضاً باب الھدایا) آخر لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بیچ میں ڈالا وہ نہایت سنجیدہ اور متین بیوی تھیں۔انھوں نے موقع پاکر متانت وسنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ام سلمہ مجھ کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ میں دق نہ کرو کیونکہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی (یاام سلمۃ لا توذینی فی عائشۃ فانہ واللّٰہ ما نزل علی الوحی فی لحاف امراۃ منکن غیرھا) (احمد ترمذی بخاری ونسائی بحوالہ السمط الثمین ص ۴۸ حلب مکتبہ: الراث الاسلامی)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب غزوۂ سلاسل سے واپس آئے تو دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں ارشاد ہوا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کی نسبت سوال ہے فرمایا

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کو (صحیح بخاری ۱/ ۵۱۷) ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سمجھایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ریس نہ کیا کرو وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہیں۔ (بخاری حب الرجل بعض نساہ)

عالم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت حسن و جمال کی بنا پر تھی، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے ازواج میں وہی زیادہ منظور نظر ہوتیں جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ بن آ سکتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فہم مسائل اجتہاد فکر اور اجتہاد احکام میں تمام ازواج سے ممتاز تھیں اس بنا پر شوہر کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

شوہر سے محبت:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ صرف شدید محبت تھی بلکہ شغف اور عشق تھا، اس محبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا کبھی راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیدا ہوتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں۔ ایک دفعہ شب کو آنکھ کھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پایا راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے ادھر ادھر ٹٹولنے لگیں آخر ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم مبارک ملا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سربسجود مناجات الٰہی میں مصروف ہیں۔ (موطا مالک: باب ماجانی الدعا)

ایک دفعہ اور یہی واقعہ پیش آیا تو شک سے خیال کیا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں دیکھا تو آپ تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں، اپنے تصور پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا "میرے ماں باپ قربان میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس عالم میں ہیں۔" (نسائی: باب الغیرہ)

آپ اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زانو پر سر رکھ کے سو جاتے، آپ ایک دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے کہ ایک خاص سبب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں اندر تشریف لائے اور بیٹی کے پہلو میں کونچا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں صرف اس خیال سے نہیں ہلی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب راحت میں خلل ہوگا۔ (بخاری: باب یتیم)

بیوی کی مدارات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی انسانی معاشرت کے لیے نمونہ تھی' اس بنا پر صرف اس تعلیم کے لیے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے تھے' چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کھیل کود پر بھی مسرت ظاہر فرماتے تھے۔ ایک دفعہ عید کا دن تھا حبشی عید کی خوشی میں نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ تماشہ دیکھنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے اور وہ پیچھے کھڑی ہو گئیں اور جب تک وہ خود تھک کر نہ ہٹ گئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر اوٹ کیے کھڑے رہے۔ (بخاری: حسن معاشرہ)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے انھوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً آڑے آ گئے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے گئے تو فرمایا کہو میں نے تم کو کیسا بچایا؟ (ابوداؤد کتاب الادب)

دل بہلانے کے لیے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی قصہ سناتے اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنتے' چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گیارہ بیویوں کی زبان سے ان کے قصے سنائے جن کے اخیر میں ام زرع اپنے شوہر کی سب سے بڑھ کر تعریف کرتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحمل کے ساتھ' دیر تک یہ کہانی سنتے رہے پھر فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں جیسا ابوزرع ام زرع کے لیے لیکن عین اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے' دفعتہً اذان کی آواز آتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوتے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو پہچانتے ہی نہیں۔ (احیاء العلوم لغزالی باب اشتراط الخشوع بخاری باب کیف یکون الرجل فی اہلہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایک دستر خوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے' کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ہڈی چوستے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چوستی تھیں' پیالہ میں وہیں پر منہ رکھ کر پیتے تھے جہاں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منہ لگاتی تھیں۔ (مسند احمد ۶/۶۴)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہ سواری اور تیر اندازی کا بہت شوق تھا صحابہ کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور خود اپنے سامنے لوگوں سے اس کی مشق کراتے تھے' ایک غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رفیق سفر تھیں' تمام صحابہ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا آؤ دوڑیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے' یہ دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں کئی سال کے بعد اسی قسم کا پھر ایک اور موقع آیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اب میں بھاری بھر کم ہوگئی تھی اب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے نکل گئے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ اس دن کا جواب ہے۔
(ابوداؤد: باب السبق)

غایت تعلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اکثر معاملات میں دل داری اور ناز برداری فرماتے تھے' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف شروع کی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا تو میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کا جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کے مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا اتنی دیر سے اتنی تعریف فرما رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہتر بیویاں خدا نے دی ہیں' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا پھر فرمایا۔ یہ میری وہ بیوی تھیں کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائیں اور جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو انہوں نے میری تصدیق کی اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اس نے اپنی دولت سے میری غم خواری کی اور اس سے اللہ نے مجھے اولاد عطا کی جب کہ دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم کیا۔ (مسند احمد ۶/۱۱۸)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتہ لگ جاتا ہے' ناراض ہوتی ہو تو ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی قسم اور خوش رہتی ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کی قسم کھاتی ہو' عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں۔ (صحیح بخاری باب مایجوز من الہجران)

اطاعت اور احکام کی پیروی:

بیوی کا سب سے بڑا جوہر شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک مصور پردہ لٹکایا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی فوراً تیوری پر بل پڑ گئے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ دیکھ کر سہم گئیں' عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قصور معاف مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے داخل نہیں ہوتے یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً پردہ چاک کر ڈالا اور اس کو اور مصرف میں لے آئیں۔ (بخاری کتاب اللباس)

او پر گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فیاضی کی تعلیم دی تھی اس کا یہ اثر تھا کہ وہ مرتے دم تک اس فرض سے غافل نہ رہیں انھوں نے جہاد کی اجازت چاہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے' اس حکم کے سننے کے بعد وہ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ ان کا کوئی سال کم تر حج سے خالی جاتا تھا۔ (بخاری: حج النساء)

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں کچھ کپڑا اور کچھ نقد روپیہ بھیجا' پہلے واپس کر دیا پھر لوٹا کر قبول کر لیا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بات یاد آ گئی ہے۔ (مسند احمد: ۶/ ۲۵۹)

ایک دفعہ عرفہ کے دن روزہ سے تھیں گرمی اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیے جا رہے تھے کسی نے مشورہ دیا کہ روزہ توڑ دیجئے۔ فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو میں روزہ توڑ سکتی ہوں۔؟ (ایضاً ۶/ ۱۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھ کر وہ بھی برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور منع کریں تو میں نہ مانوں۔ (ایضاً ۶/ ۱۲۸)

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ:

عورت کے لیے دنیا کی سب سے تلخ چیز ایک سوکن کا وجود ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سے لے کر آٹھ آٹھ سوکنوں تک ایک ساتھ رہی ہیں تاہم شرف صحبت کے پرتو سے یہ آئینے ہر قسم کے زنگ وغبار سے پاک تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی اسباب سے مختلف اوقات میں دس نکاح کیے ان میں سے ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن سے ۳ھ میں نکاح ہوا تھا صرف دو تین مہینے زندہ رہیں باقی نو بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک زندہ تھیں۔

حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دو چار برس کے بعد جب بوڑھی ہوگئیں تو ان کو خیال ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو طلاق دے دیں اور وہ شرف صحبت سے محروم ہو جائیں اس بنا پر انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی اور انھوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ (صحیحین کتاب النساء) حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ بے حد معترف تھیں فرماتی تھیں کہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی گو ان کے مزاج میں تھوڑی تیزی ضرور تھی۔ (صحیح مسلم: کتاب النکاح)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳ھ میں ازواج میں داخل ہوئیں اسی بنا پر تقریباً ۸ برس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رہیں ان دونوں میں ایک صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پارہ جگر تھی اور دوسری فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرۃ العین' دونوں میں نہایت لطف ومحبت تھی تمام امور خانگی میں دونوں کی ایک رائے ہوتی اور برابر کی شریک رہتی تھیں' دیگر ازواج کے مقابلہ میں یہ دونوں ایک دوسرے کی حامی تھیں۔ (بخاری باب الهدایا ابن سعد ترجمہ جویریہؓ)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بھی کوئی اختلاف مذکور نہیں البتہ وہ ان کے حسن وجمال کو دیکھ کر گھبرا اٹھی تھیں کہ ان کے مقابلہ میں ان کا رتبہ کم نہ ہو جائے لیکن آخر ان کا خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کی قدر ومنزلت کے اسباب ہی کچھ اور تھے اس کا تعلق ظاہری حسن سے کچھ نہ تھا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان چشمک کے ایک دو واقعات کے سوا اور کچھ مذکور نہیں' بلکہ دونوں نے بعض نازک مواقع پر ایک دوسرے کی مدد کی اور صفائی دی یہی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حلقہ ازواج میں داخل ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک باد دی (بخاری تفسیر لا ید خلوا بیوت النبی) ادھر کا حال سنیے مدینہ کے بعض منافقوں نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام لگایا ہے تو بہن کی محبت میں حمنہ بنت جحش بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئیں لیکن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قدم حق وصداقت کے راستے سے ذرا بھی نہیں ہٹا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت دریافت فرمایا تو انھوں نے صاف کہا:۔

ما علمت فیھاا لا خیرا (خوبی کے سوا ان میں اور کچھ میں نے نہیں جانا) اگر وہ چاہتیں تو ایک ہی فقرہ میں اپنے حریف کو شکست دے سکتی تھیں لیکن شرف صحبت نے ان کمزوریوں سے ان کو بالا تر کر دیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے اس احسان اور خوبی کی یاد ہمیشہ شکر گزاری کے ساتھ رکھتی تھیں۔ (بخاری واقعہ افک) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اس کے بعد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش آئیں تمام بیویوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قدر و منزلت میں انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ دین دار' زیادہ پرہیز گار' زیادہ راست گفتار' زیادہ فیاض' سخی' مخیر اور اللہ تعالیٰ کی تقرب جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم باب فضل عائشہ)۔

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چار سوتیلی بیٹیاں تھیں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا اور سب اپنی اپنی سسرال جا چکی تھیں اس کے علاوہ ان میں سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ۲ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی کے ایک ہی سال بعد انتقال ہو گیا البتہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ

ترتیب ۸ھ اور ۹ھ میں وفات پائی اور ۷ برس ان کے سامنے زندہ رہیں تاہم کوئی باہمی آزردگی کا واقعہ مذکور نہیں۔

وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف میں کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی اور بہترین انسان کبھی نہیں دیکھا۔ (زرقانی بحوالہ معجم اوسط طبرانی) ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔؟ بولیں فاطمہ! کہتی ہیں میں نے فاطمہ سے زیادہ نشست و برخاست کا طور طریقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا جب آپ کی خدمت میں وہ آتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سروقد کھڑے ہو جاتے پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں ہاتھ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں (ترمذی باب الثاقب) وہ خاص حدیث جس حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اہل بیت اور آل عبا میں ہونے کا ذکر ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے ذریعہ سے مروی ہے۔ (مسلم: باب الفضائل)

واقعہ افک:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی محبوب ترین زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدیقہ پر الزام دہی کے اس المیہ کے ذریعے منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا جو (اوچھا) حربہ استعمال کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے انہی کو رسوا کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برات کا ایسا اعلان کیا جو قیامت تک دہرایا جاتا رہے گا اور ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و رفعت کا طرہ امتیاز بنا رہے گا اس کے ساتھ ہی اس میں اسلام کے معاشرتی نظام کے لیے اصول و اساس بھی بنا رہے گا۔

منافقین کی کوششوں کی سب سے ذلیل مثال افک یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس منافق گروہ کے سب سے بڑے دشمن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس بنا پر حرم نبوت اور بارگاہ خلافت کی شہزادیوں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بدنام کرنے میں ان کی ناکام کوششوں کا بڑا حصہ صرف ہوا۔

نجد کے قریب مریسیع نامی بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا شعبان ۵ھ میں مسلمان اسی چشمہ کے پاس ان سے معرکہ آراء ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سفر میں جاتے تو ازواج مطہرات میں سے جن کے نام پر قرعہ پڑتا وہ معیت کے شرف سے ممتاز ہوتیں اس طریقہ سے اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمرکابی میں تھیں چلتے وقت اپنی بہن اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک ہار عاریتہً پہننے کو مانگ لیا تھا وہ ان کے گلے میں تھا ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۱۴ برس کی تھی یہ عورت کا وہ زمانہ ہے جس میں اس کے نزدیک معمولی سازیور بھی گراں قیمت سامان ہے جس کے شوق میں ہر زحمت گوارا کر لی جا سکتی ہے۔

سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے محمل پر سوار ہوتیں ساربان محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے اس وقت کم سنی اور اچھی غذا نہ ملنے کے باعث اس قدر دبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار بھی ہے یا نہیں؟ ایک جگہ رات کو قافلہ نے پڑاؤ کیا پچھلے پہر پھر وہ روانگی کو تیار تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قضائے حاجت کے لیے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا' دیکھا تو ہار نہ تھا' ایک تو کم سنی اور پھر مانگے کی چیز' گھبرا کر وہیں ڈھونڈھنے لگیں' سفر کی ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کو یقین تھا کہ قافلہ کی روانگی سے پہلے ہی ہار ڈھونڈ کر واپس آ جاؤں گی' اس بنا پر نہ کسی کو واقعہ کی اطلاع دی نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں۔ ساربان حسب دستور محمل کو اونٹ پر رکھ کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے تھوڑی دیر کی تلاش میں ہار مل گیا۔ ادھر قافلہ چل چکا تھا پڑاؤ پر آئیں تو سناٹا تھا۔

مجبوراً چادر اوڑھ کر وہیں پڑ رہیں کہ جب لوگ محمل میں نہ پائیں گے تو خود لینے آئیں گے صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی تھے جو ساقہ (ایرگارڈ) یعنی چھوٹے چھاٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لیے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے' صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے سوار نظر آیا' حکم حجاب سے پہلے جو اسی سال نازل ہو چکا تھا انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا تھا' دیکھتے ہی پہچان لیا' پاس آ کر اِنَّا لِلّٰہ پڑھا آواز سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوتے سے چونک پڑیں صفوان نے اونٹ بٹھایا اور ان کو سوار کر کے اگلی منزل کا راستہ لیا' قافلہ نے دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ہی تھا کہ محمل سامنے سے نظر آیا' صفوان کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محمل میں سوار تھیں یہ نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے۔

ہندوؤں میں سیتا پر اور بنی اسرائیل میں حضرت مریم علیہ السلام پر جو کچھ گزری اسلام میں اسی کا اعادہ ہوا' عبداللہ بن ابی نے کہ جس کا زخم ابھی تازہ تھا یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اب وہ پاک دامن نہ رہیں جا بجا اس خبر کو پھیلانا شروع کیا' نیک دل مسلمانوں نے اس افواہ کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا کہ سُبۡحَانَ اللّٰهِ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ.

اب تک ناصرہ اسلام کی مریم ان واقعات سے بے خبر تھیں اتفاقاً وہ ایک شب مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کو آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ مسطح کی ماں کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی انھوں نے اپنے بیٹے کو بد دعا دی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ٹوکا کہ ہائیں تم ایک صحابی کو گالی دیتی ہو؟ مسطح کی ماں نے واقعہ بیان کیا' سننے کے ساتھ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہتی ہیں کہ بدحواسی میں اپنی ضرورت بھول گئیں اور یوں ہی لوٹ آئیں تاہم ان کو اتنی بڑی بات کا یقین نہیں آیا' سیدھی میکہ آئیں' ماں سے پوچھا تو انھوں نے تسکین دی۔ اتنے میں ایک انصاریہ آ گئی اس نے پوری داستان دہرائی اب شک کا کیا موقع تھا سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ والدین نے سنبھالا اور سمجھا بجھا کر رخصت کیا یہاں پہنچ کر شدت کا بخار اور لرزہ آیا اور اس حالت میں انسان کو طرح طرح کا خیال آتا ہے اور ذرا ذرا سی بات سے بدگمان ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر سے تشریف لائے اور کھڑے کھڑے پوچھ لیتے کہ اب ان کا کیا حال ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خیال ہوا کہ بیماری میں اگلا سا التفات میرے حال پر نہیں' اس بنا پر اجازت لے کر وہ پھر میکہ چلی آئیں دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے' کہتی ہیں نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ آنکھوں میں نیند کا سرمہ لگتا تھا' باپ لطف و محبت سے سمجھاتے تھے کہ روتے روتے تمہارا کلیجہ نہ پھٹ جائے ماں دلاسا دیتی تھیں کہ جو بیوی اپنے شوہر کو چہیتی ہوتی ہے اس کو اس قسم کے صدمے اٹھانے ہی پڑتے ہیں' ایک بار غیرت سے ارادہ کیا کہ کنویں میں گر کر جان دے دیں۔ صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجو گوئی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے قسم کھائی خدا کی قسم اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ سے ہاتھ میں تلوار لے کر حضرت حسان کی تلاش میں نکلے اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا۔

تلق ذباب السیف منی فاننی   غلام اذا ھو جیت لست بشاعر

(مجھ سے تلوار کی یہ دھار لو میں نوجوان ہوں جب میری ہجو ہو میں شاعر نہیں)

وہ پکڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر کیے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضے میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جائداد عنایت فرمائی۔ گو

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے گناہی مسلم تھی تاہم شریروں کے منہ بند کرنے کے لیے تحقیق ضروری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ طلب کیا حضرت اسامہ نے تسکین دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برات کی' حضرت علی نے کہا دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں (یعنی اگر لوگوں کے کہنے کی پرواہ ہو تو طلاق دے دیجئے) اور خادمہ سے پوچھ لیجئے وہ سچ سچ بتا دے گی۔ ان سے کنایۃً پوچھا گیا تو واقعہ اتنا مستبعد تھا کہ سمجھ بھی نہ سکی' وہ عام خانہ داری کے متعلق ان کی حالت کا استفسار سمجھی' بولی اور تو کوئی برائی نہیں ہاں بچپن ہے سوتی ہیں تو بکری آٹا کھا جاتی ہے' آخر صاف لفظوں میں اس سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا ''سبحان اللہ خدا کی قسم جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ تھا اور ان کی بہن حمنہ اس سازش میں شریک بھی تھیں اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے بھی دریافت کی انھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بھلائی کے سوا اور میں کچھ نہیں جانتی اس کے بعد آپ نے مسجد میں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر تقریر میں حرم نبوت کی پاکی وطہارت اور عبداللہ بن ابی کی خباثت کا ذکر کیا۔

یہاں سے اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے وہ بستر علالت پر پڑی تھیں' آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں والدین داہنے بائیں تیمار داری میں مصروف تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خطاب کر کے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو خدا قبول کرے گا ورنہ خدا تمہاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا' والدین کو اشارہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیں لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا' یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعتہً خشک ہو گئے ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا دل نے اپنی برات کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں اگر میں اقرار کرلوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا اگر انکار کردوں تو لوگ کب باور کریں گے۔ میرا حال اس وقت یوسف علیہ السلام کے باپ کا سا ہے' جنھوں نے کہا تھا ''فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ''

اب وہ وقت تھا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہو' بالآخر وہ گویا ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی' پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا' پیشانی پر اطہر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ (سورہ نور) ماں نے کہا لو بیٹی اٹھو اور شوہر کے قدم لو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نسوانی غرور وناز کے ساتھ جواب دیا میں صرف اپنے خدا کی شکر گزار ہوں کسی اور کی ممنون نہیں۔

اس کے بعد قانون ازالہ حیثیت کے مطابق تین مجرموں کو ۸۰'۸۰ اسی کوڑوں کی سزا دی گئی۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جرم کے کفارہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منقبت مین چند شعر کہے جو ابن اسحاق کی روایت سے اس کی سیرت میں منقول ہیں بخاری میں اس قدر ہے کہ حضرت حسان نے اپنے چند شعر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنائے جن میں سے ایک یہ تھا۔

حصان رزان ماتزن بریبة وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

(پاک دامن ہے باوقار ہے مشتبہ نہیں ہے بھولی بھالی عورت کے بدن کا گوشت نہیں کھاتی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ شعر سن کر کہا "یہ سچ ہے مگر تم ایسے نہیں ہو" یہ اشارہ ان کے واقعہ تہمت میں شرکت کی طرف تھا۔

تیمم کے حکم کا نزول:

ایک اور سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں' وہی ہار گلے میں تھا قافلہ واپس ہو کر مقام ذات الجیش میں پہنچا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا' گزشتہ واقعہ سے ان کو تنبیہ ہو گئی تھی فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا صبح قریب تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑاؤ ڈال دیا اور ایک آدمی اس کے ڈھونڈنے کو دوڑایا' اتفاق یہ کہ جہاں فوج نے منزل کی تھی وہاں پر پانی مطلق نہ تھا' نماز کا وقت آ گیا لوگ گھبرائے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ کر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے وہ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں بیٹی کو کہا کہ ہر روز تم نئی مصیبت سب کے سر لاتی ہو' اور غصہ سے ان کے پہلو میں کئی کونچے دیئے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تکلیف کے خیال سے ہل بھی نہ سکیں۔

اسی موقع پر آیت تیمم نازل ہوئی ابھی ابھی مجاہدین کا پرجوش گروہ جو اس مصیبت میں تلملا رہا تھا اس ابر رحمت کو دیکھ کر مسرت سے لبریز ہوگیا' اسلام کے فرزند اپنی ماں کو دعائیں دینے لگے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بڑے پائے کے صحابی تھے جوش مسرت میں بول اٹھے اے صدیق کے گھر والو! اسلام میں یہ تمہاری پہلی برکت نہیں' صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی اپنی لخت جگر کی تادیب کے لیے بے قرار تھے فخر کے ساتھ صاحبزادی کو خطاب کر کے فرمایا۔ جان پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے کہ تیرے ذریعہ سے خدا نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی ۔(مسند احمد ۶/۲۷۳) اس کے بعد قافلہ کی روانگی کے لیے جب اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں اسی کے نیچے ہار پڑا ملا۔(بخاری کتاب تیمم)

تحریم' ایلاء اور تخییر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر بعد ازواج مطہرات سے تھوڑی دیر ملتے تھے' کچھ دنوں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں شہد تناول فرمانے کے سبب کچھ دیر تک تشریف فرما رہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر ازواج نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شہد کی بو کا ذکر کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نظافت طبع کے باعث شہد نہ کھانے کا عہد کر لیا' اس پر تنبیہ کے طور پر سورہ تحریم کی آیات نازل ہوئیں کہ آپ ازواج کی مرضی کے مطابق ایک حلال شے کو حرام کیوں قرار دے رہے ہیں؟ دوسری طرف ازواج مطہرات کو بھی فہمائش کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں ان کا کوئی مظاہرہ جائز نہیں' چنانچہ فرمایا گیا۔

"اگر تم دونوں خدا کی بارگاہ میں رجوع کرو (تو تمہارے لیے کوئی ایسی مشکل بات نہیں) کیونکہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم دونوں نے اس پر ایکا کر لیا تو بھی (اے منافقین یہ کوئی ایسی بات نہیں) خدا پیغمبر کا آقا ہے اور جبرئیل مومنین صالحین اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔(آیت کا یہ ترجمہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق کے بعد لکھا ہے"۔)

ان تتوبا الیہ فقد صغت قلوبکما وان تظھرا علیہ فان اللہ ھو مولہ و جبریل وصالح المومنین والملکۃ بعد ذلک ظھیر.

ایلاء:

تحریم وایلاء کے واقعات ۹ھ میں پیش آئے۔ فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات کے نفقہ میں اضافہ ہوا مگر وہ ان کی ضروریات اور فیاضی کے سبب ناکافی تھا اس لیے ازواج نے مزید اضافہ کا مطالبہ کیا جو آپ کو ناگوار ہوا۔ اس درمیان حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنبیہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مطالبے سے دستبردار ہوگئیں مگر دوسری ازواج اس پر قائم رہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک ان سے علیحدگی کا عہد کیا اور حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متصل ایک بالا خانہ پر مقیم ہوگئے۔ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے اس خبر سے صحابہؓ میں اضطراب پیدا ہوگیا اور ازواج مطہرات غمزدہ ہوگئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب خبر ہوئی تو وہ مسجد نبوی میں آئے تمام صحابہ ملول اور چپ تھے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی' دوبارہ کوئی جواب نہ ملا تیسری دفعہ اجازت ہوئی دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توشہ خانے میں چند مٹی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ ارشاد ہوا نہیں عرض کی کیا میں یہ بشارت عام مسلمانوں کو نہ سنادوں' اجازت پا کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں ایک ایک روز گنتی تھی ۲۹ دن ہوئے تو آپ بالا خانہ سے اتر آئے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا ابھی تو ۲۹ ہی دن ہوئے ہیں ارشاد ہوا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

اسی سلسلے میں آیت تخییر نازل ہوئی (احزاب) جس میں ازواج کو فقر وفاقہ کے ساتھ شرف صحبت یا متاع دنیا کے ساتھ رخصتی کا اختیار دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رائے لی اور انھوں نے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اختیار کیا اور دوسری ازواج نے بھی ان کی پیروی کی۔

بیوگی کا دور:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سفر آخرت اختیار کیا (آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات اور آخری علالت کی تفصیلات کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی راوی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آخری مبارک احوال امت تک انہی کے واسطے سے پہنچے ہیں۔) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد انہی کے حجرہ کو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرے میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں انھوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور یہ ان میں سب سے بہتر ہے (موطا امام مالک، ماجا فی دفن المیت) بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دو پچھلے چاند صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اب بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انھوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کیے جب تک زندہ رہیں اسی مزار اقدس کی مجاور رہیں اور قبر نبوی کے پاس ہی سوتی تھیں، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس دن سے وہاں سونا چھوڑ دیا (ابن سعد ۲/۸۵) تیرہ برس تک یعنی جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں مدفون نہیں ہوئے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے حجاب وہاں آتی جاتی تھیں کہ ایک شوہر تھا دوسرا باپ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے بعد فرماتی تھیں کہ اب وہاں بے پردہ جاتے حیاء آتا ہے۔

عہد صدیقی:

اب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پدر بزرگوار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن تھے، ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر بنا کر حضرت

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجیں اور وراثت کا مطالبہ کریں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یاد دلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا کہ میرا کوئی وارث نہ ہوگا میرے تمام متروکات صدقہ ہوں گے یہ سن کر سب خاموش ہوگئیں (بخاری کتاب الفرائض) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس فیاضی کی جو ترکہ کے باب میں انھوں نے کی ہے اس کی اس وقت اور قدر بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہو کہ جس دن وہ بیوہ ہوئیں اسی کی شام کو گھر میں برکت تھی۔ (ترمذی: کتاب الادب)

عہد فاروقی:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد مبارک نظم ونسق کے لحاظ سے ممتاز تھا انھوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظیفہ مقرر کر دیے تھے قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں دو روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ تمام ازواج مطہرات کو برابر بارہ ہزار سالانہ دیا جاتا تھا دوسری روایت جس کو حاکم نے صحت میں بخاری و مسلم کی ہمرتبہ قرار دیا ہے یہ ہے کہ دیگر ازواج کے لیے دس دس ہزار اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بارہ ہزار سالانہ وظیفہ تھا۔ (مستدرک ذکر عائشہ) اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا تھا کہ ان کو میں دو ہزار اس لیے زیادہ دیتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب تھیں۔ ازواج مطہرات کی تعداد کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۹ پیالے تیار کرائے تھے جب کوئی چیز آتی ایک ایک پیالہ میں کر کے ایک ایک کی خدمت میں بھیجتے (موطا' جزیہ اہل کتاب) تحفوں کی تقسیم میں یہاں تک خیال رکھتے کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو بقول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سری اور پایہ تک ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔ (موطا: باب الزہد)

(حضرت عمر نے اپنے لیے مزاروں کے پہلو میں جگہ کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمائش کی جسے انھوں نے ایثار کرتے ہوئے منظور کر لیا اور یہ تیسرا چاند بھی حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں مدفون ہوا۔)

عہد عثمانی:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے آخری چھ سال باغیوں کی فتنہ پردازی کی نذر ہوگئے اس فتنہ کبریٰ کو فرو کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باغیوں اور اپنے بھائی محمد

بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فہمائش کی مگر بالآخر اس فتنے میں حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید ہو گئے اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بعد میں مسلمانوں پر جو مصیبتیں آئیں وہ اسی خون ناحق کا نتیجہ تھیں۔

حضرت علی مرتضیٰ کا عہد اور جنگ جمل:

ان نازک حالات میں سارے مسلمانوں میں ایک ہیجان اور تلاطم برپا تھا' صحابہ اکرام کی ایک مختصری جماعت جو یہ دیکھ رہی تھی کہ جس باغ کو اس نے اپنے رگوں کے خون سے سینچا تھا وہ پائمال ہوتا ہے' اصلاح کا علم بلند کیا اس جماعت کے ارکان عظام حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ اکرام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیاست گاہ عالم میں آئیں تو وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمان عورت کے حقوق کا دائرہ اتنا تنگ نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام کے حادثہ کا حال معلوم کر کے کیا کچھ صدمہ نہ ہوا ہوگا اور مسلمانوں کو اس ابتری کی حالت میں دیکھ کر ان کو کیسا دکھ ہوا ہوگا اور خصوصاً جب ان کو نظر آیا ہوگا کہ اس گتھی کو سلجھانے والا کوئی دوسرا نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات فرائض امامت کے منافی ہیں اور خود اسلام نے امام کے لیے جو ضروری شرائط قرار دیے ہیں ان سے یہ جنس لطیف کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی اس لیے وہ امامت جمہور و خلافت الٰہی کے فرائض سے سکبدوش ہے لیکن اس سے یہ غلط استناد نہیں کرنا چاہیے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی پبلک کی سیاسی اور قومی رہبری جائز نہیں' خصوصاً ایسی حالت میں جب ساری ملت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہو اور اس حال میں مسلمانوں میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانے والا نہ ہو۔

(مستند اور معتبر روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سے جنگ و امن کسی حالت میں تقویٰ و دیانت کا دامن چھوٹنے نہ پایا' ان کو نہ قیادت کا دعویٰ تھا نہ وہ جنگ چاہتی تھیں بلکہ لوگوں کے اصرار اور حالات کے ناگزیر تقاضے کے تحت انہیں میدان میں آنا پڑا' ان کا مقصد قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخذہ منافقین کی سرکوبی اور رمت کا اتحاد تھا اور انہوں نے اس مقصد جلیل کے لیے اپنی موقر شخصیت کو خطرے میں ڈال کر اصلاح احوال کی پوری امکانی کوشش کی' ان کا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف نیک نیتی پر مبنی تھا۔ چنانچہ وہ اجماع اہلسنت کے مطابق اجتہادی غلطی پر ہوتے ہوئے بھی ثواب کی مستحق ہیں۔)

بہر حال یہ حج کا موسم تھا اعلان کے ساتھ صرف حرمین کے چھ سو آدمیوں نے لبیک کہا' ابن عامر اور ابن مبنہ عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درہم اور سواری کے اونٹ مہیا کیے' فوج کی روانگی کی سمت متعین کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قیام گاہ پر مشورہ کا جلسہ ہوا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے تھی کہ چونکہ سبائی اور عام باغی مدینہ ہی میں ہیں اس لیے ادھر ہی رخ کیا جائے غالباً اگر ایسا ہوتا تو عجب نہیں کہ واقعہ کی صورت دوسری ہوتی۔ لیکن ایک مختصر مباحثہ کے بعد بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں امہات المومنین اور عام مسلمانوں نے دور تک مشایعت کی۔ لوگ ساتھ چلتے جاتے اور روتے جاتے تھے کہ آہ اسلام پر کیا دردناک وقت آیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے اور مادر اسلام اپنے بچوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکلی ہیں' غرض منزل کے ختم پر تین ہزار کی جمعیت ہو گئی (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر جو تقریریں کیں وہ خطابت' جذبہ' اصلاح اور جوش ایمانی کا شہکار ہیں اور بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں سبائیوں اور فتنہ پردازوں سے معمولی جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان صلح ہونے والی تھی مگر سبائیوں اور مفسدوں نے شبخوں مارا اور دفعتہً ان چند شراروں نے ہر جگہ آگ لگا دی (طبری ۶/۳۱۸۲) میدان جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی اور وہ اسے سنتے ہی واپس ہو گئے مگر ابن جرمند سبائی نے سجدے کی حالت میں ان کا سر تن سے جدا کر دیا' حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروان کے ایک تیر سے زخمی ہو کر شہید ہوئے۔)

سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہاتھ آ گئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے' چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اہل کوفہ صرف ان پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے (طبری ۶/۳۱۹۳) ان کے طرف داروں نے ہر طرف سے سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا مصری قبائل اور ان میں بھی بنو عدی اور بنو ضبہ کے آدمی جوش سے بھرے ہوئے تھے' ادھر سے دشمنوں کا ریلہ تھا' ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے داہنے بکر بن

دائں' بائیں اور' سامنے بنو ناجیہ' مادر اسلام کی عزت و احترام کے لیے اپنی اپنی جانیں فرزندانہ خدمت کے ساتھ نثار کر رہے تھے' اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا' آہنی ہو کر تیروں کی پیہم بارش سے چھلنی ہو رہا تھا' پر جوش بیٹے آگے پیچھے دائیں بائیں اس ریلے کو پیچھے ہٹا رہے تھے' زبان پر اس طرح کے رجز کے فخریہ اشعار تھے۔

یا امنا یا خیر ام تعلم اما ترین کم شجاع یکلم

جوش کا یہ عالم تھا کہ بنو ضبہ کا ایک ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا وہ کام آتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کو آگے بڑھتا' وہ مارا جاتا تو تیسرا دوڑ کر نکیل تھام لیتا اس طرح ستر آدمیوں نے اپنی جانیں دیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پاس کھڑے تھے۔ جس نے دشمنوں میں سے اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ اڑا دیا' کہتے ہیں کہ فضا میں ہاتھ گلیوں کی طرح اڑ رہے تھے...... بنو ضبہ کے کچھ لوگ ادھر سے بھی شریک تھے' یہ دیکھ کر کہ اونٹ اگر ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا تو ہمارا قبیلہ اسی طرح کٹ کٹ کر مر جائے گا' ایک ضبی پیچھے سے آیا اور اونٹ کے پچھلے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھم سے گر پڑا' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوڑ کر ہودج کو سنبھالا' محمد بن بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر ہاتھ لے جا کر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے؟ محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تمہارے بھائی محمد کا بہن! کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟ فرمایا تم محمد نہیں مذمم ہو' اتنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے انہوں نے خیریت دریافت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا' اچھی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ان کے طرف دار بصری رئیس کے گھر اتارا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک گوشے میں آ کر پناہ لی' اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ ملنے کو آئے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر میں تمام زخمی پناہ گزین ہیں' مگر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ اس کے بعد بحرمت تمام محمد بن ابی بکر کی نگرانی میں چالیس معزز عورتوں کے جھرمٹ میں ان کو حجاز کی طرف رخصت کیا عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور تک مشایعت کی۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ میلوں تک ساتھ گئے' چلتے وقت تمام مجمع کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اقرار کیا کہ مجھ کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی۔ نہ اب

ہے ہاں ساس وداماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے اس کی نفی نہیں کرتی' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی قسم کے الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد یہ مختصر قافلہ حجاز کی طرف روانہ ہوا۔

حج کے چند مہینے باقی تھے اتنے عرصے تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکہ معظمہ میں بسر کیا پھر وہ بدستور روضہ نبوی کی مجاور تھیں اور اپنی اس اجتہادی غلطی پر کہ اصلاح کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا وہ کہاں تک مناسب تھا ان کو عمر بھر افسوس رہا۔ (طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۵۱)

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ مجھے روضہ نبوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا بقیع میں ازواج کے ساتھ دفن کرنا (بخاری کتاب الجنائز) میں نے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک جرم کیا ہے (مستدرک جز عائشہ) ابن سعد میں ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتی تھیں۔

اے پیغمبر کی بیویو اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (احزاب: ۴)

تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا۔ (ابن سعد جز نساء ص ۵۶)

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کا اخیر زمانہ ہے اس وقت ان کی عمر ۶۷ سرسٹھ برس کی تھی ۵۸ھ میں رمضان کے زمانہ میں بیمار پڑیں' چند روز تک علیل رہیں' کوئی خیریت پوچھتا' فرماتیں اچھی ہوں جو لوگ عیادت کو آتے' بشارت دیتے۔ فرماتیں اے کاش میں پتھر ہوتی اے کاش میں کسی جنگل کی جڑ ہوتی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اجازت چاہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تامل ہوا کہ وہ آ کر تعریف نہ کرنے لگیں بھانجوں نے سفارش کی تو اجازت دی' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا'' آپ کا نام ازل سے ام المومنین تھا آپ آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں رفقاء سے ملنے میں اب آپ کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ روح بدن سے پرواز کر جائے۔ خدا نے آپ کے ذریعہ تیمم کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جو اب ہر محراب ومسجد میں شب وروز پڑھی جاتی ہیں'' فرمایا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مجھے اپنی اس تعریف سے معاف رکھو مجھے یہ پسند تھا کہ میں معدوم محض ہوتی۔

۵۸ھ تھا اور رمضان کی ۱۷ تاریخ مطابق ۱۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا اژدھام دیکھ کر روز عید کے ہجوم کا دھوکہ ہوتا تھا (ابن سعد جز نساص ۵۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نوحہ اور ماتم سن کر بولیں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں' یہ حاکم کی روایت ہے' مسند طیالسی میں ہے کہ انہوں نے کہا ''خدا ان پر رحمت بھیجے کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے' انہوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ اور حسب وصیت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ مدینہ میں قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لیے ماتم کا حلقہ قائم کرتا۔ (ابن سعد ص ۵۴) ایک مدنی سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا۔ جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں (یعنی تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم تھا (ایضاً بخاری کتاب الھبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بعد کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا۔ یہ ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصے میں آیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تبرکاً اس کو ایک لاکھ درم میں خریدا' تم جانتے ہو حضرت اسماء نے کثیر رقم کیا کی؟ عزیزوں میں تقسیم کر دی۔

اخلاق وآداب:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ اس ذات اقدس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں بسر کیا جو دنیا میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے آئی تھیں اور جس کے روئے جمال کا غازہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ہے اس تربیت گاہ روحانی یعنی کاشانہ نبوت نے سپردگیان حرم کو حسن اخلاق کے اس رتبہ تک پہنچا دیا تھا جو انسانیت کی روحانی ترقی کی آخری منزل ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اخلاقی مرتبہ نہایت بلند تھا۔ وہ نہایت سنجیدہ' فیاض' قانع' عبادت گزار اور رحم دل تھیں۔

انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی جس عسرت اور فقر و فاقہ سے بسر کی۔ وہ پچھلے صفحوں میں

تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔ لیکن وہ کبھی شکایت کا کوئی حرف زبان پر نہ لائیں بیش بہا لباس' گراں قیمت زیور' عالیشان عمارت' لذیذ الوان نعمت ان میں سے کوئی چیز شوہر کے ہاں ان کو حاصل نہیں ہوئی۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ فتوحات کا خزانہ سیلاب کی طرح ایک طرف سے آتا ہے' دوسری طرف نکل جاتا ہے تاہم کبھی ان کی طلب بلکہ ہوس بھی ان کو دامن گیر نہیں ہوئی۔ آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک دفعہ انہوں نے کھانا طلب کیا پھر فرمایا۔ میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا نہ آتا ہو ان کے ایک شاگرد نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا خدا کی قسم دن میں دو دفعہ کبھی سیر ہو کر آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔ (ترمذی' زہد)

خدا نے اولاد سے محروم کیا تھا تو عام مسلمانوں کے بچوں کو اور زیادہ تر یتیموں کو لے کر پرورش کیا کرتی تھیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں۔ اور ان کی شادی بیاہ کے فرائض انجام دیتی تھیں وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں' ان کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ مگر اس دفتر میں کسی شخص کی توہین یا بدگوئی کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ سوکنوں کو برا کہنا عورتوں کی خصوصیت ہے مگر اوپر گزر چکا ہے کہ وہ کس کشادہ پیشانی سے اپنی سوکنوں کی خوبیوں کا بیان اور ان کے فضائل و مناقب کا ذکر کرتی ہیں۔

دلیری:

نہایت شجاع اور پر دل تھیں۔ راتوں کو تنہا اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں۔ میدان جنگ میں آ کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ غزوہ احد میں جب مسلمانوں میں اضطراب برپا تھا اپنی پیٹھ پر مشک لا دلا کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ غزوہ خندق میں جب چاروں طرف سے مشرکین محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملے کا خوف تھا وہ بے خطر قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کا نقشہ جنگ معائنہ کرتی تھیں (بخاری: ذکر احد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑائیوں میں بھی شرکت کی اجازت چاہتی تھیں لیکن نہ ملی جنگ جمل میں جس شان سے وہ فوجوں کو لائیں وہ بھی ان کی طبعی شجاعت کا ثبوت ہے۔

فیاضی:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاق کا سب سے ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی۔ دونوں بہنیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت

کریم النفس اور فیاض تھیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتے ہیں کہ ان دونوں سے زیادہ سخی اور صاحب کرم میں نے کسی کو نہیں دیکھا...... حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے سامنے پوری ۷۰۰۰۰ ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں دے دی۔ اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔ (ابن سعد: جزو النساء ص ۴۵) امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے شام ہوتے ہوتے ایک حبہ میں پاس نہ رکھا۔ سب محتاجوں کو دے (مستدرک حاکم) دیا۔ اتفاق سے اس دن روزہ تھا لونڈی نے عرض کیا کہ افطار کے لیے کچھ رکھنا تھا' فرمایا کہ تم نے یاد دلا دیا ہوتا۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ کی رقم بھیجی انہوں نے ایک طبق میں یہ رقم رکھ لی اور اس کو بانٹنا شروع کیا اور وہ اس دن بھی روزہ سے تھیں۔ شام ہوئی تو لونڈی سے افطار لانے کو کہا۔ اس نے عرض کی یا ام المومنین اس رقم سے ذرا سا گوشت افطار کے لیے نہیں منگوا سکتی تھیں فرمایا اب ملامت نہ کرو تم نے اس وقت کیوں نہیں یاد دلایا۔

عبادت الٰہی:

عبادت الٰہی میں اکثر مصروف رہتی' چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے اور مجھ کو منع کرے تو میں باز نہ آؤں (مسند احمد: ۶/ ۱۳۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتی تھیں (ایضاً: ص ۹۲) آپ کی وفات کے بعد بھی اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے آنکھ لگ جاتی اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں تو سویرے اٹھ کر نماز فجر سے پہلے تہجد ادا کر لیتیں۔ (دار قطنی کتاب الصلوۃ) اکثر روزے رکھا کرتی تھیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں حج کی شدت سے پابند تھیں (ابن سعد: ص ۴۷) کوئی ایسا سال بہت کم گزرتا تھا جس میں وہ حج نہ کرتی ہوں۔ (بخاری: حج النساء)

معمولی باتوں کا لحاظ:

منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں تک سے پرہیز کرتی تھیں۔ راستے میں اگر کبھی ہوتیں اور گھنٹے کی آواز آتی تو ٹھہر جاتیں کہ کان میں اس کی آواز نہ آئے۔ (مسند احمد: ۶/ ۱۵۲) ان کے ایک گھر میں کچھ کرایہ دار تھے۔ یہ شطرنج کھیلا کرتے تھے ان کو کہلا بھیجا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو گھر سے نکلوا دوں گی۔ (بخاری باب الادب ۲۳۲) ایک دفعہ گھر میں ایک سانپ نکلا اس کو مار ڈالا' کسی نے

کہا' آپ نے غلطی کی' ممکن ہے یہ کوئی مسلمان جن ہو' فرمایا اگر یہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین کے حجروں میں در آتا۔ اس نے کہا آپ ستر پوشی کی حالت میں تھیں جب وہ آیا یہ سن کر متاثر ہوئیں۔ اور اس کے فدیہ میں ایک غلام آزاد کیا۔ (مسند: ۶۷)

پردہ کا اہتمام:

پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں' آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہو گیا تھا...... ہمیشہ طالب علموں اور ان کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا (بخاری: کتاب الحج) ایک دفعہ حج کے موقعہ پر چند بیبیوں نے عرض کی کہ ام المومنین چلیے حجر اسود کو بوسہ دے لیں' فرمایا تم جا سکتی ہو میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جا سکتی' کبھی ان کو طواف کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرا لیا جاتا تھا (مسند: ۶/ ۱۱۷) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی چہرہ پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ ایک غلام کو مکاتب کیا تھا اس سے کہا کہ جب تمہار زر فدیہ اتنا ادا ہو جائے تو میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتی۔ (مسند احمد: ۶/ ۸۵)

مناقب:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر شناسی کے لحاظ سے جو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بابت فرماتے تھے' اس صحبت و تعلیم کی بنا پر جو ان کو میسر آئی تھی اور اسی فطری جوہر و صلاحیت کے لحاظ سے جو قدرت کاملہ نے ان کو عطا کی تھی اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خاص مرتبہ حاصل تھا' اس بنا پر کتاب اللہ کا ترجمان' سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبر اور احکام اسلامی کا معلم ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا اور لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف جلوت میں دیکھتے تھے اور یہ خلوت و جلوت دونوں میں دیکھتی تھیں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عام عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کے کھانے کو عام کھانوں میں"

فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام (بخاری و ترمذی: مناقب عائشہ)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رویائے صادقہ نے ان کے حرم نبوی میں ہونے کی

خوش خبری سنائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بستر کے سوا کسی دوسری ام المومنین کے بستر پر وحی نازل نہ ہوئی جبرئیل امین نے ان کے آستانے پر اپنا سلام بھیجا دو بار ناموس اکبر کو ان مادی آنکھوں سے دیکھا۔ عالم ملکوت کی صدائے بے جہت نے ان کی عفت و عصمت پر شہادت دی۔ نبوت کے الہام صادق نے ان کو آخرت میں پیغمبر کی چہیتی بیویوں میں ہونے کی بشادت سنائی۔(بخاری و ترمذی: مناقب عائشہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ فخر نہیں کرتی بلکہ واقعہ کے طور پر کہتی ہوں کہ خدا نے مجھ کو ۹ نو باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے سوا کسی اور کو نہیں ملیں' خواب میں فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میری صورت پیش کی۔ جب میں ۷ سات برس کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا' جب میرا سن ۹ برس کا ہوا تو رخصتی ہوئی' میرے سوا اور کوئی کنواری بیوی آپ کی خدمت میں نہ تھی۔ آپ جب میرے بستر پر ہوتے تب بھی وحی آتی تھی' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھی۔ میری شان میں قرآن کی آیتیں اتریں' میں نے جبرئیل کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا۔ آپ نے میری ہی گود میں سر رکھے ہوئے وفات پائی۔(مشرک وطبقات ابن سعد)(علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ زرکشی نے الاجابتہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چالیس فضائل گنائے ہیں۔)(میراعلام النبلاء جزءعائشہ)۔

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ صرف عام عورتوں پر' نہ صرف امہات المومنین پر نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تمام اصحاب پر فوقیت عام حاصل تھی صحیح ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے:۔

"ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے عائشہ سے پوچھا اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں"۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث قط فسالنا عائشۃ الا وجدنا عندھا منہ عِلْمًا(ترمذی :مناقب عائشہ)

عطا بن ابی رباح تابعی جن کو متعدد صحابہ کے قلمبند کا شرف حاصل تھا کہتے ہیں:۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں''۔

كانت عائشة افقه الناس واعلم الناس واحسن الناس رايا في العامة (مشه رك حاكم)

امام زہری جو تابعین کے پیشوا تھے جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کی آغوش میں تربیت پائی تھی کہتے ہیں:۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے''۔

كانت عائشة اعلم الناس يسالها الاكابر من اصحاب رسول اللّٰه صلى الله عليه وآله وسلم (ابن سعد ۲/ ۳۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ وہ بھی جلیل القدر تابعی تھے کہتے ہیں:۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا اور رائے میں اگر اس کی ضرورت پڑے، ان سے زیادہ فقیہ اور آیتوں کے شان نزول اور فرائض کے مسئلہ کا واقف کار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

حواری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر عروہ بن زبیر کا قول ہے:۔

''میں نے حلال وحرام علم وشاعری اور طب میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا''۔

ما رايت احدا علم بالحلال والحرام وللعلم والشعر والطب من عائشة ام المومنين (مشه رك حاكم)

ایک شخص نے مسروق تابعی سے جو تمامتر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تربیت یافتہ تھے دریافت کیا کہ ام المومنین فرائض کا فن جانتی تھیں؟ جواب دیا خدا کی قسم میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔ (مشررک وابن سعد ۲/ ۱۲۶)

امام زہری کی شہادت ہے کہ:

''اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم ان میں سب سے وسیع ہوتا''۔

لو جمع علم الناس كلهم وعلم ازواج النبى صلى الله عليه وآله وسلم فكانت عائشة اوسعهم علما (مشررك)

بعض محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل میں یہ حدیث نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"اپنے مذہب کا ایک حصہ اس گوری عورت سے سیکھو۔" خذوا شطر دینکم عن حمراء

اس حدیث کو ابن اثیر نے نہایہ میں اور مسند فردوس میں دیلمی بتغیر الفاظ لائے ہیں لیکن لفظاً اس کی سند ثابت نہیں اور اس کا شمار موضوعات میں ہے۔(موضوعات شوکانی ۱۳۵ خاتمہ مجمع البحار ص۵۱۴ مقاصد حسنہ ۹۴ وغیرہ) تاہم معنی اس کے صحیح ہونے میں کسی کو شک نہیں (ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ معنی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یقیناً دین کا بڑا حصہ تھا۔)(موضوعات ۳۷ (دہلی ۱۳۱۵ھ) سید صاحب نے حضرت عائشہ کے علم و فضل پر تفصیل سے لکھا ہے میرے یہاں علم سے متعلق ان کے بیان کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ان کی کتاب سیرۃ عائشہ دیکھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حدیث شریف:

ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات' نہ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پایہ شرف صحبت اور قوت فہم و ذکا میں اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت بلند تھا لیکن قدرۃً بیوی کو مہینوں میں جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے احباب خاص کو بھی برسوں میں اس کی واقفیت ہو سکتی ہے۔

کثیر الروایۃ صحابہ جن کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے سات اشخاص ہیں۔ جن کی مرویات کی تعداد اس طرح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۲۲۱۰) حضرت ابن عباس (۱۶۶۰) حضرت جابر (۱۵۴۰) حضرت ابوسعید خدری (۱۱۷۰)۔

کثرت روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چوتھا نمبر ہے۔ جن لوگوں کا نام ان

سے اوپر ہے ان میں سے اکثر ام المومنین کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور ان کی روایت کا سلسلہ چند سال اور جاری رہا ہے اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بلسبت اگر یہ بھی لحاظ رہے کہ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور اپنے مرد معاصرین کی طرح نہ وہ ہر مجلس میں حاضر رہ سکتی تھیں۔ اور نہ مسلمان طالبین علم ان تک ہر وقت پہنچ سکتے تھے اور نہ ان بزرگوں کی طرح ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کا گزر ہوا۔ تو ان کی حیثیت ان سبع سیاروں میں سب سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔

فہرست بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کل روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے جن میں سے صحیحین میں ۲۸۶ حدیثیں ان کی روایت سے داخل ہیں ان میں ۱۷۴ حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں۔ ۵۴ ایسی ہیں جو صرف بخاری میں ہیں اور ۵۸ صرف مسلم میں ہیں اس حساب سے بخاری میں ان کی دو سو اٹھائیس اور مسلم میں ۲۳۲ حدیثیں اور بقیہ حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ امام احمد کی مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثیں ہیں جو مصر کے مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں اگر ان کو الگ جمع کیا جائے تو حدیث کی ایک مستقل اور ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

روایت کے ساتھ درایت:

محض روایت کی کثرت ان کی فضیلت کا باعث نہیں ہے، اصل چیز دقت رسی اور نکتہ فہمی ہے۔ قلیل الروایۃ بزرگوں میں بڑے بڑے فقہائے صحابہ داخل ہیں لیکن عموماً وہ اشخاص جو ہر شخص سے ہر قسم کی باتیں روایت کر دیا کرتے ہیں فہم و درایت سے عاری ہوتے ہیں..... درایت کی مخصوص فضیلت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ صرف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما شریک ہیں جو روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ اجتہاد فکر اور قوت میں بھی ممتاز تھے۔

روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ اور قوت استنباط کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایتوں کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام و واقعات کو نقل کرتی ہیں، اکثر ان کے علل و اسباب بھی بیان کرتی ہیں اور وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ان کی تشریح کرتی ہیں۔

(علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ عین الاصابۃ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علی الصحابۃ میں حضرت عائشہ کے وہ تمام استدراکات اور

تعقیبات جمع کر دیے گئے ہیں جو انہوں نے صحابہ کرام کی روایتوں پر کیے تھے۔ ان کا رسالہ دراصل بدرالدین زرکشی کی کتاب 'الاجابة لا یراد ما استدرکته عائشة علی الصحابة کی تلخیص ہے اس سے ان کی درایت حدیث اس کی داخلی تنقید' صحیح پس منظر سے واقفیت' احکام نبوت کے اسباب وعلل اور اسرار و حکم سے گہری آگاہی دقت نظر اور روح شریعت سے محرومانہ واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی لیے ان کا شمار اکابر فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ اعلام الموقعین لابن قیم مقدمہ جن کے فتاویٰ سے ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث شریف کے فہم و ادراک کی خصوصی صلاحیت ہی کا یہ نتیجہ ہے آج امت بہت سی حدیثوں کے صحیح پس منظر اور سیاق و سباق اور اسباب و اسرار سے واقف ہے پھر یہ بات بھی بہت ہی قابل قدر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صرف عورتوں سے یا خانگی و نجی زندگی ہی کے متعلق احادیث و احکام نہیں منقول ہیں بلکہ ان کے ذریعہ دین و شریعت کے ایک بڑے حصے کی روایت سامنے آئی ہے۔ اس لیے وہ امت محمدیہ کی شکر گزاری و احسان شناسی اور دعا گوئی کی خصوصی مستحق ہیں جَزَاهَا اللّٰهُ عَنْ اَبْنَائِهَا الْمُسْلِمِيْنَ اَحْسَنَ مَا يَجْزِىْ بِهٖ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ۝

ام المومنین
حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام نامی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور والد کا نام خزیمہ تھا' سلسلہ نسب مندرجہ ذیل ہے "زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامہ بن صعصعہ۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سخاوت میں شہرہ آفاق تھیں' کوئی سائل ان کے در سے خالی واپس نہیں جاتا تھا۔ فقراء اور مساکین کو نہایت سیر چشمی اور فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اور ان کی دلدہی کرتی تھیں ان کے دکھ درد میں شریک رہتیں اسی وجہ سے ام المساکین کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنے سے قبل عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں' عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب غزوۂ احد میں شہادت سے سرفراز ہوئے اور یہ بیوہ ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نکاح میں لے لیا لیکن چند ہی ماہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد یہ دوسری بیوی ہیں جنھوں نے وفات پائی نماز جنازہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئیں انتقال کے وقت عمر شریف ۳۰ سال تھی۔ رَحِمَهَا اللّٰهُ۔

ام المومنین
حضرت ام سلمہ (ہند) رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

آپ کا نام ہند (ابن سعد' الطبقات الکبری ج ۸ ص ۸۶ ابن حجر الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۸ ص ۲۲۱' ابن عبدالبر الاستیعاب ج ۲ ص ۷۸۴) اور کنیت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے بعض مورخین نے رملہ نام ذکر کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ والد کا نام حذیفہ یا سہیل ہے لیکن وہ اپنی کنیت ''ابوامیہ'' سے مشہور ہیں'' زادالرکب'' ان کا لقب ہے جس کا ترجمہ ہے'' سواروں کا توشہ'' یہ لقب ان کو ان کی غیر معمولی سخاوت' سیر چشمی' دریا دلی کی وجہ سے ملا۔ ان کا معمول تھا کہ جب سفر پر نکلتے تو تمام رفقاء سفر کے اخراجات خود برداشت کرتے۔ اس بات کے روادار نہیں تھے کہ کوئی رفیق سفر اپنے ساتھ سفر خرچ اور کھانے پینے کا سامان لے چلے۔ اس امتیازی وصف کی وجہ سے انھیں ''زادالرکب'' کا لقب دیا گیا۔ باپ کی طرف سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام سلمہ بنت ابوامیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔

والدہ محترمہ کا نام نامی عاتکہ ہے۔ سلسلہ نسب (ابن سعد' الطبقات الکبری ج ۸ ص ۸۶' الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۱) یہ ہے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے داد ھیالی اور ننھیالی دونوں خاندان قریش میں سر برآوردہ اور خوشحال تصور کیے جاتے تھے۔ ان کے باپ بڑے خوش حال اور مرفہ الحال تھے۔ ان کے لقب زادالرکب (سواروں کا توشہ) سے ان کے کرم وسخا' ثروت وغرت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سن پیدائش کی صراحت تذکرہ وسوانح کی کتابوں میں نہیں ملتی اس لیے چند تاریخی قرائن واشارات سے سراغ لگانے کی کوشش کی جائے۔ تحقیقی قول یہ ہے (الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۵) کہ ۶۳ھ میں یزید بن معاویہ کے دور خلافت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق وفات کے وقت ان کی عمر (الطبقات

الکبریٰ ابن سعد ج ۸ ص ۹۶) چوراسی سال تھی۔ علامہ ذہبی نے تحریر فرمایا ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً نوے سال (ذہبی' سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۲۰۲) تھی۔ ذہبی نے اس سلسلہ میں کوئی روایت ذکر نہیں کی ہے بلکہ اپنا ظن وتخمین ذکر کیا ہے۔ اس لیے طبا قات ابن سعد کی روایت جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ہے قابل ترجیح ہوگی اس لیے سیرت نگاروں نے عموماً طبقات کی روایت کو اختیار کیا ہے۔ پھر بھی اگر ذہبی کے قول کو بنیاد بنا کر حساب لگایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نوے میں کم از کم ایک سال کی کمی کر کے ان کی عمر ۸۹ سال تسلیم کی جائے چوراسی کی بنیاد پر حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے دس سال قبل ان کی پیدائش ہوئی اور ۸۹ سال عمر ماننے پر بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پندرہ سال قبل کی پیدائش معلوم ہوتی ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتدائی زندگی:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح حضرت ابوسلمہ سے ہوا۔ ابوسلمہ (ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۸۹۔۹۰) ابن ہشام' السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۰۲) کا نام عبداللہ اور شجرہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی مخزومی۔ ابوسلمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی اور پھوپھی زاد بھائی تھے۔ کیوں کہ دونوں نے ابولہب کی باندی (بخاری' ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۸۹۔۹۰) ثویبہ کا دودھ پیا تھا اور ابوسلمہ کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی (ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۸۹ ۹۰ الاصابہ' ج ۴ ص ۱۵۳) برہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ حضرت ابوسلمہ کا نسبی رشتہ قریش کی انتہائی اہم شاخ بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابوسلمہ سابقین اولین میں سے تھے۔ ابن اسحاق کی روایت (الاصابہ ج ۴ ص ۱۵۳) ہے کہ ان سے قبل صرف دس افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الحارث' عثمان مظعون' ارقم بن ابوالارقم' ابوسلمہ بن عبدالاسد ایک ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان تمام حضرات کے سامنے دعوت اسلام پیش کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی ان سب نے اسلام قبول کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت وصداقت کی گواہی دی (ابن اثیر' اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۵ ص ۲۱۸)۔

سیرت نگاروں نے حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے کا ذکر

نہیں کیا' حالانکہ بالکل ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والی خواتین کا تذکرہ بھی نام بہ نام کیا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو اس وقت تک حضرت ام سلمہ رشتہ ازدواج میں داخل نہیں ہوئی تھیں یا انہیں کچھ تاخیر سے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں سال ستم رسیدہ مسلمانوں کا جو قافلہ سفر کی صعوبتیں جھیلتا اور بادسموم کا مقابلہ کرتا ہوا حبشہ کی طرف رواں دواں ہے اس میں ہمیں ابوسلمہ کے شانہ بہ شانہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نظر آتی ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ھ سے پہلے ہی وہ حلقہ اسلام میں داخل اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہو چکی تھیں۔

ہجرت حبشہ:

حبشہ کی طرف ۵ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہجرت (شبلی نعمانی' سیرت النبی ج ا ص ۲۲۳) ہوئی۔اس وقت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالکل نئی نویلی دلہن تھیں۔عمر کم از کم پندرہ اور بہت سے بہت بیس سال تھی۔ذرا خیال کیجئے کہ ایک ناز و نعم میں پلی ہوئی نوعمر عورت جس نے ابھی جلد ازدواجی زندگی کے میدان میں قدم رکھا ہے اسے اپنے محبوب وطن خوش حال میکہ اور سسرال کو الوداع کہہ کر ایک اجنبی نامانوس ملک کی طرف ہجرت کرنی پڑ رہی ہے۔جہاں کی تہذیب وتمدن' زبان ومذہب' نسل وقوم' روایات وعادات بالکل مختلف تھیں۔وہاں ان کے لیے دلکشی اور کشش کا کوئی سامان نہیں۔نہ خوش حال زندگی کی توقع ہے نہ روشن مستقبل کی۔

یہ مختصر سا قافلہ جو ۵ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حبشہ کی طرف گامزن ہے صرف مفلوک الحال اور غریب مسلمانوں پر مشتمل نہیں اس میں تو وہ مسلمان بھی نظر آتے ہیں جو صاحب عزت و وجاہت' صاحب ثروت وعظمت تھے۔قریش کے اعلیٰ خاندانوں سے ان کا تعلق تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عفان اور ان کی زوجہ محترمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زبیر بن العوام' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمیر' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اس قافلہ میں شامل تھے۔یہ سب حضرات مکہ کے باوجاہت صاحب ثروت افراد میں شمار ہوتے تھے۔لیکن کفار مکہ کے بے پناہ ظلم و ستم سے یہ لوگ بھی محفوظ نہیں تھے۔

ہجرت حبشہ کا اس سے بڑا محرک یہ تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں آزادی سے اسلامی فرائض کی ادائیگی کا اختیار نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے چھپ کر یہ لوگ نمازیں ادا کرتے' قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ان حالات سے مجبور ہو کر اسلام کے ان دیوانوں اور سرفروشوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کا پروگرام بنایا۔ دین وایمان کے عزیز سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے لیے انھوں نے اہل وعیال' مال ودولت' وطن وخاندان سب کی جدائی گوارا کی اور اہل ایمان وعزلیت کے لیے ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت حاملہ تھیں۔ (سکاکینی۔ امہات المومنین و بنا الرسول) چنانچہ حبشہ پہنچنے کے کچھ دنوں بعد ان کے صاحبزادے سلمہ کی ولادت ہوئی۔ حمل کی حالت میں ریگستان اور سمندر کا یہ طویل صبر آزما سفر کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن اللہ کی بندی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنھیں آئیدہ ام المومنین کا لازوال خطاب ملنے والا تھا انھوں نے اللہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے شوہر کی رفاقت میں خوشی بہ خوشی یہ پر مشقت سفر اختیار کیا۔ ریگستان کا طویل سفر کر کے یہ قافلہ بندرگاہ پر پہنچا تو دو تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ جہاز والوں نے صرف پانچ پانچ درہم کرایہ لے کر اس قافلہ کو حبشہ پہنچا دیا۔

حبشہ پہنچ کر ان مظلوموں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پوری آزادی سے اسلامی فرائض ادا کرنے لگے۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی عیسائی تھا لیکن بہت نیک دل' عدل پرور۔ اس نے اور وہاں کے لوگوں نے مہاجرین کے ساتھ بر احسن سلوک کیا۔ مہاجرین کی پاکیزہ سیرت اور بلند اخلاق نے وہاں کے باشندوں کو بہت متاثر کیا۔ وہیں پردیس اور اجنبی ماحول میں اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاند سا بیٹا دیا جس کا نام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۲) تجویز ہوا اور میاں بیوی کی کنیت ابوسلمہ' ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہو گئی۔

حبشہ سے واپسی:

کفار مکہ کو کب گوارا تھا کہ یہ مسلمان ترک وطن کر کے سکون واطمینان کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ انھوں نے نجاشی (محب الدین طبری القط الثمین فی مناقب امھات المومنین ص ۱۰۰) اور اس کے درباریوں کے لیے بیش قیمت ہدایا وتحائف کے ساتھ ایک سفارتی وفد روانہ کیا تا کہ نجاشی ان مجرموں کو

اپنے ملک سے نکال دے اور انھیں مجبوراً مکہ واپس آنا پڑے جہاں ان پر ازسرنو ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جائیں۔ کفار مکہ کا وفد اپنی مہم میں ناکام ہوگیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد حبشہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ کفار مکہ نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ سن کر حبشہ میں مقیم صحابہ نے مکہ کا رخ کیا۔ مکہ سے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے۔ اس لیے بعض لوگ حبشہ واپس چلے گئے۔ اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ا ص ۲۲۹) میں داخل ہوگئے۔ واپس آنے پر مکہ والوں نے دوبارہ بے پناہ ظلم ڈھائے۔ مجبور ہوکر مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن اب ہجرت کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کفار مکہ بہت چوکنا تھے۔ ہجرت سے باز رکھنے کی ہر ممکن تدبیر اپناتے۔ پھر بھی تقریباً ۸۰ مسلمان کسی طرح حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اس کو حبشہ کی جانب دوسری ہجرت کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوطالب کی پناہ میں:

بعض تذکروں (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حبشہ کی دوسری ہجرت میں بھی شریک تھے لیکن تحقیق [illegible] حبشہ کی دوسری ہجرت کرنے والوں میں یہ دونوں شامل نہیں تھے۔ سیرت (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ص ۲۸۴ ۲۸۵) ابن ہشام میں ہجرت حبشہ سے متعلق حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو طویل روایت درج ہے اس سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق حضرت ابوسلمہ [illegible] حبشہ سے لوٹنے کے بعد مکہ ہی میں قیام کیا۔ اور اپنے ماموں حضرت ابو [illegible] آگئے تاکہ کفار انھیں اذیت نہ دے سکیں۔ ابوطالب نے جب ابوسلمہ کو پناہ دی تو ابوسلمہ کے خاندان بنی مخزوم کے کفار نے حضرت ابوطالب سے عرض کیا۔

"اے ابوطالب! آپ نے اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دے کر ہم سے بچالیا۔ تو قدرے معقول بات تھی لیکن اس کا کیا جواز ہے کہ آپ ہمارے خاندان کے ایک فرد کو پناہ دے کر ہماری دسترس سے باہر کرنا چاہتے ہیں۔"

حضرت ابوطالب نے جواب دیا۔

"ابوسلمہ میرا بھانجا ہے اس نے مجھ سے پناہ طلب کی تو میں کیا کرتا۔ اگر میں اپنے بھانجے کی حفاظت نہیں کرسکتا تو بھتیجے کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا۔" (السیرۃ النبویہ ج ا ص ۲۲۹، ۲۳۰)

ابو سلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابو طالب کے زیر سایہ زندگی گزارنے لگے۔ ابو طالب کی پشت پناہی کی وجہ سے یہ دونوں بڑی حد تک کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے ۱۰ ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو حفاظت کا یہ حصار ٹوٹ گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ان دونوں پر بھی ظلم و ستم کے بادل برسنے لگے اللہ جل شانہٗ نے بہت جلد اس تازہ مصیبت سے نجات کی شکل پیدا فرما دی۔

مدینہ کی طرف ہجرت:

۱۰ ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اوس وخزرج کے چند لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ۱۱ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حج کے موقع پر بیعت عقبہ اولی پیش آئی جس میں اوس وخزرج کے بارہ افراد نے مشرف بہ اسلام ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ۱۲ ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حج کے موسم میں بیعت عقبہ ثانیہ کا انقلاب انگیز واقعہ رونما ہوا۔ ابو طالب کی وفات کے بعد ابو سلمہ کفار کی مسلسل ستم رانیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ بیعت عقبہ اولی کے فوراً بعد انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تمام تذکرہ نگاروں (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۱۶۹، ۱۷۰) کا متفقہ بیان ہے کہ مدینہ کی ہجرت کرنے والے وہ سب سے پہلے صحابی ہیں۔ ابن ہشام (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ا ص ۲۸۴) لکھتے ہیں۔

''ابو سلمہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے سب سے پہلے صحابی ہیں انھوں نے بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال قبل مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے لوٹ کر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جب انھیں قریش نے ستایا اور انھیں انصار کے اسلام قبول کرنے کی خبر ملی تو مدینہ کا رخ کیا۔''

ہجرت کا دل گداز ایمان افروز واقعہ:

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابو سلمہ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا واقعہ تاریخ ایمان وعزیمت کا انتہائی روشن اور نرالا واقعہ ہے اس کو پڑھ کر اور سن کر دلوں میں گرمی، ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے سرفروش بندے اور بندیاں رضائے مولیٰ کے لیے کن کن حالات سے گزرتے ہیں اور ایمان وعزیمت قربانی و جاں سپاری صبر و رضا کی کیسی کیسی قابل تقلید درخشاں مثالیں قائم کر جاتے

ہیں ان کے حالات زندگی جادہ حق وصداقت کے رہروں کے لیے منارۂ نور ثابت ہوئے۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آیئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی زبانی اس دل گداز روح فرسا (ابن ہشام ج ا ص ۲۸۴ ' ۲۸۵) السیرۃ النبویہ للذہبی واقعہ کی روداد سنئے وہ فرماتی ہیں:-

''جب حضرت ابوسلمہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا پختہ ارادہ کرلیا تو انھوں نے اونٹ پر کجاوہ کس کر مجھے اس پر سوار کردیا اور میرے بچے سلمہ کو میری گود میں بٹھا دیا۔ اونٹ کی مہار پکڑ کر روانہ ہوئے میرے گھرانے (بنو مغیر بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم) کے لوگوں نے انھیں جاتے دیکھا تو جھپٹے اور کہا تم اپنے بارے میں مختار ہو جہاں چاہو جاؤ۔ لیکن ہم اپنے گھرانے اس خاتون (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو تمہارے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتے کہ تم اسے شہر لیے پھرو'' یہ کہہ کر ابوسلمہ شہر کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار چھین لی اور مجھے ان سے لے لیا۔ ابوسلمہ کے خاندان (بنو الاسد) کے لوگوں نے جب یہ صورت دیکھی تو غضب ناک ہو کر کہا کہ جب تم لوگوں نے ابوسلمہ سے ان کی بیدی (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو چھین لیا تو ہم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اپنے خاندان کے بچے سلمہ کو نہیں چھوڑ سکتے پھر میرے بچے سلمہ کے بارے میں ایسی کش مکش ہوئی کہ اس کا ہاتھ جوڑ سے اکھڑ گیا۔ اور بنو عبدالاسد اسے لے کر چلے گئے۔ بنو مغیرہ نے مجھے اپنے پاس روک لیا اور میرے شوہر ابوسلمہ مدینہ چلے گئے ظالموں نے مجھے میرے شوہر اور بچے کو ایک دوسرے سے جدا کردیا۔

اس حادثے کے بعد میں روز صبح کو نکلتی' وادی الطح میں جا بیٹھی اور شام تک برابر روتی رہتی۔ ایک سال یا اس سے کچھ کم وبیش میرا یہ حال رہا۔ حتیٰ کہ بنو مغیرہ کا ایک شخص میرا ایک چچازاد بھائی میرے پاس سے گزرا' میرا حال زار دیکھ کر رحم آیا اس نے جا کر بنو مغیرہ سے کہا تمھیں اس بیچاری خاتون (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر ترس نہیں آتا۔ تم لوگوں نے اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کردیا ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی بات سے متاثر ہو کر میرے اہل خاندان نے مجھ سے کہہ دیا کہ اگر چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ اس کے بعد بنو عبدالاسد نے میرے بچے سلمہ کو میرے حوالہ کردیا۔ میں بچے کو لے کر اونٹ پر سوار ہوگئی۔ اور شوہر کے پاس مدینے جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔

میرے ساتھ کوئی رفیق سفر نہ تھا۔ مقام تنعیم پہنچنے کے بعد قبیلہ بنی عبدالدار کے ایک فرد عثمان

بن طلحہ ابن ابی طلحہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا ابوامیہ کی صاحبزادی کہاں کا قصد ہے؟ میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔ عثمان بن طلحہ کیا اکیلی ہو تمہارے ساتھ کوئی نہیں۔؟ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بخدا اس بچے (سلمہ) اور خدا کے سوا کوئی نہیں۔ عثمان بن طلحہ واللہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کہہ کر انھوں نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور تیز قدموں سے چلنے لگے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "واللہ مجھے کوئی ایسا عربی نہیں ملا جو عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف ہو" ان کا یہ حال تھا کہ منزل پر پہنچنے کے بعد اونٹ کو بٹھا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ میرے اترنے کے بعد اونٹ کو وہاں لے جاتے اور کجاوا اتار کر کسی درخت سے باندھ دیتے پھر الگ کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے جب کوچ کا وقت قریب آتا تو اونٹ پر کجاوا کس کر میرے پاس لاتے اور یہ کہہ کر ہٹ جاتے کہ سوار ہو جاؤ۔ میرے سوار ہونے کے بعد قریب آتے اور مہار پکڑ کر چل پڑتے۔ مدینہ پہنچنے تک ان کا یہی طریقہ کار رہا۔ جب انھوں نے قبا پہنچ کر بنی عمرو بن عوف کی بستی دیکھی تو کہا "آپ کے شوہر اسی بستی میں ہیں اللہ کا نام لے کر اس میں چلی جاؤ۔ پھر عثمان بن طلحہ مکہ لوٹ گئے۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "خدا کی قسم، مجھے کسی ایسے اسلامی گھرانے کا علم نہیں جس پر خانوادہ ابوسلمہ جیسی مصیبتیں نازل ہوئی۔ اور میں نے عثمان بن طلحہ سے بڑا شریف انسان نہیں دیکھا۔"

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ میں:

ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی داستان ہجرت آپ نے خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی سن لی ذرا غور کیجئے کہ اس ناز پروردہ خاتون نے دین و ایمان کی حفاظت اور رضائے الٰہی کے لیے کیسی مصیبت جھیلی اور کیسی آزمائشوں سے دوچار ہوئیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے زمانے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے سال سوا سال پہلے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ پہنچیں۔ تو اس وقت ان کی عمر کم از کم بیس سال اور زائد سے زائد پچیس سال تھی۔ تذکرہ نگاروں (الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۳) نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کر کے مدینے پہنچنے والی پہلی خاتون تھیں۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اپنے شوہر ابوسلمہ کے زیر سایہ سکون و عافیت کی زندگی بسر کرتی رہیں۔ ابوسلمہ کا قیام ابتدا قبا (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۳۹، ۲۴۰) میں مبشر بن منذر کے یہاں رہا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن خثیمہ انصاری سے ان کی مواخات کرادی۔ عام مہاجرین کی طرح ابوسلمہ کی زندگی بھی فقر و فاقہ اور غربت کی تھی لیکن اس کے باوجود میاں بیوی بے حد خوش اور مطمئن

تھے۔ کیوں کہ انھیں مدینہ میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اسلامی فرائض واحکام پر بے خوف وخطر کاربند ہوسکتے تھے۔ انصار کے اخلاص وایثار سے مسلمانوں کی باہمی مووت ومحبت ہمدردی وغم خواری نے ایسے معاشرے کی تشکیل کی تھی جس پر ہزار دولت اور مرفہ الحالی قربان جائے۔

ابوسلمہ کی وفات:

حضرت ابوسلمہ مسلم معاشرے کے ممتاز ترین لوگوں میں سے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر پورا اعتماد تھا۔ اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ ۲ھ میں جب (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۵۷ عبدالروف دانا پوری اصح السیر ص ۸۴) غزوہ ذی العشیرہ کی مہم پر روانہ ہوئے تو ابوسلمہ کو مدینے میں اپنا جانشین بنا گئے۔ ابوسلمہ غزوہ بدر میں شریک ہوگئے اور حق و باطل کے اس فیصلہ کن معرکے میں شجاعت وسپہ گری کے جوہر دکھائے۔ غزوہ احد میں بھی انھوں نے بھر پور حصہ لیا۔ غزوہ احد میں ابوسلمہ کو زخم کاری لگا۔ ایک ماہ کے علاج کے بعد زخم بہ ظاہر مندمل ہوگیا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ ان کی سرکردگی میں روانہ کیا کامیاب وبامراد لوٹے خاصا مال غنیمت حاصل ہوا اس کے بعد ۱۷ ستر ہ روز ٹھیک رہے اچانک غزوہ احد کا زخم ہرا ہوگیا اور اسی کے اثر سے ابوسلمہ عالم آخرت کی طرف سفر فرماگئے۔ (اکثر مورخین نے ابوسلمہ کی تاریخ وفات ۲۷ جمادی الاخرۃ لکھی ہے لیکن ابن کثیر نے ۲۷ جمادی الاولی تحریر کی ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۴۰ البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۹۱) وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں اور نماز جنازہ میں ۹ تکبیریں کہیں نماز کے بعد صحابہ نے پوچھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو تکبیروں میں سہو تو نہیں ہوا۔ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔

ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تعلقات:

وطن اور خاندان سے دور غریب الوطنی کی حالت میں شوہر کا انتقال عورت کے لیے بڑا روح فرسا، ناقابل برداشت حادثہ ہوتا ہے خصوصا شوہر جب نصف درجن نابالغ اولاد چھوڑ جائے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل پر اس غیر متوقع حادثے سے جو قیامت گزری ہوگی اس کا تصور بھی لرزہ خیز ہے ابوسلمہ ابھی جوانی کی سرحد بھی نہیں پار کرسکے تھے کہ پیغام اجل پہنچ گیا دونوں کی ازدواجی زندگی بڑی خوشگوار تھی میاں بیوی میں حد درجہ محبت و یگانگت اعتماد وہم آہنگی تھی دونوں کے خوشگوار ترین تعلقات کا

اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ ایک بار ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابوسلمہ سے کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور دونوں جنتی ہوں بیوی شوہر کے انتقال کے بعد کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جنت میں ایک دوسرے کی رفاقت نصیب فرمائیں گے۔ اسی طرح بیوی کا اگر پہلے انتقال ہو جائے۔ اور شوہر اس کے بعد شادی نہ کرے۔ لہٰذا آیئے ہم دونوں عہد کریں کہ نہ آپ میرے بعد شادی کریں گے۔ اور نہ میں آپ کے بعد ابوسلمہ نے کہا کیا تم میری بات مانو گی؟ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا بات ماننے ہی کے لیے میں آپ سے مشورہ کرتی ہوں۔ ابوسلمہ نے کہا میرا مشورہ ہے کہ اگر میرا پہلے انتقال ہو جائے تو ضرور کسی سے نکاح کر لو۔ اے اللہ میرے بعد ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرمایئے۔ جو نہ اسے مبتلائے غم کرے نہ اذیت دے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوسلمہ کی وفات کے بعد (مجھے ان کی دعا یاد آئی اور) میں نے سوچا کہ میرے حق میں ابوسلمہ سے بہتر کون جوان ہوسکتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۹ ص ۸۷)

اوپر کی روایت سے اگر ایک طرف ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قابل رشک ازدواجی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف حضرت ابوسلمہ کی فہم و فراست' غیر جذباتیت اور مدبرانہ سنجیدگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے ہر شخص کی یہ جذباتی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیوی کسی دوسرے کے رشتہ نکاح میں نہ آئے' اس تصور سے ہی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ رفیقہ حیات کسی دوسرے کے حرم میں داخل ہو۔ لیکن یہاں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش کے باوجود ابوسلمہ نے انھیں نہ صرف یہ کہ نکاح نہ کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ پرزور مشورہ دیا کہ میری وفات کے بعد کسی مناسب جگہ نکاح ضرور کر لینا تاکہ عزت وعفت کے ساتھ زندگی گزار سکو اور بیوگی کی مشکلات سے نجات پا سکو۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے منارہ نور بن سکتا ہے۔ ابوسلمہ کا ناگہانی حادثہ وفات ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صاعقہ طور بن کر گرا اور قریب تھا کہ ان کے صبر وتحمل کو بھسم کر کے رکھ دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہلوایا۔ ''ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شیطان جس گھر سے دوبار ذلت وخواری کے ساتھ نکالا جا چکا ہے کیا پھر اس گھر میں شیطان کو داخل کرنا چاہتی ہو۔'' (السمط الثمین ص ۱۰۸ ' ۱۰۹ مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴) یہ پیغام سنتے ہی جذبات اور آہ وگریہ کا یہ سیلاب تھم گیا۔ جیسے کسی نے مضبوط دیوار کھڑی کردی ہو۔ اس کے بعد ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صبر وتحمل کی بے مثال مثال قائم کی اور بڑے عزم وہمت سے اس حادثے کو جھیلا۔

ابو سلمہ کی وفات کے بعد:

حوادث و مصائب کے وقت پختہ دیندار لوگ بھی شرعی حدود و قیود کی رعایت ملحوظ نہیں رکھتے اور بے صبری و ناشکری کا دفتر کھول دیتے ہیں۔ لیکن آیئے ہم دیکھیں کہ کسی آفت و مصیبت کے وقت شریعت نے مسلمان کو کیا تعلیم دی۔ اور اس پر کاربند ہونے سے کیا نقد انعام ملتا ہے اور کس طرح رحمتیں برستی ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہی زبانی یہ نسخہ کیمیاء سنیئے:۔

''ایک روز ابو سلمہ نے مجھ سے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب کسی پر مصیبت نازل ہو تو یہ دعا پڑھے:۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ حَسَبْتُ مُصِيْبَتِيْ فَأْجُرْنِيْ فِيْهَا وَاَبْدِلْنِيْ بِهَا مَا هُوَ خَيْرٌ فِيْهَا ○

''ہم سب اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم سب کو لوٹ کر اللہ کے حضور میں جانا ہے۔ اے اللہ میں اپنی مصیبت پر آپ ہی سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ مجھے اس مصیبت کے سلسلے میں اجر و ثواب مرحمت فرمایئے۔ اور مجھے اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز عطا فرمایئے''۔

ابو سلمہ نے مرض الموت میں دعا کی:

''اللھم اخلفنی فی اھلی بخیر''

ابو سلمہ کی وفات کے بعد میں نے کہا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسَبْتُ مُصِيْبَتِيْ فَأْجُرْنِيْ فِيْهَا جب یہ جملہ کہنا چاہا ''اَبْدِلْنِیْ بھا خیرا منھا '' (اس کے بدلے میں مجھے اس سے بہتر عطا فرمایئے) تو مجھے تامل ہوا کہ میرے لیے ابو سلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ تردد کے بعد آخر میں نے وہ جملہ کہہ دیا۔ میری عدت پوری ہونے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا' میں نے اسے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا اسے بھی رد کر دیا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ (مسند احمد ابن حنبل ج ۶ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴)

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام نکاح آنے کے بعد انکار و تامل کی کیا گنجائش تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ نکاح میں منسلک ہونا ایک مسلمان خاتون کی منتہائے آرزو اور کمال سعادت ہے لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ ٹھنڈی دل ودماغ کی زیرک اور دوراندیش خاتون تھیں اس لیے انھوں نے ذرا بھی جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ نکاح سے قبل انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے صحیح حالات اور اندرونی جذبات سے واقف کرانا ضروری سمجھا تاکہ اگر نکاح ہو تو علی وجہ البصیرہ ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیرے میں نہ رہیں۔ انھوں نے نکاح کا پیغام لانے والے سے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنا کہ آپ کا پیغام سر آنکھوں پر لیکن میرے چند اعذار ہیں ان پر غور فرمالیں:۔

۱۔ مجھ میں غیرت کا مادہ بہت زیادہ ہے اور آپ کے یہاں دوسری ازواج بھی ہیں اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ کسی وقت بر بنائے رشک وغیرت مجھ سے کوئی نامناسب بات صادر ہوجائے جس سے آپ کو خفگی ہو اور میری آخرت تباہ ہوجائے۔

۲۔ میں صاحب عیال ہوں یعنی میرے چھوٹے بچوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوگی ان کے اخراجات کی زحمت ہوگی۔

۳۔ میری عمر زیادہ ہے۔

۴۔ یہاں مدینہ میں میرا کوئی ولی نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اعذار کے علی الترتیب حسب ذیل جوابات دیے:۔

۱۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہارا رشک ختم کردے۔

۲۔ تمہارے بچے میرے بچے ہیں اللہ ان کا متکفل ہوگا۔

۳۔ میری عمر تو تم سے کہیں زیادہ ہے۔

۴۔ تمہارا کوئی بھی ولی اس عقد نکاح کو ناپسند نہیں کرے گا۔ (السمط الثمین ص ۱۰۲، ۱۰۳ سنن نسائی کتاب النکاح الابن امہ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۳)

شوال ۴ھ (شرح الزرقانی علی المواھب المدینہ ج ۳: ۲۳۹) میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد نکاح میں آگئیں اور ام المومنین کے معزز لقب سے سرفراز ہوئیں۔ لیکن مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کا نکاح ان کے صاحبزادے سلمہ نے پڑھایا عمر بن ابی سلمہ نے یا عمر بن الخطاب نے دنیا میں یہ واقعات تو بے شمار ہوتے ہیں کہ مرد کو عورت کے صحیح حالات سے بے خبر رکھ کر بلکہ غلط بیانی کر کے نکاح کردیا گیا۔ لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

اس سلسلے میں جو کر دکھایا اس کی نظیر تاریخ عالم میں بہ مشکل ملے گی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کی شدید خواہش کے باوجود انھوں نے اعذار کے عنوان سے وہ باتیں پیش کر دیں جو نکاح میں حارج ہو سکتی تھیں تا کہ امانت و دیانت کا تقاضا پورا ہو اور عقد نکاح میں معمولی دھوکے کا بھی شبہ نہ رہے اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۵ سے ۳۰ سال کے درمیان تھی۔

دوسری امہات المومنین پر نکاح کا اثر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المومنین ہونے کے باوجود بشری جذبات واحساسات سے خالی نہیں تھیں نئی سوکن کے گھر میں داخلہ سے پرانی بیوی یا بیویوں کے دلوں پر جو کچھ گزرتی ہے وہ سب کو معلوم ہے ام چونکہ نسبی شرافت وغرت کے ساتھ ظاہری حسن و جمال اور علم و ذہانت میں بھی مشہور تھیں۔ عمر بھی زیادہ نہیں تھی اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بیویوں کو خدشہ وخطرہ ہوا کہ کہیں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے حسن و جمال اور فضل وکمال کی وجہ سے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل سے زیادہ قریب نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چہیتی اور کم عمر بیوی تھیں فرماتی ہیں۔

"جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تو مجھے شدید رنج وغم ہوا کیونکہ میں نے ان کے حسن و جمال کی تعریف سن رکھی تھی۔ ایک حیلہ سے میں نے ان کو دیکھا تو بخدا مجھے ان کا حسن و جمال اس سے دو چند محسوس ہوا جتنا مجھ سے بیان کیا گیا تھا۔ میں نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا نہیں یہ واقعہ نہیں ہے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتنی خوبصورت نہیں ہیں جتنا بیان کیا جاتا ہے لیکن رشک وغیرت سے آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہے۔"

اس کے بعد حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی حیلہ سے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا اس کے بعد کہا۔

"ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلاشبہ خوب صورت ہیں لیکن بخدا وہ اتنی خوبصورت نہیں جتنا کہ آپ بیان کر رہی ہیں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

"اس کے بعد میں نے پھر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غور سے دیکھا تو حفصہ کی بات صحیح معلوم ہوئی لیکن مجھے رشک وغیرت آرہی تھی۔" (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۴، شرح الزرقانی ج ۳ ص ۲۴۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسری تفصیلی روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ

"ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تاخیر سے تشریف لائے میں نے عرض کیا کہ آپ اب تک کہاں تھے؟ فرمایا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس۔ میں نے عرض کیا آپ کو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آسودگی نہیں ہوتی اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔" (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۰)

سوکنوں میں باہم رشک وغیرت کی بنا پر وقتی طور پر کچھ اختلافات کا ظہور ہونا تو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ امہات المومنین بھی عام سوکنوں کی طرح ہر وقت دست وگریبان رہتی تھیں۔ حدیث وسیرت کی کتابوں کا سرسری مطالعہ کرنے سے بھی یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات دنیا کی عام سوکنوں سے بالکل ممتاز تھیں۔ وہ ایک دوسری کی خوشی اور غمی میں برابر کی شریک ہوتی تھیں۔ ان کے باہمی تعلقات بڑے خوشگوار اور مخلصانہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف جب واقعہ افک کا طوفان اٹھا اس وقت دوسری ازواج مطہرات نے جو رویہ اپنایا وہ صنف نازک کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے اس سے دونوں کے مخلصانہ تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقام:

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حلم وخوش خلقی، فہم وفراست سے بہت جلد خانوادہ نبوی میں ممتاز مقام پیدا کر لیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل ودماغ سے بہت زیادہ قریب ہو گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر بہت اعتماد تھا۔ اہم معاملات میں ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ قربت واعتماد ہی کی بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۸ تا ۲۰۹) نے ان کے

بیٹے سلمہ کا اپنے چچا حضرت حمزہ کی صاحبزادی امامۃ سے نکاح کر دیا۔ ابوسلمہ سے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو اولاد تھی انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اولاد کی طرح پالتے ان کے اخراجات برداشت کرتے اور دینی و علمی تربیت فرماتے۔ ایک بار عمر بن ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دستر خوان پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے بیٹھے اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا۔ بیٹے قریب آ جاؤ۔ بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے کھاؤ برتن میں اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بخاری کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام)

بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق امہات المومنین میں ذہنی اعتبار سے دو جماعتیں تھیں (بخاری کتاب المناقب باب مناقب عائشہ) ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ دوسری جماعت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بقیہ ازواج مطہرات' دوسری جماعت کی سردار ([illegible] ص ۵۸۰) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ ان کے مکان میں بعض اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ عجب اتفاق ہے کہ حضرت ابو لبابہ (تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳ تا ۵۵ حوادث ۵) اور کعب بن مالک وغیرہ کی مغفرت اور توبہ قبول ہونے کے سلسلے میں آیتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے مکان میں نازل ہوئیں کعب بن مالک اپنا قصہ تفصیل سے بیان کرتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں۔

ایک تہائی رات باقی تھی اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہماری توبہ قبول ہونے سے متعلق آیت نازل ہوئی اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میرے معاملہ سے ہمدردی اور دلچسپی تھی' میری خیر خواہ تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کعب بن مالک کی توبہ قبول ہو گئی۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اسی وقت کسی کو بھیج کر انھیں قبول توبہ کی خوش خبری دیدوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو یہاں غیر معمولی بھیڑ لگ جائے گی۔ اور رات بھر تم لوگوں کا سونا مشکل ہو جائے گا۔ نماز فجر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں توبہ قبول ہونے کی اطلاع دی۔ خوشی سے آپ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ (بخاری کتاب التفسیر باب وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزاج شناسی اور خشیت الٰہی:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راحت وآرام کا بڑا خیال رہتا تھا۔اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کے خلاف ان سے کوئی کام صادر ہوتا تو فوراً توبہ واستغفار کرتیں۔اور تلافی کی پوری کوشش کرتیں۔لوگوں کو معلوم تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امہات المومنین میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت ہے۔اس لیے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا ہوتا وہ کوشش کرتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرے۔چند امہات المومنین کو اس صورت حال سے تکلیف تھی۔سب کی خواہش تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام میں اعلان فرمادیں کہ جسے ہدیہ پیش کرنا ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کردے خواہ آپ کسی کے مکان میں ہوں۔اس کا اہتمام نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی باری کے دن ہدیہ پیش کریں۔لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کون کرے۔کسی طرح کہہ سن کر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جماعت کی بیویوں نے انھیں بات کرنے پر تیار کیا۔انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ازواج مطہرات کی بات رکھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبار اعراض فرمایا اور تیسری بار فرمایا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیوں کہ عائشہ کے سوا تم میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں مجھ پر وحی آئی ہو۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا میں اس حرکت سے اللہ کے حضور میں توبہ کرتی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں (صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب عائشہ)

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے۔

ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ایک روز ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی۔نبی اکرم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کجاوہ سمجھ کر صفیہ کے کجاوہ کی طرف چلے آئے۔اور صفیہ سے باتیں کرنے لگے۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ دیکھ کر بڑی غیرت آئی۔جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی غلط فہمی کا علم ہوا اور دیکھا کہ یہ تو حضرت صفیہ کا کجاوہ ہے فوراً ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس چلے گئے۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (رشک وغیرت سے مغلوب ہو کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دیا۔میری

باری کے دن آپ اس یہودزادی سے ہم کلام تھے۔زبان سے یہ جملہ نکلنے کے فوراً انھیں بڑی ندامت ہوئی۔اور توبہ واستغفار کرنے لگیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیے۔جذبہ غیرت نے میری زبان سے ایسا سنگین جملہ نکلوادیا۔(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۵ تا ۹۶) محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت مزاج شناس تھیں۔آپ کی راحت رسانی کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔سفینہ (مسند احمد ابن حنبل ج ۶ ص ۳۱۹) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس شرط پر آزاد کیا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باحیات ہیں' ان کی خدمت لازم ہوگی۔

اصابت رائے کی ایک نادر مثال:

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ان کا کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔اس واقعہ سے ان کی غیر معمولی ذکاوت اور اصابت رائے' نیز نفسیات انسانی کے گہرے مطالعہ کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری کی روایت ہے کہ

"صلح نامہ لکھوانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ اکرام سے فرمایا کہ قربانی کرو اور حلق کر ڈالو۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر ایک شخص بھی کھڑا نہیں ہوا۔آپ نے تین بار یہ حکم دیا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا (چونکہ صلح نامہ کی شرطیں بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔اس لیے تمام حضرات رنجیدہ اور غصہ سے بے تاب تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔صحابہ کے رویہ کی شکایت کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔اپنے جانوروں کو قربان کر دیں پھر نائی کو بلوا کر بال منڈ والیں۔چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔جب صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قربانی کرتے اور بال منڈواتے دیکھا (یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں) تو سب نے قربانیاں کیں۔احرام اتارا' قربانی اور حلق کے لیے بے پناہ ہجوم ہوگیا۔(شرح الزرقانی علی المواہب الذین ج ۲ ص ۲۰۹)

امام الحرمین اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کر سکتی۔"

(صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ)

ایلا کا واقعہ:

۹ھ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا۔ تمام ازواج مطہرات کے لیے یہ حادثہ بڑا آزمائشی اور صبر آزما تھا۔ ازواج مطہرات کے بعض مطالبات کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفا ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس ناپسندیدہ صورت حال کا علم ہوا تو پہلے اپنی بیٹی حفصہ ام المومنین کے پاس تشریف لائے۔ اور انھیں سرزنش اور فہمائش کی حضرت عمر فرماتے ہیں اس کے بعد ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا کیوں کہ ان سے میری قرابت داری تھی (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے میں نے اس مسئلہ پر گفتگو کی تو انھوں نے جواب دیا۔

''عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ عجب معاملہ ہے تم ہر چیز میں دخل دینے لگے حتیٰ کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔''

عجباً لك يا ابن الخطاب دخلت في كل شئی حتی تبتغي ان تدخل بين رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وآله وسلم وازواجه

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جواب نے مجھے بالکل خاموش کر دیا۔ غصہ مدھم پڑ گیا۔ اور وہاں سے میں اٹھ کر چلا آیا۔ رات کو مجھے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ میں نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جملہ دہرایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ پورے انتیس دن تک امہات المومنین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا غم اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی اور ازواج مطہرات امتحان میں کامیاب ہوئیں۔

۱۱ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت کا سلسلہ شروع ہوا۔ دوسری ازواج مطہرات کی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی خدمت وفدائیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے اختیار چیخ پڑیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

صحبت نبوی سے استفادہ:

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحہ تک احکام

دین تعلیمات شریعت سیکھتی رہیں۔ ان کے ذریعہ اسلامی عقائد واحکام کا بڑا ذخیرہ آئندہ نسلوں تک پہنچا۔ کبھی کبھی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علمی' دینی سوالات کرتیں اور کبھی کبھی دوسری عورتوں کے سوالات ومشکلات خدمت نبوی میں پیش کر کے ان کا جواب معلوم کرتیں۔ غرضیکہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت وصحبت سے پورا فائدہ اٹھایا اور زندگی کے آخری لمحے تک علم دین کی شمع روشن رکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہمہ تن علم ودین کی خدمت اور نشر واشاعت میں مصروف ہوگئیں۔ طویل عمر پانے کی وجہ سے انھیں اس سعادت کا خوب موقع ملا۔ بڑے بڑے صحابہ جو خود اپنی اپنی جگہ پر علوم دینیہ کا سمندر تھے وہ بھی ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہیں تھے۔ صحابہ کرام میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہوتا تو ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کا قول قول فیصل ہوتا۔

ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اس مسئلہ پر اختلاف ہوا کہ جس عورت کا شوہر انتقال کر گیا ہو اور چار ماہ دس دن کی مدت پوری ہونے سے پہلے اس عورت کے بچہ پیدا ہوا وہ کہیں شادی کر سکتی ہے کہ نہیں؟ حضرت ابوہریرہ کی رائے تھی کہ عدت پوری ہوگئی اب وہ کہیں بھی شادی کر سکتی ہے۔ ابن عباس کی رائے تھی کہ اسے بہر صورت چار مہینے دس روز عدت گزارنی ہے۔ اس کے بعد ہی وہ نکاح کر سکتی ہے۔ دونوں حضرات نے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے ایک آدمی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے فرمایا۔ سبیعہ بنت الحرث کے ساتھ بالکل یہی صورت پیش ائی تھی۔ ان کے شوہر کی وفات کے پندرہ دن بعد سبیعہ کے یہاں ولادت ہوئی۔ دو آدمیوں نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے ایک رشتہ منظور کر لیا۔ گھر والوں کو خطرہ ہوا کہ نکاح کر لیں گی تو انھوں نے کہا تمہاری عدت پوری نہیں ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عدت پوری ہوگئی۔ جہاں چاہو نکاح کر لو۔ (مسند احمد ابن حنبل ج ۶ ص ۳۰۶ تا ۳۰۷)

علم وفضل' تفقہ وروایت میں ان کا مقام:

تمام صحابیات میں علم وفضل' کثرت روایت کے اعتبار سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوسرا نمبر ہے۔ محمود بن لبید کہتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیویاں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخزن تھیں۔لیکن ان میں کوئی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسر نہیں تھی۔ان سے مروی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد تین سو اٹھتر ہے بخاری (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۰) میں ان کی سولہ اور مسلم میں چھبیس روایتیں ہیں مسند احمد کی چھٹی جلد (مسند احمد ابن حنبل ص ۲۸۸) میں ان کی روایتیں یکجا دیکھی جا سکتی ہیں۔تفقہ اور اجتہاد میں ان کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ان کی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی مسلم تھی۔"

علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۲)

"فقہاء صحابیات میں ان کا شمار تھا۔"

ابن قیم نے لکھا ہے (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳)

"اگر ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔"

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں۔(الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۴)

"ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتہائی خوب صورت کامل العقل، صائب الرائے تھیں۔حدیبیہ کے موقع پر انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مشورہ دیا اس سے ان کے کمال عقل، اصابت رائے کا پتہ چلتا ہے۔"

روایت حدیث اور فقہ و فتاویٰ دونوں میں ان کا شمار صحابہ کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے جن کی روایات و فتاویٰ کی تعداد نہ بہت کم ہے نہ بہت زیادہ۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقہ و فتاویٰ اور روایت حدیث کے سلسلہ میں بعض اکابر صحابہ پر استدراک کرتیں، غلطی پر تنبیہ کرتیں اور عموماً صحابہ ان کی تنبیہ و استدراک کو حق بجانب قرار دیتے۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔(مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۰۸)

"ایک بار میں نے ابوہریرہ سے روایت سنی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح تک جنابت کی حالت میں رہے اس کا روزہ صحیح نہیں ہوتا۔میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے اس سلسلے میں دونوں سے دریافت کیا تو دونوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت جنابت میں صبح

کرتے پھر بھی روزہ رکھتے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہماری ملاقات ہوئی تو والد صاحب نے ان سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بیان کی تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے وہ حدیث بیان کی تھی۔ لیکن امہات المومنین اس سلسلے میں زیادہ واقف ہوں گی۔ اس کے بعد ابو ہریرہ نے اپنا فتوی واپس لے لیا۔"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے۔ مروان نے پوچھا۔ آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پڑھتے تھے۔ چونکہ اس سلسلے میں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حوالہ دیا اس لیے مروان نے تصدیق کے لیے ایک آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آدمی بھیجا گیا تو دریافت کرنے پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔

"خدا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹ تا ۳۰۶، صحیح بخاری کتاب السھو باب اذا کلم وھو یصلی فاشار بیدہ میں اس طرح واقعہ ہے۔) کی مغفرت کرے۔ انھوں نے میری بات نہیں سمجھی، کیا میں نے انھیں یہ نہیں بتلایا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔" (الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۴ تا ۲۲۵)

تلامذہ:

ان کے چشمہ فیض و عرفان سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کیوں کہ انھیں طویل عمر ملی، اور انھوں نے اپنے وقت عزیز کا بڑا حصہ علم دین کی خدمت میں صرف کیا۔ حافظ ابن حجر مکی الاصابہ میں لکھتے ہیں۔

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو سلمہ، فاطمۃ الزہرا سے روایت حدیث کی اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے صاحبزادے عمر، ان کے بھائی عامر، بھتیجے مصعب بن عبداللہ ان کے مکاتب نبہان وغیرہ نے روایت کی۔ صحابہ میں سے صفیہ بنت شیبہ، ھند بنت الحارث قبیصہ بنت ذویب، عبدالرحمن بن الحارث وغیرہ نے روایت کی۔ کبار تابعین میں سے ابو عثمان

ہندی ابووائل' سعید بن مسیب' ابوسلمہ ابن عبدالرحمن حمید بن عبدالرحمٰن عروہ' سلیمان بن یسار وغیرہ نے ان سے روایت کی۔"

اخلاق وعادات وزہد:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتی تھیں۔ ثواب کی متلاشی رہتی تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر وتبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو متنبہ کیا فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آکر کہا۔ اماں میرے پاس اس قدر مال جمع ہوگیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔ فرمایا۔ بیٹا اس کو خرچ کرو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میرے مرنے کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔ (سیر الصحابیات ص ۶۸ تا ۶۹)

جنگ جمل:

جنگ جمل اور صفین کے موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عملاً یکسو رہیں' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر سمجھتی تھیں۔ اور ان سے پوری ہمدردی تھی۔ ان کے صاحبزادے عمر بن ابی سلمہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جنگ جمل میں تشریف لے چلنے کی درخواست کی تو انھوں نے اپنے بیٹے عمر کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۸) ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا۔ حادثہ کی خبر سن کر دم بخود رہ گئیں اور غشی طاری ہوگئی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۸ تا ۲۰۹)

وفات اور سن وفات:

تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات امہات المومنین کے بعد ہوئی لیکن سن وفات میں شدید اختلاف ہے۔ بعض نے ۵۹ھ سن وفات تحریر کیا ہے بعض نے ۶۱ھ اور بعض نے ۶۳ھ اقوال میں تیسرا قول صحیح ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں۔ (الاصابۃ ج ۸ ص ۲۲۵)

''صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان یزید بن معاویہ کے دور خلافت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس لشکر کے بارے میں پوچھا جو زمین میں دھنسایا جائے گا۔ ان لوگوں نے یہ سوال اس وقت کیا جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک شامی لشکر مدینہ کی طرف روانہ کیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا۔ اور واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (الاستیعاب ج ۲ ص ۸۴۷ تا ۸۵۷، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۶) نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس گنجینہ علم وفضل کو بقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔''

طبقات ابن سعد (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۶) کی روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۸۴ برس تھی لیکن ذہبی (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۲) نے لکھا ہے کہ تقریباً ۹۰ نوے سال عمر ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد:

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سب اولادیں ابوسلمہ سے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اور ان کی پیدائش و حالات کے بارے میں سیرت نگاروں میں سخت اختلافات ہیں بعض نے ان کی اولاد کی تعداد تین لکھی ہے بعض نے چار اور بعض نے پانچ اور مختلف کتابوں سے ان کی حسب ذیل اولادوں کا سراغ ملا ہے:۔

سلمہ بن ابی سلمہ:

تقریباً تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ ان کی پیدائش حبشہ میں حبشہ کی پہلی ہجرت کے بعد ہوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح امامۃ بنت حمزہ بن عبدالمطلب سے کر دیا تھا۔ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت تک زندہ رہے۔ بعض سیرت نگاروں کی تحقیق یہ ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انھوں نے کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۴۰۹)

عمر بن ابی سلمہ:

ان کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟ اس سلسلے میں شدید اختلاف ہیں۔ جائے پیدائش کے سلسلے میں حبشہ' مکہ' مدینہ تینوں جگھوں کا نام لیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر کا قول ہے کہ عمر ابن ابی سلمہ مجھ سے دو سال بڑے ہیں۔ کچھ مصنفین نے لکھا ہے کہ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علی کے ہمراہ تھے۔ حضرت علی نے انھیں فارس اور بحرین کا حاکم مقرر کیا۔ ان سے بہت سی روایتیں ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۴۰۶'۴۰۷'۴۰۸' الاصابہ ج ۴ ص ۵۹۳)

زینب بنت ابی سلمہ:

ان کی پیدائش ایک قول کے مطابق حبشہ میں اور دوسرے قول کے مطابق مدینہ میں ابوسلمہ کی وفات کے بعد ۴ھ میں ہوئی۔ ان کا نام پہلے برہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رکھا۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸'۴۶۹' الاستیعاب/ ج ۴ ص ۷۵۵'۷۵۶)

درہ بنت ابی سلمہ:

ان کی پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے لیکن بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی یہ نکاح کے قابل ہوگئی تھیں۔ کیونکہ بخاری کی ایک روایت (بخاری کتاب النکاح باب وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِي فِي حُجُورِكُمْ اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۴۹ الاستیعاب ج ۷ ص ۴۴۹' الاستیعاب ج ۲۔ ۷۱۷) میں ہے کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے سنا کہ آپ درہ بنت ابی سلمہ سے عقد کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ یہ کیسے ممکن ہے اول تو اس کی ماں میرے نکاح میں ہے دوسرے اس کے باپ ابوسلمہ میرے رضاعی بھائی تھے۔

محمد بن ابی سلمہ (الاصابہ ج ۷ ص ۱۵)

ام کلثوم بنت ابی سلمہ (الاستیعاب ج ۲ ص ۷۹۴ تا ۷۹۵)

ام المومنین
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام' ام الحکم کنیت' قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام امیمہ تھا۔ جو عبدالمطلب جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر تھیں۔ اس بنا پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام:

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ اسد الغابہ میں ہے۔ (اسد الغابہ ج۵ ص۴۶۳)
كَانَتْ قَدِيْمَةَ الْإِسْلَامِ "قدیم اسلام تھیں"۔

نکاح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ تھے' ان کا نکاح کر دیا۔ اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا ہے' اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے' قریش اور خصوصاً خاندان بنو ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے' لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر اور ادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے۔ اس بنا پر اگرچہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظاہر غلام تھے۔ تاہم چونکہ (وہ مسلمان اور مرد صالح تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان

کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا) تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس لیے کیا تھا کہ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیں"۔

تزوجها ليعلمها كتاب الله وسنة رسوله (اسد الغابه ج ۵ ص ۴۶۳)

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا لیکن پھر تعلقات قائم نہیں رہ سکے۔ اور شکر رنجی بڑھتی گئی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی اور طلاق دینی چاہی:۔

"زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں"۔

جاء زيد بن حارثة فقال يا رسول الله ان زينب اشتد على لسانها وانا اريد ان اطلقها (صحيح ترمذی ۱ ص ۵۳)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار باران کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں۔ قرآن مجید میں ہے:۔

"اور جبکہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو"۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴿احزاب: ۵﴾

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے اور آخر حضرت زید نے ان کو طلاق دیدی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہن تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تربیت سے پلی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا۔ جوان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا (چونکہ زید غلام رہ چکے تھے اس لیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ نسبت گوارا نہ تھی) بہر حال وہ مطلقہ ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

''اورتم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کردینے والا ہے اورتم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے''۔

وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ ﴿احزاب : ۵﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' تم زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے گھر میں آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں' چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا! ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لایا ہوں'' جواب ملا ''میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ یہ کہا اور مصلی پر کھڑی ہوگئیں ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آئی۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا اور نکاح ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا انصار میں حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ تین سو آدمی شریک دعوت ہوئے کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں۔ باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرط مروت سے خاموش تھے بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اسی مکان میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا' اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے' اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی:۔

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کے تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔ اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو"۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَـٰظِرِينَ إِنَىٰهُ وَلَـٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَٱدْخُلُوا۟ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَٱنتَشِرُوا۟ وَلَا مُسْتَـْٔنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى ٱلنَّبِىَّ فَيَسْتَحْىِۦ مِنكُمْ ۖ وَٱللَّهُ لَا يَسْتَحْىِۦ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَـٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ﴿احزاب :۷﴾

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی۔ یہ ذوالقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں۔ ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کی متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی، مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزادہ و غلام کی تمیز اٹھ گئی۔ پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔ ولیمہ میں تکلف ہوا اسی بنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ازواج کے مقابلے میں فخر کیا کرتی تھیں۔ (ترمذی ص ۵۳۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴)

ازواج مطہرات میں جو بیویاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں۔ ان میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

"ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں"۔

هی التی کانت تسامینی منهن فی المنزلة عند رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم. (صحیح مسلم باب فضل عائشه)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی' یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس آئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب کیا۔ کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں۔ انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھتی جاتی تھیں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور و شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "کیوں نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح مسلم باب فضل عائشہ)

وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا:۔

"تم میں مجھ سے جلد وہ ملے جس کا ہاتھ لمبا ہوگا" اسرعلکن لحاقا بی اطولکن یدا

یہ استعارۃ فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیش گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا وہ شخص جوان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسامہ بن زید' محمد بن عبداللہ بن جحش' عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۹۱ مسلم ص ۳۴۱ ج ۲ اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی' واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔ لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے۔ عام روایت کے مطابق ان کا سن ۴۸ سال کا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا۔ (طبری ص ۲۴۴۹: ج ۱۳)

حلیہ:

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳)

فضل وکمال:

روایتیں کم کرتی تھیں کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں حضرت ام حبیبہ، زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی سلمہ، محمد بن عبداللہ بن جحش (برادرزادہ) کلثوم بن طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اخلاق:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

کانت زینب صالحة صوامة قوامة

''یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نیک خو، روزہ دار اور نماز گزار تھیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

لم ارى امراة قط خيرا فى الدين من زينب واتقى الله و اصدق حديثا واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذ الا لنفسها فى العمل الذى تصدق به و تقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع منها الفية

''یعنی میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ دین دار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی، جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی''۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حمنہ شریک تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہ دیا:۔

''مجھ کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھلائی کے سوا ما علمت الا خیرا کسی چیز کا علم نہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے اس صدق و قرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے' حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے درگزر کرو۔ یہ اواہ ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں' خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقرا اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا گئے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا' انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو۔ برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے' دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی خدایا' اس سال کے بعد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا۔

ام المومنین
حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''ام حبیبہ نے امت مسلمہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسروں پر فوقیت دی اور انہیں کفر میں دوبارہ جانا اس طرح ناگوار خاطر تھا جس طرح کہ آدمی کو یہ بات ناپسند ہے کہ وہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ (مورخین)

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہم وگمان میں یہ بات نہ تھی کہ قریش کے کسی فرد کو ان کے حکم سے سرتابی کی مجال ہوگی یا کسی اہم معاملہ میں ان کی مخالفت کر سکے گا کیونکہ آپ مکہ معظمہ کے مانے ہوئے سردار اور وہاں کے لیڈر تھے جن کی اطاعت وفرمانبرداری کا دم بھرا جاتا ہے۔

لیکن آپ کی صاحبزادی ام حبیبہ رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے باپ کے دین کا انکار کر کے اور اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ ایمان قبول کر کے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر کے اس گمان کے پرخچے اڑا دیے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بھرپور طاقت کے بل بوتے پر اپنی لڑکی اور اس کے شوہر کو اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ ایمان جو حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں پیوست ہو چکا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ حضرت ابو سفیان کی تندی اس کو روک سکتی' وہ اتنا راسخ اور جڑ پکڑ چکا کہ ان کا غصہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اسلام کی وجہ سے حضرت ابو سفیان کو فکر دامن گیر ہوگئی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس منہ سے قریش کا سامنا کریں جب کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنی مرضی کے تابع نہ رکھ سکے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے نہ روک سکے۔

قریش نے جب ابوسفیان کو حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر پر ناراض پایا تو ان دونوں کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ اور ان پر عرصہ حیات تنگ کرنے لگے اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ یہاں تک کہ ان دونوں کے لیے مکہ معظمہ میں زندگی گزارنا مشکل ہوگیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوسفیان اور آپ کی چھوٹی بچی حبیبہ اور شوہر عبید اللہ جحش مہاجرین کے اس پہلے دستہ میں شامل ہو گئے جو اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اپنے ایمان کو لے کر نجاشی کے ملک میں پہنچے تھے۔

لیکن ابوسفیان اور آپ کے ساتھ دوسرے سرداران قریش کو یہ بات بڑی گراں گزری کہ مسلمانوں کا یہ گروہ ان کی دسترس سے باہر ہو جائے اور ملک حبش میں آرام وسکون کی زندگی گزارے۔

انہوں نے نجاشی کے پاس اپنے فرستادے اس غرض سے بھیجے کہ وہ اسے مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں اور اس سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دے اور اس سے اس بات کا بھی تذکرہ کریں کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں تاکہ نجاشی مشتعل ہو جائے۔

نجاشی نے مہاجرین کے سرداروں کو بلوایا اور ان سے ان کے دین کی حقیقت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں اس کی حیثیت دریافت کیا اور ان سے کہا اپنے نبی پر نازل شدہ قرآن کا کچھ حصہ سنائیں۔

جب ان حضرات نے اس کو اسلام کی حقیقت سے روشناس کیا اور قرآن پاک کی مختصر آیات کی تلاوت کی تو اس پر گریہ طاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور فرمایا: بے شک تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کلام اتارا گیا اور جو کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام لے کر آئے دونوں ہی ایک منبع نور سے نکلے ہوئے ہیں۔"

پھر انہوں نے خدائے وحدہ لاشریک لہ پر اپنے ایمان لانے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا اعلان فرمایا۔

اور ان مسلمانوں کی حمایت کا اعلان کیا جو ان کے ملک میں ہجرت کر کے آئے تھے اور ان کے برخلاف ان کے پادریوں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے دین نصرانیت پر قائم رہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے بعد خیال کیا کہ حالات بعد از خرابی بسیار معمول پر آ چکے ہیں اور مصائب وآلام کی راہوں کا لمبا سفر امن وامان کے گلزار پر آ پہنچا ہے لیکن تقدیر نے اپنے دامن میں کیا چھپا رکھا تھا اس سے بے خبر تھیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسے سخت امتحان سے دو چار کرے کہ جس میں عقل مند مردوں کی عقلیں گم ہو جائیں اور جس کے سامنے داناؤں کی دانائیاں کام نہ دیں۔

اسے یہ بھی منظور تھا کہ انہیں اس سخت آزمائش سے ایسی کامیابی عطا فرمائے کہ یہ کامیابی کی چوٹی پر بیٹھی نظر آئیں۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بستر پر آرام کرنے آئیں تو انہوں نے خواب دیکھا کہ ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش ایسے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں غوطہ کھا رہا ہے جس کو تہہ بہ تہہ ظلمتوں اور تاریکیوں نے گھیر رکھا ہے اور بڑے برے حال میں گرفتار ہے۔ اس منظر سے آپ نیند میں گھبرائیں اور پریشان ہو کر اٹھ بیٹھیں۔

اپنے اس خواب کا تذکرہ شوہر سے یا کسی اور سے کرنے کو دل نہ چاہا۔ لیکن ان کے خواب نے جلد ہی حقیقت کا جامہ پہن لیا۔ ابھی اس منحوس رات کا دن پورا بھی نہ ہو کہ عبید اللہ بن جحش اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور نصرانیت قبول کر لی۔

پھر وہ شراب خانوں میں شراب سے شغل کرنے لگا اور شراب نوشی سے کبھی سیر نہ ہوتا۔ اور آپ کو دو باتوں میں اختیار دے دیا جس کا شیریں جام بھی تلخ ہی تھا۔

یا تو طلاق دے دی جائے......

یا نصرانیت قبول کر لیں......

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اچانک اپنے آپ کو تین چیزوں کے درمیان پایا۔

یا تو اپنے شوہر کی بات مان لیں جو انہیں نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دے رہا تھا اور اس طرح اپنے دین سے مرتد ہو جائیں (معاذ اللہ) اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب مول لے لیں۔

اور یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ وہ اسے نہیں کریں گی خواہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈی سے گوشت نوچ لیا جائے۔ یا مکہ معظمہ اپنے باپ کے گھر چلی جائیں جو ابھی تک شرک کا قلعہ اور اس کی پناہ گاہ ہے اور وہاں بے یار و مددگار اپنے دین پر مغلوب زندگی بسر کریں۔ اور یا ملک حبشہ میں تنہا دھتکاری ہوئی وطن سے دور بے یار و مددگار پڑی رہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تیسرے راستے کو ترجیح دی اور حبشہ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہاں تک کہ خدا اپنی جانب سے کوئی کشادگی اور فراخی کا راستہ پیدا کردے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ابھی آپ کے اس شوہر (جو نصرانیت قبول کرنے کے بعد زیادہ دنوں زندہ نہ رہا) کی عدت کا زمانہ ختم نہ ہوا تھا کہ فراخی کا دور آ گیا۔ سعادت اور خوشی بختی کا سایہ آپ کے غمگین گھر پر رحمت کی گھٹا بن کر آیا۔

ایک روشن اور چمکتی صبح آپ کے دروازے پر دستک ہوئی دروازہ کھولا تو بادشاہ نجاشی کی خادمہ خاص ''ابرہہ'' کو سامنے کھڑا پایا۔

تو آپ نے نہایت ادب اور بشاشت سے اسے سلام کیا۔ اس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے داخلہ کی اجازت چاہی اور کہا۔

بادشاہ سلامت آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے شادی کا پیغام دیا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہ سلامت کے نام ایک دستاویز بھیجی ہے اور اس میں انہیں (بادشاہ نجاشی کو) اس کا وکیل بنایا ہے کہ وہ ان سے آپ کا نکاح کردیں اس لیے آپ جسے چاہیں اپنا وکیل بنادیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور بلند آواز سے کہا ''خدا آپ کو بھلائی کی بشارت دے اور خوشخبری سے نوازے۔''

اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے جسم کے زیورات اتارنے لگیں پہلے اپنے دونوں کنگن نکال دیے اور کہا ''ابرہہ'' کو دے دینا...... پھر ان دونوں کنگنوں کے ساتھ اپنی پازیب بھی شامل کردی پھر اس کے ساتھ اپنی دونوں بالیاں اور انگوٹھیاں (اتار کر) انہیں دے دیں۔ صرف یہی نہیں اگر ساری دنیا کے خزانے کی بھی مالک ہوتیں تو اس لمحہ انہیں سب دے دیتیں۔

پھر فرمایا:۔

''میں نے اپنے بارے میں خالد بن سعید بن عاص کو وکیل بنادیا ہے۔ کیونکہ لوگوں میں وہ مجھ سے زیادہ قریب ہیں۔

بادشاہ نجاشی کے اس محل میں جو درختوں سے مالا مال ٹیلے پر تھا اور حبشہ کے خوشنما و دیدہ زیب باغات میں سے ایک باغ کے حسن و جمال سے اس کی نگاہیں لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

اور اس محل کے ایک ایسے وسیع و عریض ہال میں جو دلفریب نقش و نگار سے آراستہ اور چمکدار نقاشی قندیلوں سے سجا ہوا اور بیش بہا ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت موجود تھی اور ان کے سردار حضرت جعفر بن ابی طالب' خالد بن سعید بن العاص' عبداللہ بن حذافہ سہمی اور ان کے علاوہ حضرات موجود تھے تا کہ حضرت ام حبیبہ کے عقد کا منظر دیکھ سکیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے ہو جا رہا تھا۔

جب مجمع اکٹھا ہو گیا تو بادشاہ نجاشی نے مجلس کی صدارت کی اور کہا۔

"میں ایسے خدا کی حمد کرتا ہوں جو پاک ہے' پناہ دینے والا اور بامروت ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ذات مقدس ہیں جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔

امابعد

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس بات کی خواہش فرمائی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوسفیان سے کردوں' تو میں نے آپ کی اس خواہش کو قبول کیا اور امت مسلمہ کے طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے میں نے ان کا مہر چار سو دینار مقرر کیا ہے۔

پھر انہوں نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کے سامنے دیناروں کا ڈھیر لگا دیا۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

"تمام تعریفیں خدا کے لیے ہیں۔ میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں اور اس سے مغفرت کا طالب ہوں اور اسی سے توبہ کرتا ہوں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں جنہیں دین ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غلبہ اور طاقت بخشے' اگرچہ کفار ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔"

امابعد

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو قبول کیا اور اپنی موکلہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوسفیان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا۔

خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی زوجہ کے بارے میں برکت دے اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ بھلائی مبارک ہو جس کو خدا نے ان کی قسمت میں لکھ دیا۔ پھر آپ نے مال اٹھایا اور چاہا کہ اس مال کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچائیں تو آپ کے ساتھی آپ کے اٹھنے کی وجہ سے اٹھ گئے اور واپس ہونا چاہا۔ تو حضرت نجاشی نے فرمایا:۔

''آپ لوگ بیٹھ جائیں کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے کہ جب شادی کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس نے ان کے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ سب لوگوں نے کھایا اور رخصت ہو گئے۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

''جب مال میرے پاس پہنچا تو میں نے ابرہہ کے پاس پچاس ۵۰ مثقال سونا بھیجا اور میں نے کہا۔ جس وقت آپ نے مجھے خوش خبری سنائی تھی تو میں نے آپ کو جو دینا تھا دیا' اور میرے پاس اس روز مال نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ابرہہ میرے پاس آئیں اور خوشبو کا ایک بکس نکالا جس میں وہ زیورات تھے جو میں نے انہیں دیے تھے' انہوں نے زیورات بھی میرے حوالے کیے اور کہا:

''بادشاہ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں آپ سے کچھ بھی نہ لوں''

اور انہوں نے اپنی عورتوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنے پاس موجود عطریات کو آپ کی خدمت میں پیش کریں۔

دوسرے روز وہ میرے پاس ورس (ورس ایک طرح کا سبز پودا ہوتا ہے جس سے زعفران کا کام لیا جاتا ہے) اور عنبر لے کر آئیں' پھر مجھ سے کہا:۔

مجھے آپ سے ایک کام ہے۔

میں نے کہا۔ ''کیا کام ہے۔؟''

انہوں نے کہا:۔

''میں مسلمان ہو چکی ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کر چکی ہوں اس لیے آپ میری جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا اسلام کہہ دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع بھی کر دیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا چکی ہوں۔ آپ بھولیے گا نہیں۔'' پھر انہوں نے میرا زادِ سفر تیار کیا۔

اس کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ جب میری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکاح کے سلسلے میں پیش آمدہ واقعات بتلائے اور ابرہہ کے ساتھ میں نے جو معاملہ کیا تھا اس کے بارے میں بھی بتلایا۔ اور ان کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کہہ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خبر سے مسرور ہوئے اور فرمایا۔

''اس پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔''

ام المومنین
حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی تھیں سلسلہ نسب یہ ہے (حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک) والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ جو مشہور صحابی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں' حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر حقیقی بھائی بہن ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعثت نبوی سے ۵ سال قبل پیدا ئیں' اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح:

پہلا نکاح خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذافہ سے ہوا جو خاندان بنو سہم سے تھے۔

اسلام:

ماں باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی:

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ غزوہ بدر میں خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زخم کھائے اور واپس آ کر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ عدت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی۔ اسی زمانہ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے۔ اور ان سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا۔ چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تو صاف انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا۔انہوں نے خاموشی اختیار کی۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا'اس کے بعد خود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی خواہش کی' نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا۔لیکن میں نے اس بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا۔اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے نکاح کا قصہ نہ ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔

وفات:

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔یہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔نماز جنازہ پڑھائی۔اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا۔اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازہ کو قبر تک لے گئے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے لڑکوں عاصم' سالم' عبداللہ حمزہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سنہ وفات میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں وفات پائی۔اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا۔یہ روایت اس بنا پر پیدا ہوگئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا۔حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی سال وفات پائی۔افریقہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔لیکن یہ سخت غلطی ہے۔افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا اس دوسری فتح کا فخر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خدیم کو حاصل ہے' جنہوں نے امیر معاویہ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی۔جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔

اولاد:

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال:

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ صفیہ بنت ابوعبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روحہ عبداللہ حارثہ بن وہب مطلب بن ابی وادعہ۔ ام مبشر انصاریہ۔ عبداللہ بن صفوان بن امیہ۔ عبدالرحمٰن بن حارث بن حشام حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں۔ جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تھیں۔

تَفَقُّهُ فِي الدِّيْن کے لیے واقعہ ذیل کافی ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعتراض کیا کہ خدا تو فرماتے ہیں۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا تم میں ہر شخص وارد جہنم ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں' لیکن یہ بھی تو ہے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا' پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوں پر گرا، اچھوڑ دیں گے۔

اس شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی۔ حضرت شفاؓ کو چیونٹی کے کاٹنے کا منتر آتا تھا۔ ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ تم حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منتر سکھلا دو۔

اخلاق:

ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے:۔

"وہ (یعنی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں"۔ اِنَّهَا صَوَّامَةٌ وَ قَوَّامَةٌ

دوسری روایت میں ہے:۔

"انتقال کے وقت تک صائم رہیں"۔ مَاتَتْ حَفْصَةُ حَتّٰى مَا تَفْطَرَ

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں' تاہم شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کردے۔

دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا۔ دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علامتیں بتائی تھیں۔ اس میں بہت سی تھیں اس سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے اس کو بہت سخت سست کہا اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر ہوئی تو بولیں تمکو اس سے کیا غرض۔ تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی کبھی دوبدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منقول کیا ہے کہ ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے۔ اسلام نے ان کو درجہ دیا۔ اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر ومنزلت معلوم ہوئی ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی۔ میں نے کہا۔ تم کو رائے ومشورہ سے کیا واسطہ بولیں ابن خطاب تم کو ذراسی بات کی بھی برداشت نہیں۔ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ میں اٹھا اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی میں نے سنا ہے' تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو بولیں ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں (تم اس عورت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ مجھ کو حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد ہوا تم یہودی کی بیٹی ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدا سے ڈرو۔

پھر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد ہوا تم نبی کی بیٹی ہو۔ تمہارا چچا پیغمبر ہے۔ اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم پر کس بات پر فخر کر سکتی ہے۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں۔ ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناگوار گزرا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں جو تقرب نبوی میں دوش بدوش تھے اس بنا پر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ھ میں پیش آیا اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا۔ ایک دفعہ کئی دن تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو"۔

کبھی کبھی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو نہ پایا تو اپنے پیروں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں خداوند! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔!

ام المومنین
حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آ کر آپ کی شریک حیات ہونے کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی جن گیارہ خواتین کو سعادت حاصل ہوئی ان میں سے ایک حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں اور ان کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان کے بعد پھر کسی دوسری عورت کو آپ کے نکاح میں آنے اور آپ کے حرم میں داخل ہونے کی سعادت نہیں حاصل ہوئی۔

نام ونسب:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام ''برہ'' تھا' جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو آپ نے برہ کے بجائے ''میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' نام تجویز فرمایا۔

آپ کے والد کا نام ''حارث'' تھا' اور والدہ کا نام ''ہندہ'' تھا جو عوف کی صاحبزادی تھیں جن کا تعلق بنو حمیر سے تھا' اور آپ کے والد صاحب ''قریش'' کی ہی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے جس کو ''بنو ہلال'' کہا جاتا تھا۔ اس لیے آپ کو ''ہلالیہ'' کہا جاتا ہے۔ آپ کے خاندان کا سلسلہ نسب سترہویں پشت میں قریش کے اجداد میں سے ''مضر بن نزار بن معد بن عدنان'' پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہنیں اور ان کی قرابتیں:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دس سے زائد بہنیں تھیں جن میں سے چار ان کی حقیقی بہنیں تھیں اور باقی ماں شریک تھیں۔

ان میں سے بعض کے ازدواجی رشتے صرف ان بہنوں کے حق میں ہی سعادت وشرافت کا باعث نہ تھے۔ بلکہ پورے خاندان کے لیے عزت وافتخار کا باعث تھے۔

حقیقی بہنوں میں سے ام الفضل لبابہ کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ اور مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھیں اور لبابہ صغریٰ

حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں یعنی حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ تھیں۔

سوتیلی بہنوں میں سے حضرت اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا اور تینوں سے اولاد ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ یہی ہیں اور سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمیس حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں اس طرح ان کے کئی بھانجوں کو صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ اور اس سلسلہ میں اس سے بڑھ کر عزت کیا ہوگی کہ ان کی ایک سوتیلی بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ بھی امہات المومنین میں سے ہیں جن کا لقب ''ام المساکین'' تھا۔

نکاح:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا نکاح ۳۶ سال کی عمر میں ہوا اس سے پہلے ان کے دو نکاح ہوئے۔ پہلا نکاح بنو ثقیف کے ایک شخص مسعود بن عمرو سے ہوا جس سے طلاق ہوگئی تو حضرت ابورہم بن عبد العزیٰ سے نکاح ہوا ۷ھ میں ان کا انتقال ہوگیا تو اسی سال ذیقعدہ کے مہینے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا نکاح ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کی نوبت یوں آئی کہ شوہر کے انتقال کے بعد ان کی بہن اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان سے نکاح کا ذکر کیا تو انہوں نے بہن کو اختیار دیا کہ جو مناسب سمجھیں کریں حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا ذمہ دار بنایا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کرنا منظور فرمالیا۔ اور یہ نکاح ایک سفر میں ہوا ذیقعدہ ۷ھ میں آپ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کے قصد سے نکلے راستے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے قریب ''سرف'' نامی ایک مقام میں ان سے نکاح کرلیا اور اس کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ عمرہ ادا کیا۔ عمرہ کے بعد آپ مزید قیام کرکے وہیں رخصتی کرانا

چاہتے تھے۔ مگر چونکہ اس موقعہ پر مکہ مکرمہ آپ کا تشریف لانا قریش کے شرط کے مطابق تین دن کے لیے ہوا تھا اس لیے مزید قیام نہ کر سکے اور واپسی میں مقام سرف پر ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ تنہائی فرمائی۔ اور بعض روایات کے مطابق آپ نے اس نکاح کے ولیمہ سے زیادہ عالیشان ولیمہ کسی نکاح کے بعد نہیں کیا۔

ان کے نکاح کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سورہ احزاب کی مذکورہ ذیل آیت میں جن صحابیہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کے لیے پیش کیا تھا وہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں۔

ارشاد ربانی ہے:۔

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۝ ﴿الاحزاب : آیت ۵﴾

''اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں (ہم نے آپ کے لیے حلال کیا ہے۔)''

اس صورت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کرانے واسطہ بننے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی اس آرزو و پیش کش کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرمایا۔

فضل وکمال:

ان کا فضل وکمال ان کی خاندانی نسبت اور ان کے اقارب کی شرافت وعزت سے ظاہر ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں ہونے سے بڑھ کر جیسے کوئی عزت نہیں ہوسکتی ویسے ہی جس کا تعلق آپ کے حرم سے ہوا اور جس کو آپ کا محرم راز ہونے کی سعادت حاصل ہو اس کے اندر جو بھی فضل وکمال ہو کم ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آ کر آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا شرف صرف سوا تین سال کے لیے آپ کو حاصل ہوا۔ لیکن یہ بھی بہت تھا پھر یہ کہ صحابیت کا شرف تو آپ کو پہلے سے حاصل تھا' اس لیے آپ جامع فضائل وکمالات تھیں دوسری ازواج مطہرات کی طرح آپ بھی فقیہ تھیں اور احادیث کی روایت کیا کرتی تھیں آپ سے کتب حدیث میں ۷۶ روایات مروی ہیں۔

علمی فیض:

دیگر امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح آپ کے علمی فیض سے امت یوں بہرہ ور ہوئی کہ بہت سے صحابہ وتابعین نے آپ سے استفادہ کیا جن میں آپ کے متعدد بھانجے اور آپ کے گھر وگھرانہ کے غلام و باندیاں بھی شامل ہیں۔آپ سے استفادہ کرنے والے بھانجوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شخصیت سب سے اہم ہے کہ ان کو حضرات صحابہ بھی ترجمان القرآن کہا کرتے تھے اور غلاموں میں سے آپ کے غلام حضرت یسار کے تینوں صاحبزادگان عطا' سلیمان وعبد الملک کہ ان تینوں حضرات کا شمار اکابر اہل علم وفقہاء تابعین میں ہوتا ہے۔بالخصوص حضرت عطاوسلیمان بڑے عابدوزاہد تھے۔

زہدوتقویٰ:

بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں۔حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کا فضل وکمال معروف ہے وہ فرمایا کرتی تھیں کہ ازواج مطہرات کی جماعت میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔

منکرات پر نکیر:

اسی کا اثر تھا کہ جب کوئی نامناسب بات سامنے آتی تو فوراً تنبیہ کرتیں چنانچہ اپنے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو متعدد بار ٹوکا' معلوم ہوا کہ وہ اہلیہ کے ایام کی مدت میں اپنے بستر کو ان سے دور کر لیتے ہیں تو ان کو تنبیہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا ایسے ہی یہ معلوم ہوا کہ ان دنوں میں وہ اہلیہ سے اپنے بالوں میں کنگھا نہیں کراتے۔تو فرمایا کہ آخر ہاتھ میں اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔

جہاد میں شرکت:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنگ وجہاد سے بھی دلچسپی تھی اور فنون حربیہ سے بھی واقف تھیں اور ان چیزوں کا ان کو اتنا اہتمام تھا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلی عورت ہیں کہ جنہوں

نے عورتوں کی با قاعدہ ایک جماعت بنائی تھی جو کہ جہاد میں شریک ہوتی اور مجاہدین کی بھرپور خدمت اور دیکھ بال کرتی یعنی مریضوں کی تیمارداری زخمیوں کی مرہم پٹی اور میدان جنگ کے پیاسوں کو پانی پلاتا حتیٰ کہ ایک جنگ میں انہیں خدبات کی انجام دہی کرتے ہوئے دشمنوں کے ایک تیر نے ان کو بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ مگر اللہ نے ان کو زندگی عطاء فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی انہوں نے اس کام کا انجام دیا چنانچہ غزوہ تبوک میں وہ شریک تھیں اور اسی انداز کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھیں۔

وفات:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اللہ نے ان کو طویل عمر عطا فرمائی تا کہ امت ان سے فیض یاب ہو سکے ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۳۶ سال کی عمر میں ہوا تھا اور وفات اسی سال کی عمر میں راجح قول کے مطابق ۵۱ ھ میں ہوئی۔ اور عجیب اتفاق یہ کہ مقام ''سرف'' جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے نکاح فرمایا تھا۔ اور آپ سے تنہائی فرمائی تھی اسی مقام پر ان کا انتقال ہوا اور اسی مقام پر تدفین ہوئی (اس مضمون کی تیاری میں ''اعلام النساء'' (عمر رضا کحالہ) سیرت ابن ہشام ''سیرت ابن قتیبہ'' ''رحمۃ للعالمین'' ''سیر صحابیات'' اور ''زوجات النبی'' محمد الصواف وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔)

ام المومنین

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبیلہ بنونضر کے سردار حی بن اخطب کی صاحبزادی اور رحمت عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریک حیات ہیں' ان کا اصلی نام زینب ہے جنگ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور اس میں سے جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا اس میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ مال غنیمت کے اس مخصوص حصہ کو جو بادشاہ یا امام کے لیے ہو عرب میں صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا جاتا تھا' اسی مناسبت سے حضرت زینب کا نام صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پڑ گیا اور اسی نام سے ان کی شہرت ہو گئی۔

حرم نبوی میں داخل ہونے سے پہلے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مختلف اشخاص کے نکاح میں رہیں جنگ خیبر میں جب مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی اور بہت سارا مال غنیمت ہاتھ آیا تو اس موقع پر ایک صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک باندی کا درخواست پیش کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں یہ حکم دیا کہ وہ انتخاب کر لیں چنانچہ انھوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چن لیا لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر و قریظہ کو حضرت دحیہ کلبی کو دے دیا حالانکہ وہ صرف آپ کے لیے سزاوار ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں جیسا سلوک مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ کو ایک دوسری باندی دے دی اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد فرما کر خود ہی نکاح کر لیا اور اس طرح اپ نے ان کو حرم نبوی میں داخل فرمالیا......

یہ سب کچھ مقام خیبر ہی میں ہو گیا۔ خیبر سے روانہ ہونے کے بعد کیا ہوا۔ اسے صاحب سیرت الصحابیات نے بخاری' مسلم' اصابہ اور طبقات کے حوالے سے اس طرح لکھا ہے:۔

"خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس موجود تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر

سوار کرلیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کرلیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوگئیں۔" (سیر الصحابیات ص ۸۵)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیگر ازواج کے مقابلے میں کوتاہ قد تھیں مگر قدرت نے حسن و جمال سے نوازا تھا چنانچہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے پستہ قد ہونے کے متعلق چند جملے اپنی زبان سے نکال دیے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو نے یہ ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر اسے سمندر میں چھوڑ دیا جائے تو اس میں مل جائے۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ اتنی سخت اور گندی بات ہے کہ سمندر کا پانی بھی اس سے گندہ اور گدلا ہو جائے۔

حرم نبوی میں داخل ہونے کے بعد ان کی زندگی میں یک بیک بڑی تبدیلیاں ہوگئیں۔ اور ام المومنین اور زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی وجہ سے ایسا ہونا بالکل ہی فطرت کا تقاضا تھا دیگر ازواج کی طرح انھوں نے علم وعمل میں پختگی اور پائیداری حاصل کی۔ حدیثیں روایت کیں۔ اور لوگوں کو مسائل بھی بتائے ایک طرح سے حضرت صفیہ بھی علم وفضل کا امام ہوگئیں۔ ان سے دریافت کرنے کے سلسلے میں مسند میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:۔

حضرت صہیرہ بنت حیفر حج کر کے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مدینہ میں آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کے لیے بیٹھی ہوئی تھیں صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا اس لیے انھوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے۔ ایک فتویٰ نیند کے متعلق تھا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھا کرتے ہیں۔ (بحوالہ سیر الصحابیات)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محاسن اخلاق کی پیکر جمیل تھیں۔ علم وفضل اور بردباری نیز صبر وتحمل کا سراپا مجسمہ تھیں۔ یہی وہ فطری صلاحیت تھی جس کی بنا پر دوسروں کی کڑوی کسیلی بات کو بھی نظر انداز کر دیا اور ضبط کر کے رہ گئیں۔ انہی اخلاقی خوبیوں نے ان کی ذات کو بلند اور روشن بنایا۔ ان اخلاقی خوبیوں کا وجود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے ہوا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صبر وتحمل کے واقعات کتب سیر میں موجود ہیں ہم ان میں سے اس مقام پر صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

شکایت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں حضرت عمر نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے البتہ میں یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں وہ میرے خویش و اقارب ہیں اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولیں ہاں! مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا" حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہوگئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا" (سیر الصحابیات بحوالہ اصابہ)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غایت درجہ کی محبت تھی اس بات میں بھی مختلف کتب احادیث میں کئی روایتیں مذکور ہیں۔

جمعۃ الوداع کے سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ کے بیٹھ جانے کی وجہ سے قافلہ سے پیچھے رہ گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی زار و قطار رو رہی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی چادر اور اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔ آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے وہ برابر روتی جاتی تھیں۔

ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بیمار ہوئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی حسرت کا اظہار ان لفظوں میں کیا" کاش کہ آپ کی بیماری مجھ کو لگ جاتی۔ اتنا زبان سے نکالنا تھا کہ دیگر ازواج مطہرات نے ان کو گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" یہ جو کچھ کہہ رہی ہیں سچ ہے یعنی اس میں ریا اور کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔"

اصابہ میں ابن سعد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بہت زیادہ محبت تھی چنانچہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کر رہے تھے ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زائد اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دو۔ اس پر انھوں نے برجستہ عرض کیا کہ میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا سننا کہ وہ ان سے سخت ناراض ہو گئے اور دو مہینے تک ان کے پاس نہیں گئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فیاضی اور جود و سخا کے متعلق سیر الصحابیات نے زرقانی کے حوالے سے ان الفاظ میں شہادت نقل کی ہے۔

''حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ازواج مطہرات کو سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔ کھانا عمدہ پکاتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں۔''

الغرض حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان تمام اخلاقی خوبیوں اور علمی کمالات اور تمام فضائل ومناقب سے آراستہ و پیراستہ تھیں جو ام المومنین ہونے کے لیے ایک حد تک ضروری تھے حق تعالیٰ شانہ نے ان خوبیوں سے ان کو نوازا تھا کہ حرم نبوی میں رہ کر دنیا میں آنے والی خواتین کے لیے ایسی مثالی راہ بنائیں جو منارہ نور و عرفان ہو اور رہتی دنیا تک کی خواتین اس نور و عرفان کے منارہ سے روشنی حاصل کرتی رہیں۔

ہر حیات کے ساتھ موت کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔ آدم سے ایں دم تک موت کے بے رحم پنجہ نے کسی کو ایک لحہ کی مہلت نہیں دی اور اس نے انسان کو اپنا لقمہ اجل بنا لیا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اسی موت کے نتیجہ میں رمضان ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں دار بقا کی راہ لی اور جنت البقیع میں دفن کر دی گئیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

ام المومنین

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام نامی جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عرب کے مشہور قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ مصطلق سے تعلق رکھتی تھیں' آپ کے والد حارث بن ابی ضرار اپنے خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی خاندان میں مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ اور شوہر دونوں اسلام کی دشمنی میں بہت آگے تھے اور اسی کے لیے انہوں نے فوج تیار کر کے مدینہ پر چڑھائی کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ تحقیقات کرائی جس سے حقیقت معلوم ہوئی کہ ایک فوج مدینہ پر حملہ کرنے آ رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لشکر تیار کیا اور مدینہ سے نکل کر مریسع میں جو مدینہ سے نو ۹ منزل دور ہے قیام کیا مختصر جنگ کے بعد دشمنوں کے پیر اکھڑ گئے اور بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا جن میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں رئیس عرب ہوں میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی آپ اس کو آزاد کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خود جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے' یہ سن کر حارث نے جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری مرضی پر رکھا ہے دیکھو میری بات خراب نہ کرنا یہ سن کر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں' اس پر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ نے ان کا زرفدیہ ادا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

یہ نکاح ہونے پر صحابہ کرام نے فوراً سارے قیدیوں کو رہا کر دیا کہ جس خاندان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کر لی ہے اس کا کوئی آدمی غلام نہیں رہ سکتا۔ اس طور پر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت جوہریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ربیع الاول ۵۰ ھ میں دار فانی سے کوچ کیا۔ اس وقت سن مبارک ۶۵ برس کا تھا اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئیں۔ اپنے قبیلہ کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام برہ تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل کر کے جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رکھا۔

انتقال:

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوبصورت اور موزوں اندام تھیں اور صاحب علم وفضل تھیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن السباق، طفیل ابو ایوب مراغی کلثوم بن معطلق، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن شداد نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احادیث روایت کی ہیں۔

نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں اور نہایت تضرع سے دعا کرتی تھیں اور کثرت سے روزے رکھتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہت تعلق ومحبت تھی۔

ملنے کا پتہ
کتب خانہ شان اسلام
راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، پاکستان
فون : 7351120